قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

تبصرہ

جلد پنجم

سورۃ المائدہ

سید ریاض حسین شاہ

تھری میم سیرت فاؤنڈیشن دروالا، اسلام آباد

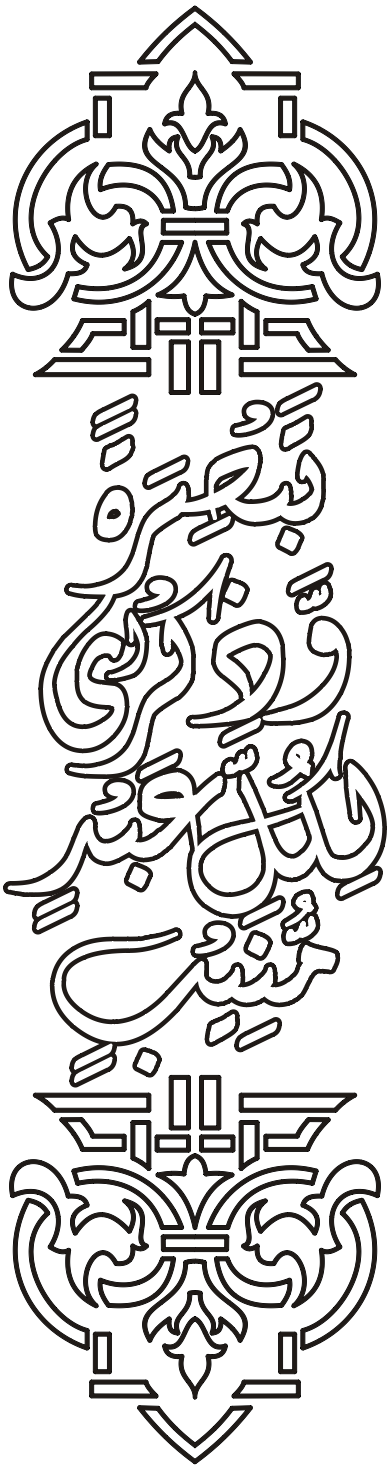

تبصرہ
جلد پنجم
سورۃ المائدہ
سید ریاض حسین شاہ

تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ

تبصرہ

قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

جلد پنجم

(سورۃ المائدہ)

سید ریاض حسین شاہ

three meem foundation

تھری میم سیرت فاؤنڈیشن دروالا، اسلام آباد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب ..... تبصرہ (سورۃ المائدہ)

ترجمہ وتفسیر ..... سید ریاض حسین شاہ

اشاعت اوّل ..... مارچ 2021ء

اشاعت دوم .....

ہدیہ .....

اہتمام خصوصی ..... ڈاکٹر محمد طارق (مانچسٹر)

ناشر ..... تھری میم سیرت فاؤنڈیشن

دروالا، اسلام آباد

042-35838038

0322-4301986

بسم الله
الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

سورۃ المائدہ

قرآن مجید کی پانچویں سورت ہے۔المائدہ نام کی مناسبت حوارییّن کی درخواست پر نزول مائدہ کا انعام ہے، ایسا انعام جس سے نبوت اور رسالت کے نظام کی تصدیق ہوئی اور اسی نعمت کی مناسبت سے نزول کا دن عید قرار دے دیا گیا۔ سورت کا نام ''العقود'' بھی ہے۔

ایک حدیث میں ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کے ملکوتی خزانوں میں سورۂ مائدہ کا نام ''المنقذہ'' ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ سورت بچانے والی ہے ،عذاب کے فرشتے بندے کو پکڑے ہوں گے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو ان کے ہاتھوں سے چھین کر انہیں عذاب سے بچالے گی''۔

سبحان اللہ!!!

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''سورۃ المائدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب منیر پر اکٹھی نازل ہوئی ،آپ اس وقت اپنی ناقہ پر سوار تھے۔کیفیت یہ بنی کہ اونٹنی کی ٹانگیں ٹوٹی جارہی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازارۂ شفقت سواری سے نیچے اتر آئے''۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ سورت اکٹھی بھی اتری اور آیت در آیت بھی اس کا نزول ہوا۔

محدثین کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو!

''سورت مائدہ قرآن مجید کی اکٹھی اترنے والی آخری سورت ہے سو اس کے
حلال کو حلال جانو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو''۔

ایک حدیث ایسی بھی موجود ہے جس کے مطابق آخری سورت سورۃ التوبہ اور ایک قول سورۃ الفتح کا بھی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ آخری اترنے والی سورت ''المائدہ'' ہے۔

سورۃ کے عمومی مضامین

1۔ سورۃ کا مرکزی مضمون عہود اور عقود کا پورا کرنا ہے بلکہ سورت جس تربیتی مواد پر گھومتی ہے وہ ایفائے عہد و وعدہ ہے

2۔ عدل وانصاف کی اہمیت، یہ سورت تربیت کرتی ہے کہ دوست ہو یا دشمن، عدل اور انصاف ہر ایک کو ملنا چاہیے

3۔ امن عامہ کو جو لوگ تباہ کرتے ہیں وہ مفسدین فی الارض ہوتے ہیں، انہیں کڑی سزائیں دینا ضروری ہوتا ہے

4۔ اطاعتِ رسول کو ریاستی امور، معاشرتی امور اور روحانی امور میں مرکزیت حاصل ہونا

5۔ قیادت اور ولایت کے اوصاف اور ان کا ریاستی کردار، احکام نافذ کرنے میں قائدین کا کردار

6۔ تعزیرات اور خصائص کا ہمہ گیر قانون

7۔ امتِ مسلمہ قافلۂ انسانیت کی ناگزیر ضرورت ہے

8۔ مردار، خون، لحم خنزیر اور ان چیزوں کے حرام ہونے کا بیان جن پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا جائے

9۔ وضو، غسل اور تیمم کے احکام

10۔ اسلامی حکومت کو لاحق خطرات سے آگاہی

11۔ شراب اور جوئے کی حرمت

12۔ شکار کی بابت رہنمائی خصوصاً احرام حج میں اس کے مضرات

13۔ رسومِ جاہلیت کی تردید

14۔ قسم کا کفارہ

15۔ قانونِ شہادت

16۔ شعائر اللہ کی تعظیم

17۔ تکمیلِ دین کا اعلان

18۔ کفار کی ناکامیاں اور مایوسیاں

19۔ تین واقعات

(ا)۔ ہابیل اور قابیل

(ب)۔ موسیٰ علیہ السلام اور تاریخ بنی اسرائیل

(ج)۔ اور نزول مائدہ کا قصہ

20۔ مذاہب میں انحراف اور غلو کا رد

21۔ تربیتی دستور میں خوش کلامی کا حصہ وغیرہ

22۔ آیتِ تبلیغ بھی سورۃ المائدہ ہی کا حصہ ہے

❁❁❁❁❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ①
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَلَا الۡهَدۡیَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ وَلَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی ۪ وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ②

(1) اے ایمان والو! وعدوعہد کی پابندی کرو، حلال ہوئے تمہارے لیے بے زبان مویشی سوائے ان کے جو تمہیں بتادیے جائیں گے لیکن حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے

(2) اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینوں کی اور نہ ہی ان قربانیوں کی جو حرم بھیج دی گئی ہوں اور نہ ان کی جن کے گلے میں علامتیں ہیں اور عزت والے گھر کی طرف آنے والوں کی جو اپنے ربّ کا فضل اور رضا ڈھونڈتے ہیں اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی جبکہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی پر نہ ابھارے، نیکی اور تقویٰ کے لیے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

''اے ایمان والو! وعد وعہد کی پابندی کرو، حلال ہوئے تمہارے لیے بے زبان مویشی سوائے ان کے جو تمہیں بتا دیے جائیں گے لیکن حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ سمجھو بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے''۔

ایک اہم بات

ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود سے عرض کی کہ آپ مجھے کوئی خاص نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' والی آیت سنو تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جاؤ اس لیے کہ ان الفاظ کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم دیا جاتا ہے یا کسی برائی سے ممانعت ہوتی ہے(1)۔

ایمان والوں سے خطاب

سورۃ النساء میں خطاب عام ہے ''اے لوگو''! لیکن سورۃ المآئدہ میں خطاب خاص ہے، ایمان والوں کو خطاب کیا گیا ہے، امت مسلمہ کی ایمانی، اسلامی، عمرانی اور روحانی تربیت کے خاص اشارات اس سورت میں رکھے گئے ہیں۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ خطاب اگرچہ ایمان والوں سے ہے لیکن حضور ﷺ اس میں شامل ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ ''اے ایمان والو''! کا خطاب قرآن مجید میں جہاں بھی ہو اس کا مصداق خصوصی علی المرتضیٰ ہوتے ہیں (2)۔ یہ قول امام زہری کا ہے اسی روایت کو حضرت ابن عباس سے بھی روایت کیا گیا ہے لیکن ابن کثیر نے اس پر جرح کیا ہے(3)۔

آیت کی روح وفا

آیت کی روح ''وفا'' ہے۔ انسان میں تربیت کی انتہا وفا کا التزام ہے۔ جس شخص میں ''وفا'' کا جوہر نہیں اس میں ''ایفا'' کا اخلاق کسی صورت میں نہیں آ سکتا۔ اگر سوچا جائے تو تسلیم و رضا ''مذہب'' کی پہچان ہے اور یہ ایمان کا جلوہ بھی ہے اس لیے تربیتی احکام کا صدور کرنے سے پہلے ایمان کے ''احساس ذمہ'' کو حرکت دی گئی ہے اس لیے ایمان والوں کو اس دشت عشق میں اترنے سے پہلے یہ حقائق تسلیم کر لینے چاہییں۔

- انسانیت کی تکمیل حقوق کے پورا کرنے سے ہوتی ہے خصوصاً معاش میں عدل، معاد کی بہتری کا اعلان ہوتا ہے۔ سورۃ النساء میں یہ بات سکھا دی گئی ہے۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْٓا: ایمان لائے ہو
اَوْفُوْا: پورا کرو
بِالْعُقُوْدِ: عہد و پیمان
اُحِلَّتْ: حلال کیے گئے
لَكُمْ: تمہارے لیے
بَهِيْمَةُ: بے زبان، بے عقل
الْاَنْعَامِ: جانور چوپائے
اِلَّا: مگر
مَا يُتْلٰى: جو پڑھ کر سنایا جائے گا
عَلَيْكُمْ: تم پر
غَيْرَ: نہ
مُحِلِّي: حلال سمجھو
الصَّيْدِ: شکار
وَ: درآں حالیکہ
اَنْتُمْ: کہ تم ہو
حُرُمٌ: حالت احرام میں
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
يَحْكُمُ: حکم دیتا ہے
مَا: جو
يُرِيْدُ: وہ چاہتا ہے

- ایمان ایک التزامی عہد ہے جس میں ہر انسان اپنے اوپر کچھ ذمہ داریاں لے لیتا ہے اس روحانی التزام ہی کو ایمان کی جلوہ آرائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
- وفا ایک خصلت ہے جو ایمان کی موجودگی ہی میں نشوونما پا سکتی ہے۔
- ایمانی احکام پر مسئولیت کے احساس کے ساتھ جب عمل کا آغاز ہو جائے تو اس کو ایفا یا تسلیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
- اسلام اور ایمان کی آسان ترین تعریف روحانی اور عمرانی عقود اور عہد و پیمان کے ساتھ وفا ہے۔

شان نزول

شریح بن حنیفہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آپ لوگوں کو کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ پر ایمان لانے اور اپنی رسالت کی تصدیق کرنے
کی دعوت دیتا ہوں اور تم سے بھی میں یہی چاہتا ہوں''۔

اس نے اپنی قوم سے مشورہ کرنے کی مہلت مانگی لیکن ہوا یہ کہ جب وہ مدینہ سے واپس ہونے لگا تو یہاں سے مسلمانوں کے جانور ہنکا کر لے گیا حالانکہ اس کے آنے سے پہلے ہی آپ فرما چکے تھے کہ آج ایک ایسا شخص آئے گا جو شیطان کی زبان میں بات کرے گا، آئے گا کافر اور جائے گا غدار بن کر۔ اس کے بعد آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیّت میں مکہ تشریف لے جانے لگے تو آپ کے رفقاء نے شریح کو پہچان لیا کہ وہ اونٹ لیے جا رہا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعاقب کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی، روح اس کی یہ تھی کہ عقود پورے کیے جائیں (A-3)۔ واللہ اعلم

عقود کی بحث

عقود ''عقد'' کی جمع ہے۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں رسّی کے دو سروں کو یا دو رسّیوں کو ایک دوسرے سے گرہ لگانا ''عقد'' ہوتا ہے۔ اس سے مجاز میں جا کر یہ لفظ عہد و پیمان کے معنوں میں استعمال ہونے لگ گیا (4)۔

آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں (5):

''عقد'' وضع اور کیفیت کے لحاظ سے طرفین میں ہونے
والے کسی معاہدے کی یا عقد کی تین قسمیں ہوتی ہیں:
کبھی عقد خدا اور بندے کے درمیان ہوتا ہے اور کبھی یہ

انسان اوراس کے اپنے نفس کے درمیان ہوتا ہے اور کبھی
انسان اور دوسرے انسانوں کے درمیان ہوتا ہے ایفا
سب کے لازم ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عبیدہ فرماتے ہیں(6):

عقود اپنی تفصیل میں کثیر ہیں لیکن مشہور پانچ عقود ہیں:

(1) عقدِ ایمان
(2) عقدِ نکاح
(3) عقدِ تجارت وبیع
(4) کسی بھی قسم کا وعدہ اور عہد
(5) اور وہ قسمیں جن سے کوئی بات پختہ کی گئی ہو۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہے اسے پورا کرنا بھی عقد میں آتا ہے۔ یوں ہی جو چیزیں قرآن میں فرض قرار دی گئی ہیں یا بطور حدود بیان ہوئی ہیں ان کا خیال رکھنا اور پورا کرنا عقود میں آتا ہے۔ قسموں کا پورا کرنا، نذور کا پورا کرنا وغیرہ بھی عقود میں آتا ہے۔ ناجائز وعدے، جھوٹی قسمیں، نیکی نہ کرنے کا عقد فاسد ہیں ان کی تکمیل لازم نہیں آتی۔ یہ باتیں بیہقی نے کتاب الایمان میں بھی روایت کی ہیں(7)۔

''انعام''اور''بھیمہ'' کی بحث

عہد و پیمان اور عقد وعقود کی بحث کے بعد احکام اسلامی کا بیان شروع ہوا۔ پہلا مسئلہ جانوروں کے گوشت کے حلال ہونے کے بارے میں ہے۔

''انعام' نعم'' کی جمع ہے اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور گوسفند پر ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ چوپائے تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں''بھیمہ' بھمہ'' سے ہے اس کا معنیٰ محکم اور سخت پتھر ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جس کا ادراک مشکل ہوا سے''مبھم'' کہتے ہیں وہ جانور جو بول چال نہیں سکتے اور اپنی منشا کو بیان نہیں کر سکتے وہ''بھیمہ'' ہوتے ہیں(8)۔

یاد رہے کہ حیوانات کی دو قسمیں ہیں(9):

- ایک آبی جانور اور دوسرے برّی یعنی خشکی کے جانور، آبی جانوروں میں مچھلی کے سوا تمام جانور حرام ہیں۔

خشکی اور جنگلی جانوروں کی تین اقسام ہیں:

- پہلی قسم حشرات الارض کی ہے ان میں کیڑے مکوڑے یا نیولے، سانپ وغیرہ ہیں۔
- دوسری قسم انعام کی ہے جس کی تفصیل سورۃ الانعام میں آئے گی۔
- تیسری قسم شکار کرنے والے پرندوں کی ہے جو اپنے پنجوں کے ساتھ شکار کو پکڑ کر کھاتے ہیں۔

ایک اصولی بات

اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کو حلال قرار دیا ہے تاوقتیکہ اس کے خلاف کوئی شرعی حکم نہ دیا گیا ہو۔ قطعی حلال کو حرام قرار دینا کفر ہے اور قطعی حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے۔ ''بھیمہ'' بے عقل چوپائے کو کہا جاتا ہے، اسی طرح شکاری جانور اُسے کہا جائے گا جسے گھر میں نہ پالا گیا ہو۔ ''چار پایوں'' میں اونٹ، بکریاں، بھیڑیں، گائیں، بھینسیں اور بیل وغیرہ آتے ہیں۔ ''بھیمہ'' میں وہ جانور بھی آتے ہیں جن کے سم پھٹے ہوئے ہوں۔

آیت میں اشارہ جانوروں کی آٹھ قسموں کی طرف ہے یعنی گھریلو جانوروں کی آٹھ قسمیں جو تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں تفصیل سورۂ انعام میں ہے (10)۔

''اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ'' کی تشریح

آیت کے اس حصے میں ان جانوروں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جن کی حرمت قرآن مجید میں بیان کر دی گئی ہے مثلاً مردار جانور ہے، خنزیر ہے، وہ جانور جن کو ذبح کرتے وقت بغیر تکبیر کے ذبح کیا جائے اور غیر اللہ کا نام اس موقع پر لیا جائے۔ وہ جانور جو اونچی جگہ سے گر کر مر جائے یا جن جانوروں کو گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اور وہ جانور جنہیں بت کدوں میں ان کے تقرب کے لیے ذبح کر دیا جائے۔ ان احکام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیا گیا کہ چوپائے یوں تو حلال ہیں اور جنگل کا شکار بھی حلال ہے لیکن حج یا عمرہ کے احرام کی حالت میں اگر کوئی ہو تو اس وقت شکار کرنا گناہ ہے اس لیے اس خاص حالت میں اس سے بچنا چاہیے۔

آیت کا آخری حصہ

کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی حکم دیتا ہے۔ مختلف اوامر اور احکام کی مصلحتیں اور حکمتیں وہی جانتا ہے۔ بعض صورتوں میں بعض گوشت حلال اور بعض حرام ہیں ان باتوں میں حکمت کیا ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ زمین کی مٹی کو درختوں کی غذا بنا دیا گیا اور بیل بوٹوں اور سبزہ کو جانوروں کی غذا بنا دیا گیا، یوں ہی حلال جانوروں کا گوشت انسانوں کی خوراک ہو گئی۔ انسان سے اعلیٰ اور اشرف کوئی ہے نہیں اس لیے یہ کسی کی خوراک نہیں بن سکتا (11)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٢

''اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینوں کی اور نہ ہی ان قربانیوں کی جو حرم بھیج دی گئی ہوں اور نہ ان کی جن کے گلے میں علامتیں ہیں اور عزت والے گھر کی طرف آنے والوں کی جو اپنے ربّ کا فضل اور رضا ڈھونڈتے ہیں اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی جبکہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی پر نہ ابھارے، نیکی اور تقویٰ کے لیے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو اور ڈرتے رہو، اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے''۔

''شعائر'' کی تعریف

علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں (12):

> ''قرآن مجید کا یہ حکم کہ شعائر کی بے حرمتی نہ کریں تقدّسات حج کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لغت میں ''شعائر' شعیرہ'' کی جمع بنتی ہے جس کا معنیٰ علامت اور نشانی ہوتی ہے، ایسی علامت جس کے ذریعے حق اور باطل کی شناخت ہو سکتی ہے''۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا ''شعائر'' سے مراد مناسک حج اور مواقف ہیں یعنی کعبہ کا طواف، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، عرفہ اور مزدلفہ میں قیام، کنکریاں مارنا، وہ تمام امور جو حاجی کرتا ہے جیسے احرام، طواف، حلق و تقصیر اور قربانی کرنا وغیرہ ''شعائر'' کو حلال قرار دینے سے مراد ان کی پرواہ نہ کرنا، ان کی بے حرمتی کرنا اور حاجیوں کو روکنا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے ''شعائر'' سے مراد قربانی کے جانور ہیں، کہا جا رہا ہے ان میں کسی بھی چیز کی بے حرمتی نہ کرو (13)۔

''اشعار'' کا معنیٰ بھی اسی لفظ سے ماخوذ ہے۔ اونٹ کی کوہان کو ایک پہلو میں تھوڑا سا چیر کر نشان بنا دیتے ہیں یہ اس لیے ہوتا ہے کہ پتہ چل جائے کہ یہ اونٹ قربانی کا ہے (14)۔

عطیہ کی روایت میں ''شعائر کی بے حرمتی نہ کرو'' کا معنیٰ یہ ہے کہ حالت احرام میں شکار نہ کرو (15)۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
لَا: نہیں
تُحِلُّوْا: بے حرمتی کرو
شَعَآئِرَ: نشانیاں
اللّٰهِ: اللہ
وَلَا: اور نہ
الشَّهْرَ: مہینہ
الْحَرَامَ: عزت والا
وَلَا: اور نہ
الْهَدْيَ: حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں
وَلَا: اور نہ
الْقَلَآئِدَ: جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے
وَلَآ: اور نہ
آٰمِّيْنَ: قصد کرنے والے
الْبَيْتَ الْحَرَامَ: حرمت والے گھر کا
يَبْتَغُوْنَ: تلاش کرتے ہیں
فَضْلًا: فضل
مِّنْ رَّبِّهِمْ: اپنے ربّ کی طرف سے
وَرِضْوَانًا: اور رضا
وَاِذَا: اور جب
حَلَلْتُمْ: تم احرام کھول دو
فَاصْطَادُوْا: تو شکار کر لو
وَلَا: اور نہ
يَجْرِمَنَّكُمْ: ہرگز اکسائے تم کو
شَنَاٰنُ: دشمنی

مفردات

قَوْمٍ: کسی قوم کی
اَنْ: یہ کہ
صَدُّوْكُمْ: روکا تھا تم کو
عَنِ: سے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: مسجد حرام سے
اَنْ: یہ کہ
تَعْتَدُوْا: تم زیادتی کرو
وَتَعَاوَنُوْا: اور باہم مدد کرو
عَلَى الْبِرِّ: نیکی پر
وَالتَّقْوٰى: اور تقویٰ پر
وَلَا تَعَاوَنُوْا: اور نہ مدد کرو
عَلَى: پر
الْاِثْمِ: گناہ
وَالْعُدْوَانِ: اور زیادتی
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
شَدِيْدُ: سخت
الْعِقَابِ: سزا دینے والا

حرمت والے مہینے

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا(16):

> ''زمانہ گھوم کر ٹھیک اسی طرز پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا، سال بارہ ماہ کا ہے جس میں چار ماہ حرمت والے ہیں، تین تو پے در پے ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجّہ اور محرم شریف ہیں چوتھا رجب کا ہے جسے قبیلہ مضر کا رجب کہا جاتا ہے۔ یہ جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان آتا ہے''۔

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ان مہینوں کے اندر لڑائی کرنا حلال نہ کرلو، بعض ائمہ نے اس حصہ کے نسخ کی بات کی ہے البتہ قتیبی نے کہا کہ یہاں ممانعت ''نسی'' کی ہے یعنی مہینوں کے تقدم تاخر سے اللہ کی شریعت کو کھلونا نہ بنالو۔ تین قول الگ بھی کیے گئے ہیں مراد ذوالقعدہ ہے، دوسرا قول رجب کا بھی ہے اور چاروں حرمت والے مہینوں کی بات بھی کی گئی ہے(17)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے کہا یہاں ''نسی'' کی ممانعت ہے۔ حرمت والے مہینوں کے بدلے عرب خود دوسرے مہینوں کو حرمت والا بنا دیتے اور حرمت والے مہینہ کو مفاد پرستی میں حلال کر لیتے اس سے منع کیا گیا ہے(18)۔

آیت میں اصطلاحیں

(1) ''ھدی، ھدیہ'' کی جمع ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چوپائے جو قربانی کے طور پر بیت الحرام کے لیے ''اھداء'' کیے جائیں(19)۔

(2) ''قلائد، قلادہ'' کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے وہ چیز جو قربانی کے جانوروں کے گلے میں بطور علامت اور نشانی ڈال دی جائے(20)۔

آیت میں مفہوم یہ ہوگا اس قسم کے جانوروں کو حلال نہ سمجھو انہیں رہنے دو تا کہ وہ قربان گاہ تک پہنچ جائیں اور وہاں پر ان کی قربانی دے دی جائے۔

(3) ''اُمیّین'' سے مراد وہ تمام زائرین ہیں جو بیت اللہ کے قصد اور ارادے سے نکلیں(21)۔

اسلام اسلامی احکام کی ادائیگی کے لیے آزادی دیتا ہے۔اس سلسلہ میں افراد، قبائل اور زبانوں کا کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔ یہ آیت یہ سمجھاتی ہے کہ لوگوں کو رضائے الٰہی کے لیے خانۂ خدا کی طرف نکلنا چاہیے اگر مناسک کی ادائیگی کے دوران کوئی تجارتی منفعت حاصل کر لے تو اس صورت میں بھی مزاحمت نہیں ہونی چاہیے۔

شکار کی حرمت

شکار کی حرمت صرف زمانۂ احرام کے ساتھ خاص ہے۔حج اور عمرہ کرنے والے جس وقت حالت احرام سے باہر آجائیں پھر آیت رہنمائی کرتی ہے کہ شکار کرنا جائز ہو جاتا ہے(22)۔

معاشرتی استحکام کی بنیادیں

حدیبیہ کے سال مسلمان زائرین کو مکہ والوں نے زیارت سے روک دیا تھا۔اگلے سال اگرچہ زیارت کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں کے دل بھرے ہوئے تھے، ممکن تھا کہ قلبی عداوت اور بوجھ مسلمانوں کو جنگ پر برانگیختہ کر دیتا اس لیے انہیں روکا گیا کہ تم پرانی دشمنی اور زہریلی حرکت کی وجہ سے کہیں زیادتی نہ کر دو، آیت کا نزول بھی حدیبیہ ہی کے ماحول میں ہوا۔

لفظ ''جرم'' جو آیت میں استعمال ہوا اس کا معنیٰ درخت سے غیر مناسب پھل توڑنے کے ہیں، بعد ازاں راغب لکھتے ہیں کہ ہر نامناسب کام کو ''جرم'' کہہ دیتے ہیں۔کسی شخص کو کسی ناپسندیدہ کام پر اکسانا بھی ''تجریم'' ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے نئے معاشرہ کی تخلیق کے لیے مسلمانوں کے ذہنوں سے تکلیف دینے والے کانٹے چن لیے اور انہیں روحانی لحاظ سے تیار کیا کہ وہ پرانی دشمنیاں بھول جائیں، لوگوں کو معاف کرنا سیکھ لیں۔نیکی پر باہم مدد کا قانون اپنائیں، گناہ اور زیادتی کے لیے ایک نہ ہوں بلکہ وسعت معاش، وسعت معاشرت اور وسعت اخلاق کی بنیاد پر ایک ہوں اور یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ تقویٰ ہی معاشرہ کو مضبوط کر سکتا ہے اور اس اصول کو بھی یاد کر لیں کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

آیت میں آٹھ احکام ہیں جو دقت نظر سے پڑھ لیے جائیں تو مقتضیات عقل اور مقتضیات عشق کی تکمیل ہو سکتی ہے اور تعمیر شخصیت کی بنیادیں میسر آسکتی ہیں۔

❁❁❁❁❁

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ
بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ
السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۚ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا
بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ
فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي
مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝٣

(3) حرام کر دیا گیا تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور وہ جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار چیز سے مارا ہوا جانور اور گر کر مرنے والا اور سینگ کی چوٹ سے مرنے والا اور جسے کوئی درندہ کھا گیا سوائے ان کے جنہیں تم ذبح کر لو اور حرام ہیں وہ جانور جو بتوں کے تھان پر ذبح کیے گئے ہوں اور پانسے ڈال کر تم نے تقسیم کیا ہو، یہ سب گناہ کے کام ہیں آج کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا پس جو شخص بھوک کی شدت میں حالت اضطرار میں پڑ کر گناہ میں جھک نہ گیا ہو اس کے لیے رخصت ہے پس بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۧ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳

''حرام کر دیا گیا تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور وہ جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار چیز سے مارا ہوا جانور اور گر کر مرنے والا اور سینگ کی چوٹ سے مرنے والا اور جسے کوئی درندہ کھا گیا سوائے ان کے جنہیں تم ذبح کر لو اور حرام ہیں وہ جانور جو بُتوں کے تھان پر ذبح کیے گئے ہوں اور پانسے ڈال کر تم نے تقسیم کیا ہو، یہ سب گناہ کے کام ہیں آج کافر لوگ تمہارے دین سے مایوس ہو چکے ہیں سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا پس جو شخص بھوک کی شدت میں حالت اضطرار میں پڑ کر گناہ میں جھک نہ گیا ہو اس کے لیے رخصت ہے، پس بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

سورۃ المآئدہ میں آغاز ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ تمہارے لیے چوپایوں کا گوشت حلال ہے لیکن ساتھ استثناء کی گئی تھی کہ بعد میں تمہیں بتا دیا جائے گا کہ جانوروں میں سے کون سے جانور حرام ہیں۔ اب اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ یہ گیارہ قسم کے جانور ہیں جن کا گوشت حرام ہے:

(1) پہلی قسم میتہ ہے، وہ مردار جس کی روح خود بخود نکلی ہو

(2) دوسری قسم خون کا حرام ہونا ہے۔ اس سے مراد سیال اور بہنے والا خون ہے۔ اصل میں عصر جاہلیت میں لوگ خون پی لیا کرتے تھے اس آیت میں اس کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا۔

(3) تیسری چیز خنزیر کا حرام ہونا ہے۔ آیت میں اگرچہ لکھا گیا ہے کہ خنزیر کا گوشت حرام ہے لیکن اس کے تمام اجزائے بدن حرام ہیں۔

مفردات

حُرِّمَتْ: حرام کر دی گئی
عَلَيْكُمُ: تم پر
الْمَيْتَةُ: مردار
وَالدَّمُ: خون
وَلَحْمُ: اور گوشت
الْخِنْزِيْرِ: خنزیر
وَمَآ: اور جو یا جن
اُهِلَّ: بلند کیا گیا
لِغَيْرِ: غیر
اللّٰهِ: اللہ کا نام
بِهٖ: ذبح کے وقت
وَالْمُنْخَنِقَةُ: وہ جانور جن کا گلا گھونٹ دیا گیا ہو
وَالْمَوْقُوْذَةُ: اور تشدد کر کے مارے گئے جانور
وَالْمُتَرَدِّيَةُ: اور جو بلندی سے گر کر مر جائیں
وَالنَّطِيْحَةُ: اور وہ جانور جو سینگ لگنے سے مر جائے
وَمَآ: اور جو
اَكَلَ: کھایا اس نے
السَّبُعُ: درندہ جانور نے
اِلَّا: مگر وہ حرام نہیں
مَا: جسے
ذَكَّيْتُمْ: تم نے ذبح کر لیا ہو
وَمَا: اور جو
ذُبِحَ: ذبح کیا گیا ہو
عَلَى: پر
النُّصُبِ: بت پر یا مقام بت پر
وَ: اور

(4) چوتھی قسم ان چوپایوں کی ہے جن کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔ اصل میں مشرکین جانور ذبح کرتے ہوئے چیخ چیخ کر اپنے بتوں کا نام لیتے، آواز کو بلند کرنے کی مناسبت سے ''اُهِلَّ'' لفظ استعمال کیا گیا۔

ابو طفیل کی روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا خصوصیت کے ساتھ آپ کو کوئی چیز دی ہے جو عام لوگوں کو نہ دی ہو آپ نے فرمایا: سوائے اس تحریر کے اور کوئی تحریر نہیں، اس کے ساتھ ہی آپ نے تلوار کے پرتلہ سے وہ تحریر نکال لی جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

- اللہ کی لعنت اس پر جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے ذبح کرے یعنی ذبح کے وقت دوسرے کے نام کو شریک بنالے۔
- اللہ کی لعنت اس شخص پر جو زمین کے نشانات میں چوری کرے ایک دوسری روایت میں چوری کی جگہ بگاڑنے کا لفظ آیا ہے۔
- اللہ کی لعنت اس شخص پر جو اپنے باپ پر لعنت کرے یعنی اپنے باپ کے علاوہ خود کو کسی اور کی طرف منسوب کرے۔ وہ لوگ جو زبردستی سید بنتے ہیں وہ سب لعنتی ہیں اور اللہ کی لعنت اس پر جو دین میں نئی بات نکالنے والے کو ٹھکانہ دے (23)۔

(5) پانچویں قسم ان جانوروں کی ہے جو گلا دبا کر یا گھونٹ کر مار دیے گئے ہوں، یہ حرام ہیں۔

(6) چھٹی قسم موقوذہ جانوروں کی ہے۔ اس لفظ کا معنیٰ چوٹ مار کر جانور کو مار دینا ہوتا ہے۔ عصر جہالت میں لوگ لاٹھیاں مار مار کر جانور کو مار دیتے ہیں اس قسم کے جانور بھی حرام ہوتے ہیں۔

(7) ساتویں قسم بلندی سے گر کر مر جانے والے جانوروں کی ہے، یہ بھی حرام ہوتے ہیں۔

(8) آٹھویں قسم باہم ٹکرا کر مر جانے والے چوپایوں کی ہے، وہ جانور جو ایک دوسرے کو سینگ مار مار کر ہلاک کر دیں ان کا گوشت کھانا بھی حرام ہوتا ہے۔

(9) نویں قسم ان چوپایوں کی ہے جنہیں درندوں نے مارا ہو اور کچھ حصہ کھا کر کچھ حصہ چھوڑ دیا ہو ان کا گوشت بھی کھانا حرام ہے۔

آیت یہ بھی وضاحت کرتی ہے وہ جانور جن کو مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے ان کا

مفردات

اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا: تم قسمت آزمائی کرو
بِالْاَزْلَامِ: مخصوص تیروں کے ذریعے
ذٰلِكُمْ: یہ سب کچھ
فِسْقٌ: گناہ ہے
اَلْيَوْمَ: آج کے دن
يَئِسَ: مایوس ہو گئے
الَّذِيْنَ: وہ جو
كَفَرُوْا: کافر ہوئے
مِنْ دِيْنِكُمْ: تمہارے دین سے
فَلَا تَخْشَوْهُمْ: تو ان سے نہ ڈرو
وَاخْشَوْنِ: اور مجھ سے ڈرو
اَلْيَوْمَ: آج کے دن
اَكْمَلْتُ: میں نے مکمل کر دیا
لَكُمْ: تمہارے لیے
دِيْنَكُمْ: تمہارا دین
وَاَتْمَمْتُ: اور پوری کر دی
عَلَيْكُمْ: تم پر
نِعْمَتِيْ: اپنی نعمت
وَرَضِيْتُ: اور چن لیا
لَكُمُ: تمہارے لیے
الْاِسْلَامَ: اسلام
دِيْنًا: دین کو
فَمَنِ: تو جو
اضْطُرَّ: مجبور ہو جائے
فِيْ: بیچ
مَخْمَصَةٍ: بھوک کی حالت میں
غَيْرَ: نہ
مُتَجَانِفٍ: ارتکاب کرنے والا

مفردات

لِّاِثْمٍ: گناہ
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰہَ: اللہ
غَفُوْرٌ: بہت بخشنے والا
رَّحِیْمٌ: بڑا مہربان

گوشت کھانا حلال ہے بشرطیکہ وہ جانور حلال ہوں۔ ذبح شرعی یہ ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ حلق میں رگوں کو کاٹ کر یا چھید کر خون بہانا تاکہ بدن سے حرارت نکل جائے اور ابطال حیات ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوفل بن ورقاء خزاعی کو اونٹ پر سوار کر کے منیٰ کی گھاٹیوں میں بھیجا تاکہ وہ اعلان کر دیں ذبح اور نحر حلق اور لبہ میں ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ ذبح کی رگیں چار ہیں:

حلقوم۔۔۔۔۔سانس کی نالی

مری۔۔۔۔۔غذا کی نالی

اوداج۔۔۔۔۔اس میں دو نالیاں خون کی ہوتی ہیں

امام مالک کے نزدیک چاروں کا کٹنا ضروری ہوتا ہے۔

امام شافعی کے نزدیک حلقوم اور مری کا کٹ جانا کافی ہے۔

امام احمد امام مالک کے ساتھ ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین کٹ جائیں تو ذبح شرعی متحقق ہو جاتا ہے (24)۔

(10) دسویں قسم ان جانوروں کی ہے جنہیں بتوں کے ''نصب'' پر ذبح کیا جائے ان کا گوشت کھانا حرام ہے۔ ''نصب'' جمع ہے اس کا واحد ''نصاب'' آتا ہے ایسے ہی جیسے کتب جمع ہے اس کا واحد کتاب ہوتا ہے۔ مظہری نے یہ احتمال بھی لکھا کہ ''نصب'' مفرد ہے جس کی جمع ''انصاب'' آتی ہے۔

بت پرستی، صنم گری اور صنم خواہی سرطان ہے۔ اسلام نے اس کی بیخ کنی کی، قطرب نے لکھا کہ ''علٰی'' بمعنیٰ لام ہے مطلب یہ ہوا کہ جو جانور بتوں کے استھانوں کے لیے ذبح کیے ہوں وہ بھی حرام کر دیے گئے۔

(11) گیارہویں قسم جوئے کے تیروں سے فال نکالنا ہے۔ ''استقسام'' کا معنیٰ اپنا حصہ پہچاننے کی طلب۔ ''ازلام' زلم'' کی جمع ہے یہ چھوٹے تیر ہوتے جن کے پھل نہ تھے اور ان کی تعداد سات تھی، یہ کعبہ کے مجاوروں کے پاس رکھے ہوتے ان میں سے ایک پر لکھا ہوتا: ''ہاں''

دوسرے پر لکھا ہوتا: ''نہیں''

تیسرے پر لکھا ہوتا: ''تم سے''

چوتھے پر لکھا ہوتا: ''تمہارے علاوہ''

پانچویں پر لکھا ہوتا: ''چسپاں رہے''

چھٹے پر لکھا ہوتا: ''عقل''

اور ساتویں کو خالی رکھا جاتا اس پر کچھ نہ لکھا ہوتا۔

لوگ جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو مجاور کے پاس جاتے اور وہ سو درہم لے کر تیر گھماتے اور فیصلہ سنا دیتے۔ بعض اوقات گوشت بھی ایسے ہی تقسیم کرتے، تفصیل تفسیر مظہری میں پڑھ لی جائے۔ بعض فالیں بہتر بھی ہیں لیکن اللہ پر عقیدہ کمزور کر دینے والے معمولات نجس ہیں (25)۔

کافروں کے مایوس ہونے کا معنیٰ

کافروں نے اسلام کو دبانے کی ہر کوشش کی، پیسہ کھپایا، انفرادی شرارتیں کیں، اجتماعی حیلے کیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا سلسلہ ختم ہو جائے لیکن نحوستوں کی تاریخ خود مشرکین کو پگھلاتی رہی یہاں تک کہ اللہ نے اسلام کی نعمت کو مکمل کر دیا۔ آیت میں اسی طرف اشارہ کیا گیا کہ کافر دین کو مغلوب کرنے کی امید ختم کر بیٹھے ہیں، ان کی کوششوں کے پر کٹ چکے ہیں، پہلے وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان واپس مرتد ہو جائیں گے لیکن اب ان پر مایوسی چھا چکی ہے، مسلمانوں کی زمین کو اللہ نے آسمان بنا دیا ہے۔

ایک بڑا اعلان

سورہ المائدہ میں یہی وہ عظیم الشان آیت ہے جس میں ایک بڑے دن کا اعلان کر دیا گیا کہ آج کے دن چار حقیقتوں کے پورا ہونے کا دن ہے:

(1) کفار آج کے دن مایوس ہو گئے

(2) دین اس دن مکمل ہو گیا

(3) اللہ نے اپنی نعمت مکمل کر دی

(4) اور اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پوری دنیا کے لوگوں کے لیے آخری دین کی حیثیت میں چن لیا۔

وہ دن کون سا تھا جب اتنا بڑا اعلان ہوا؟ ظاہر ہے اس دن سے مراد وہ دن نہیں ہو سکتا جب گوشت خوری کے احکام مکمل کر دیے گئے۔ چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے

یہ آیت سن کر کہا کہ ایسی آیت اگر ہماری آسمانی کتب میں ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن قرار دے دیتے۔

- ائمہ تفسیر نے جو قول کیے ہیں وہ عرفہ کے دن کا ہے یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ یہ چار حقیقتیں کیا اس دن ثمر بار محسوس ہوئی تھیں۔ اس میں کفار کے مایوس ہونے کی علامت کیا تھی؟
- یہ بھی کہا گیا کہ اس سے فتح مکہ کا دن مراد ہے لیکن عالمی تناظرات میں بہت سے فیصلے بعد میں ہوئے مکمل کا معنی مکمل ہی ہونا چاہیے۔
- بعض مفسرین نے سورۂ توبہ کے نزول کے دن کی طرف اشارہ کیا لیکن مشرکین سے برأت تو اس دن قابل فہم ہے لیکن احکام اور آیات کے نزول کے اعتبار سے اس دن کو عظیم تر سمجھنا مشکل ہو رہا ہے
- یہ بھی کہا گیا ہے کہ اشارات ''12 ربیع الاول'' میں موجود ہیں اس لیے کہ اس میں میلاد و رحلت کی دعوتی حکمتیں سمجھ کر ''اَلْيَوْمَ'' کی مراد متعین کی جاسکتی ہے۔
- شیعہ مفسرین نے غدیر خم والے دن کو یہ عظیم دن قرار دیا ہے۔ جب حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی ولایت عام کا اعلان ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دی۔
- اپنی اپنی جگہ ہر قول کی اہمیت موجود ہے لیکن آیت کی نصابی روشنی کو ملحوظ رکھ لیا جائے تو یہ حقائق خود بخود روحوں کی سرزمین کو سیراب کر دیتے ہیں۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک حیات میں قافلۂ انسانیت کو قرآن دیا، اس کی روشنیاں ناقابل تسخیر ٹھہریں، افکار کو روشنی ملی اور تحریکات حق کو منزل میسر ہو گئی فلہذا نزول وحی کی تکمیل کا دن ہی عید کا دن ہو سکتا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت کے نزول کے بعد اسّی یا اکاسی دن دنیا میں رہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس میں احساسات کی تیزی کے لیے نبوی توجہ اور التفاتِ کرم ضروری تھا اور یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض منصبی بھی تھا۔
- قوموں کی تاریخ میں نبوی نظام کے زیر سایہ تربیت بھی اہم ہوتی ہے اس کے لیے قیادتوں کی تاریخ اہمیت رکھتی ہے۔ ہمارے نزدیک خم غدیر کی تاریخ کسی فرقہ کا جشن نہیں ہے اسلام کے نظام تربیت کی تکمیل کا اعلان ہے۔ اس اعتبار سے علی رضی اللہ عنہ کو ماڈل تربیت یافتہ شخص قرار دے کر قیامت تک انہیں قرآن کے ساتھ جوڑ دینے والا دن غیر اہم نہیں ہو سکتا۔ اس سے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہمیت اور فضیلت کا عنوان مدھم نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس قافلے کا وجود صرف 110 ہجری تک رہنا تھا اور علی رضی اللہ عنہ کی اولاد نے پل صراط تک

روشنی بانٹتی تھی۔

- 12 ربیع الاول کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے تھوڑی سی محبت آمیز توجہ درکار ہے۔ کسی بھی نعمت کی تکمیل اور اہتمام حضرت محمد ﷺ سے کٹ کر نہیں ہوسکتا۔ جان ایمان اور روح دین تو وہی ہیں بلکہ نگاہ عشق و مستی میں وہی اول اور وہی آخر ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ختم نبوت کے حساس عنوان پر جب بھی غور ہوگا 12۔ ربیع الاول کی روشنیاں شش جہات میں پھیلی محسوس ہوں گی۔ ہمارے نزدیک مفاہیم آیت ربیع الاول کی پیشانی پر بھی چمکتے دمکتے محسوس کیے جاسکتے ہیں اگر سوچا جائے تو میلاد والے دن کی روشنیاں تاریخ کو ہلا کر نہیں رکھ دیتیں آیت کے اندر باتیں واقعۃً ظاہر محسوس کی جاسکتی ہیں۔
- رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو نقش برآب معجزہ نہیں قرار دیا جاسکتا، آپ نے زندہ کردار پیدا کیے، بلاشبہ رحمت عالم کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے بذات خود حضور ﷺ کا معجزہ ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد کا زمانہ حضور ﷺ نے ان نعمتوں کی یاددہانی، ان سے مستفید ہونے کا عملی جذبہ اور محبت آمیز احساسات کی تبلیغ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ گویا آپ ہر روز اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان چار حقیقتوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کر دیتے۔ یہ مقصود ہر اہم موقع پر پورا کیا جاتا، کہا جاسکتا ہے کہ ''اَلْیَوْمَ'' کی تاریخ کسی متعین دن کی بجائے پیغمبر ﷺ کی پوری زندگی میں تلاش کرنے کا جذبہ اصلی جشن ہے اور قرآن سے وابستگی ہی اصل عید ہے۔

واللہ اعلم

آیت کا آخری حصہ

اس آیت کو قانونی مفاہیم کی ایک اہم شق پر سمیٹا جارہا ہے۔ اچھے قانون کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ اس میں لچک ہوتی ہے اور اس میں معصومیت اور ضرورت دونوں کا احساس شامل ہوتا ہے۔ گوشت خوری پر شدید تحکیماتی بندشیں، جن سے حرام سے بچا جاسکے جب یہ مضمون انتہا کو پہنچا تو ساتھ ہی مضطر شخص کے لیے نظریہ ضرورت کے تحت رحمت افزائی کی گئی کہ ایسا شخص جو شدید بھوک میں مبتلا ہو جائے اور اس کے پاس کھانے کے لیے اور کچھ موجود بھی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ''**مخمصہ**'' لفظ ''**خمص**'' سے ہے اس کا معنیٰ دھنس جانا ہوتا ہے۔ یہ ایک خوبصورت ادبی مجاز ہے کہ بھوک کے وقت پیٹ اور شکم اندر دھنس جاتے ہیں۔ اگر کوئی اس مشکل سے دو چار

ہوجائے اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص گناہ کی طرف رغبت نہ رکھتا ہو اور اس کی نیت صاف ہو تو وہ جان بچانے کے لیے مذکورہ ممنوعات سے مستفیض ہوسکتا ہے۔ اس کی حد کتنی ہوسکتی ہے یہ استعمال کرنے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ اسے ستھری خوراک کی فراہمی تک ہی گندی خوراک کھانے کی اجازت ہے۔ آیت خوبصورت ہے اس میں اضطرار، ضرورت اور ضمیر تینوں کی تحریک کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آخری لفظ آیت کے بتلاتے ہیں اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اس میں لطافتِ نفسی کے مقامِ عظیم کی طرف اشارہ موجود ہے اس لیے اللہ کی دو صفتیں یاد کروائی گئی ہیں:

ایک اللہ کا غفور ہونا اور دوسرا مہربان ہونا

کیا یہ نہیں سوچا جاسکتا؟

کہ اجازت رحمت ہے اور جسارت قابل معافی ہے لیکن فضیلت قانون کی فرماں روائی میں ہے۔

❁❁❁❁❁

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴

(4) آپ سے پوچھتے ہیں کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں، فرما دیجیے! حلال ہوئیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور جانور جو تم نے سدھا لیے ان کا شکار بھی حلال ہے کہ تم ان کو سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے تو کھاؤ اس میں سے جو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اور اللہ کا نام لو اس پر اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ جلد لینے والا ہے حساب

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴

''آپ سے پوچھتے ہیں کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں، فرما دیجیے! حلال ہوئیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور جانور جو تم نے سدھا لیے ان کا شکار بھی حلال ہے کہ تم ان کو سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا ہے تو کھاؤ اس میں سے جو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اور اللہ کا نام لو اس پر اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ جلد لینے والا ہے حساب''۔

آیت کا نزولی پس منظر اور روایات

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آستان کرم پر جبرائیل کی حاضری ہوئی اور اجازت طلب کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضری کی اجازت دے بھی دی لیکن جبرائیل علیہ السلام اندر آنے سے ہچکچاتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر اوڑھی اور باہر تشریف لے آئے۔ جبرائیل علیہ السلام عرض کرنے لگے اجازت تو مرحمت ہو گئی تھی لیکن مجھے حکم نہیں کہ میں اس گھر میں داخل ہوں جس میں کوئی تصویر یا کتا موجود ہو، لوگوں نے دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں کتے کا بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جائیں مدینہ میں کسی کتے کو زندہ نہ چھوڑیں سب کو قتل کر دیں۔ اس پر کچھ لوگ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کناں ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ارشاد فرمائیں ہمارے لیے کیا کیا حلال ہے اس پر یہ آیت اتری (26)۔

ابن کثیر نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا کہ میں جب کتوں کو قتل کر رہا تھا دیکھا کہ ایک بڑھیا کے پاس ایک کتا تھا جو اس کے دامن کی پناہ لے رہا تھا اور بطور فریاد بھونک رہا تھا، مجھے ترس آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا لیکن بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر خود ہی جو دیکھا تھا عرض معروض ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ''حکم کی تعمیل اہم ہے اسے بھی قتل کر دو'' میں واپس ہوا اور اسے بھی قتل کر دیا (27)۔

یہ بھی روایت کیا گیا کہ طائی قبیلہ کے عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا مردہ جانور کے حرام ہونے کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہو گیا، اب ارشاد ہو کہ حلال کیا کیا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (28)۔

''طیبات'' حلال ہیں

آیت نے کھل کر وضاحت کر دی کہ پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔ حلال کا دائرہ وسیع تھا اس لیے نام

مفردات

يَسْـَٔلُوْنَكَ: پوچھتے آپ سے
مَاذَآ: کیا کیا؟
اُحِلَّ: حلال کیا گیا
لَهُمْ: ان کے لیے
قُلْ: فرما دو
اُحِلَّ: حلال کیا گیا ہے
لَكُمُ: تمہارے لیے
الطَّيِّبٰتُ: پاک چیزیں
وَمَا: اور جو
عَلَّمْتُمْ: سکھایا ہے تم نے
مِّنَ الْجَوَارِحِ: شکاری جانوروں سے
مُكَلِّبِيْنَ: شکار پکڑنے کی تربیت دیتے ہوئے
تُعَلِّمُوْنَهُنَّ: تم تعلیم دیتے ہو انہیں
مِمَّا: اس میں سے
عَلَّمَكُمُ: جو سکھایا تم کو
اللّٰهُ: اللہ نے
فَكُلُوْا: تو کھاؤ
مِمَّآ: اس میں سے
اَمْسَكْنَ: جسے پکڑے رکھیں
عَلَيْكُمْ: تم پر
وَاذْكُرُوا اسْمَ: اور یاد کرو نام
اللّٰهِ: اللہ
عَلَيْهِ: اس پر
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
سَرِيْعُ: جلد ہی لینے والا ہے
الْحِسَابِ: حساب

بنام چیزوں کا نقل کرنا قانونی حکمت کے منافی تھا اور اس میں یہ احتمال بھی تھا کہ کوئی چیز رہ نہ جائے اس لیے اصولی تعلیم ارشاد ہوئی اور سوال کے جواب کا لفظ ''قُلْ'' سے شروع ہونا روحوں کے تزکیہ کا سبب بنا۔ اب رہا یہ سوال کہ ''طیبات'' کی تعریف کیا ہو سکتی ہے (29)؟ پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں جسے طبع سلیم پسند کرے وہ ''طیب'' ہوتی ہے اور یہ بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے نورانی روحانی لفظوں سے رہنمائی فرمادی۔

''ہر داڑھ والا درندہ اور ہر پنجہ سے پکڑ کر کھانے والا پرندہ حرام ہے'' (30)۔

حضرت سعید فرماتے ہیں کہ ذبح کے ذریعے حلال کیے ہوئے جانور ''طیب'' ہیں (31)۔ مقاتل کا قول ہے ہر حلال رزق ''طیبات'' میں داخل ہے (32)۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ ''طیبات'' کا لفظ خبائث کی ضد ہے۔ صاف اور ستھری چیزیں ''طیب'' کہلاتی ہیں، چونکہ سیاق میں بات چوپایوں کے بارے میں ہو رہی ہے اس لیے ضروری ہے کہ جانور اپنی سرشت میں اچھے ہوں اور انسان کے لیے اپنی افادیت اور اپنے اثرات کے لحاظ سے ستھرے ہوں، ثانیاً انہیں اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور کسی خارجی وجہ سے وہ گندے نہ ہو گئے ہوں مثلاً بتوں کے استھان پر نہ ذبح کیے گئے ہوں (33)۔

شکاری جانوروں کا مارا ہوا شکار

آیت میں ''جوارح'' اور ''مکلّبین'' لفظ استعمال ہوا ہے یہ دونوں تشریح طلب ہیں۔ ''جوارح'' اصل میں ''جرح'' سے ماخوذ ہے جو ''کسب'' اور کام کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور زخم بھی اس کا معنیٰ ہوتا ہے۔ اسی سے شکاری جانور پرندے ہوں یا درندے ''جارحہ'' کہلاتے ہیں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ جانور جو اپنے مالکوں کے لیے کمائی کرتے ہیں یعنی شکار کر کے چھوڑ دیتے ہیں یا وہ شکار کو زخم لگا کر مسخر کرتے ہیں۔ جسم کے اعضاء کو بھی ''جوارح'' اس لیے کہتے ہیں کہ انسان ان کے ذریعے کمائی کرتا ہے (34)۔

''مکلّبین'' 'کلب' سے ہے۔ ''مکلّب'' اصل میں شکاری کتوں کی تربیت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اس میں ''مکلّب'' کو اگر مفعول پڑھا جائے تو کتا ''مکلّب'' ہوگا جو شکار سیکھا ہوا ہے، مؤدب ہے اور شکار کو چیرنے پھاڑنے سے گریز کرتا ہے۔ اسی سے اخذ کرتے ہوئے اگر عقاب اور شکرہ وغیرہ سدھا دیے جائیں تو ان کے شکار کا حکم بھی وہی ہوگا جو ''مکلّب'' کا ہوگا اور سدھائے ہوئے ہونے کا

معنیٰ یہ ہے کہ وہ مالک کے اشارے پر دوڑیں اور آواز پر رک جائیں (35)۔

پیر کرم شاہ الازھری نے اس بحث کو اچھا سمیٹا ہے، آپ فرماتے ہیں (36):

شکار سے مارے جانور یا پرندے کے حلال ہونے کی چار شرطیں ہیں:

(1) شکاری جانور مسلمان کا ہو اور سکھایا ہوا ہو

(2) اس نے شکار کو زخم لگا کر مارا ہو

(3) شکاری جانور ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر چھوڑا گیا ہو۔

(4) اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو تو اسے تکبیر کہہ کر ذبح کیا ہو۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہوئی تو شکار کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

آیت کا اختتام تقویٰ کے حکم پر ہوتا ہے۔ تقویٰ ہی حیاتِ مومن کی روح ہے۔ وہ مسلمان جو متقیانہ زندگی کے حسن سے آگاہ نہ ہو وہ فائز المرام ہونے سے ہمیشہ محروم ہوتا ہے۔ ''سَرِیْعُ الْحِسَابِ'' کی صفت لانا دراصل آخرت میں احتساب کی حقیقت سے پردہ اٹھانا ہے۔ حساب اور سرعت حساب کا احساس انسان میں تقویٰ پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے اس لیے عقیدہ کو محکم کرنے کے لیے اور کردار کو اجالنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ''سَرِیْعُ الْحِسَابِ'' ہونے کا ذکر تلقین کیا گیا ہے۔ وہ لوگ جو پیسہ خیزی اور مفاد گیری میں الجھے ہوں ان کے لیے اللہ کے سریع الحساب ہونے کی فکر دنیا اور آخرت دونوں میں کام دے سکتی ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ
وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ
مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ
بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

(5) آج تمہارے لیے حلال ہوئیں پاک چیزیں اور کتاب دیے گئے لوگوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہوا اور تمہارا طعام بھی ان کے لیے درست ہے اور مومنہ پارسا عورتیں اور تم سے پہلے جنہیں کتاب ملی ان کی باعفت عورتیں حلال ہیں جب تم ان کے مہر ادا کرو قیدِ نکاح میں لاتے ہوئے، نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ مخفی طور پر آشنا بناتے ہوئے اور جو ایمان کو کفر سے بدلتا ہے تو اس کا عمل اکارت ہو جاتا ہے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

''آج تمہارے لیے حلال ہوئیں پاک چیزیں اور کتاب دیے گئے لوگوں کا کھانا تمہارے لیے حلال ہوا اور تمہارا طعام بھی ان کے لیے درست ہے اور مومنہ پارسا عورتیں اور تم سے پہلے جنہیں کتاب ملی ان کی باعفت عورتیں حلال ہیں جب تم ان کے مہر ادا کرو قیدِ نکاح میں لاتے ہوئے، نہ بدکاری کرتے ہوئے اور نہ مخفی طور پر آشنا بناتے ہوئے اور جو ایمان کو کفر سے بدلتا ہے تو اس کا عمل اکارت ہو جاتا ہے اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا''۔

''اَلْيَوْمَ'' سے مراد

علامہ قرطبی لکھتے ہیں (37):

> '' اَلْيَوْمَ '' سے مراد حضرت محمد ﷺ کے وقت کی طرف اشارہ ہے جیسے کہا جاتا ہے ''ھذہ ایام فلاں'' یہ فلاں شخص کے ایام ہیں۔ یہاں '' اَلْيَوْمَ '' سے مراد حضور ﷺ کے ظہور اور اسلام کی اشاعت کا دور ہے۔ میں نے اس کے ساتھ تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کر دیا ہے''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے عرفہ کا دن لکھا ہے اور ابن کثیر وغیرہ علماء نے غدیر خم والا دن بھی لکھا ہے اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ نزول آیت اور وحی کا وقت مراد ہے (38)۔

واللہ اعلم

آیت میں ''طعام'' سے مراد

علامہ قرطبی نے لکھا کہ کھانے کی ہر چیز ''طعام'' ہے اور ذبائح اسی سے ہے۔ علامہ مراغی لکھتے ہیں کہ آیت میں ''طعام'' سے مراد خاص ذبائح ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے بارے میں کہا گیا کہ ان کا

مفردات

اَلْيَوْمَ: آج
اُحِلَّ: حلال کر دی گئی
لَكُمُ: تمہارے لیے
الطَّيِّبٰتُ: پاکیزہ چیزیں
وَطَعَامُ: اور کھانا
الَّذِيْنَ: ان لوگوں کا
اُوْتُوا: جو دیے گئے
الْكِتٰبَ: کتاب
حِلٌّ: حلال ہے
لَّكُمْ: تمہارے لیے
وَطَعَامُكُمْ: اور کھانا تمہارا
حِلٌّ: حلال ہے
لَّهُمْ: ان کے لیے
وَالْمُحْصَنٰتُ: اور پاک دامن عورتیں
مِنَ: سے
الْمُؤْمِنٰتِ: مومن عورتیں
وَالْمُحْصَنٰتُ: اور پاک دامن عورتیں
مِنَ: سے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اُوْتُوا: دیے گئے ہیں
الْكِتٰبَ: کتابیں
مِنْ: سے
قَبْلِكُمْ: تم سے پہلے
اِذَآ: جب
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ: دے دو تم انہیں
اُجُوْرَهُنَّ: مہر ان کے
مُحْصِنِيْنَ: پاک باز بنتے ہوئے
غَيْرَ: نہ

ذبیحہ تم مسلمانوں کے لیے حلال ہے (39)۔عطا نے یہ لکھا کہ عیسائی اگر چہ مسیح کا نام لیتے ہیں لیکن آیت اجازت دیتی ہے۔علماء کی ایک جماعت نے سختی کی ہے اور کہا ہے کہ جب تم سنو کہ کتابی ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیتا ہے تو پھر ان کا ذبیحہ ہرگز نہ کھاؤ۔صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول یہی ہے۔حسن بصری اور طاؤس کا قول بھی یہی ہے۔ابوحنیفہ بھی اسی سے قریب بات کرتے تھے۔ائمہ اربعہ کا اس باب میں سخت اختلاف ہے۔تقویٰ ایسے جانور کے گوشت کھانے سے بچنے میں ہی ہے (40)۔البتہ ایسی چیزیں جن میں ذبح نہیں ہے ان میں کوئی اختلاف نہیں جیسے پھل اور گندم ہے ان کا کھانا جائز ہے۔مجوس اور مشرکین کا ذبیحہ حلال نہیں اس لیے کہ اہل کتاب میں نہیں آتے۔

''محصنات'' کا معنیٰ

''محصنہ'' کا معنیٰ یہاں پاک دامن سے کیا گیا ہے کہ تمہارے لیے جیسے پاکیزہ چیزیں کھانے میں حلال ہیں ایسے ہی شادیاں بیاہ بھی پاکیزہ اور پاک دامن عورتوں سے جائز ہے۔''محصنات'' مومنہ ہوں یا کتابیہ ہوں ان سے شادی اس شرط پر جائز ہے کہ وہ باعزت ہوں، شریف ہوں اور اچھے اخلاق کی مالک ہوں۔قرآن مجید کی یہ شرط معنیٰ رکھتی ہے کہ وہ بدچلن نہ ہوں، بداطوار اور آوارہ نہ ہوں۔اسلام یہاں عزت کتاب کو دے رہا ہے اور اہمیت ساری مذہب اور شرافت کی اقدار کی ہے۔اسلوب کا کمال دیکھیں کہ کہا جا رہا ہے جیسے دسترخوان پر رکھی ہوئی چیزوں میں صرف طیبات تمہارے لیے جائز ہیں ایسے ہی عورتوں میں سے تمہارے لیے ''محصنات'' جائز ہیں۔

محققین دارالاسلام اور دارالحرب کی بحث میں پڑے ہیں میرے نزدیک یہ بحث فضول نہیں قوموں کے لیے دورِ عروج اور دورِ زوال کے فیصلوں کے اثرات اہمیت رکھتے ہیں۔کتابیہ کے ساتھ نکاح کی اجازت دورِ عروج کی یاد ہے جس وقت مسلمان خاوند اپنے ایمان اور کردار کی طاقت سے دوسرے مذہب کے لوگوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔وہ دور جس میں سوائے نفس کی برووت کے اور کچھ میسر نہ آئے تو کوئی حرج نہیں ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور سوچ سے مستفید ہوا جائے اور کتابیہ سے شادی کے معاملہ میں تقویٰ ہی کی راہ اپنائی جائے۔وہ خاوند کتنا مظلوم ہوتا ہے جو اپنی بیوی کے عقائد و اعمال میں بھی خوشگوار تبدیلی پیدا نہ کر سکتا ہو اور اس سے بھی زیادہ وہ مسلمان خاوند ہے جو بیوی کے وجود سے زیادہ بیوی کے مذہب کا پرستار بن جائے۔بہرحال قرآن کی ہر بات میں حکمت ہے لیکن قرآن اس پر بھی زور دیتا ہے کہ شادی کو شادی ہی ہونا چاہیے یہ موقتی مزہ نہیں ہونا چاہیے، اس میں مہر کی ادائیگی

مفردات

مُسٰفِحِيْنَ: بدکاری کرتے ہوئے
وَلَا: اور نہ
مُتَّخِذِيْٓ: پکڑنے والے بن کے
اَخْدَانٍ: خفیہ آشنائیاں
وَمَنْ: اور جو
يَّكْفُرْ: انکار کرتا ہے
بِالْاِيْمَانِ: ایمان کا
فَقَدْ: تو بے شک
حَبِطَ: ضائع ہو گیا
عَمَلُهٗ: اس کا عمل
وَهُوَ: اور وہ
فِي الْاٰخِرَةِ: آخرت میں
مِنَ: سے
الْخٰسِرِيْنَ: نقصان اٹھانے والے

ہو، یہ بدکاری کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہیے اور کسی خفیہ اور پوشیدہ یاری کے طور پر بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ دور حاضر میں جنسی بے راہ روی نے تباہی مچادی ہے اس میں حرامی اولاد پیدا کرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ شادی میں اباحت رکھی جائے تاکہ اولاد تو کم از کم معاشرہ کو قانونی ملے۔

ابن ہمام نے لکھا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کتابی عورتوں سے نکاح کیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر غصے ہوئے تھے اور یہ حضرات نے حضرت امیر کے سامنے حاضر ہو کر طلاق دینے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی اور طلاق دے بھی دی تھی (41)۔ یہ ٹھیک ہے کہ کتابی عورت سے اگر نکاح درست نہ ہوتا تو طلاق دینے کا معنیٰ کیا ہوتا۔ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عقیدوں کا استحکام، تہذیب کی سلامتی، اقدار کا تحفظ اور اولادوں کو بدروحی سے محفوظ رکھنا تھا اگر دیکھا جائے تو ''محصنات'' کے ساتھ جب شادی کی بات ہوئی تو یا مومنہ کی قید لگائی گئی یا کتاب کی تسلیم کی بات ہوئی۔ ایمان کو ماننا اور کتاب کو ماننا ایک ہی قسم کی قیدیں ہیں۔ فہم اور تفہیم میں زور تو ان دو باتوں پر ہی رہنا چاہیے اور یہ بھی درست ہے کہ قانون میں لچک معاشرے کی بہتری کے لیے ہوتی ہے۔ آیت کا اصل پیغام یہ ہے کہ شادی سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے، یہ ایک دن کا مزہ نہیں ہوتا ازمنہ کی تاریخ ہوتی ہے، ہر مرد اپنے خاندان کا بابا آدم ہوتا ہے اور ہر عورت اماں حوا ہوتی ہے۔ تاریخ کا زمینی قطعہ اچھے نظریاتی تخم کا بوجھ ہی اٹھانے والا ہو تو بہتر ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

(6) اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو تو دھولو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب پاکی حاصل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا صحبت کی ہو تم نے بیویوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے، یہ کہ مسح کرو اپنے چہروں پر اور یوں ہی ہاتھوں پر بھی مسح کرو، اللہ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک صاف کر دے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کرے تا کہ شکر گزار بن جاؤ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو تو دھولو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب پاکی حاصل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا صحبت کی ہو تم نے بیویوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے، یہ کہ مسح کرو اپنے چہروں پر اور یوں ہی ہاتھوں پر بھی مسح کرو، اللہ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں خوب پاک صاف کر دے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کرے تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ''۔

شانِ نزول

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ کی طرف آ رہے تھے کہ میرا ہار کہیں صحرا میں گر پڑا۔ ہار کی تلاش میں کچھ وقت لگ گیا اس لیے کہ اسلامی لشکر کو پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فروکش ہوئے اور میری گود میں سر رکھ کر آرام فرمانے لگے، اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور مجھے ٹھونگے مارنے لگے اور فرمانے لگے: تو نے ایک ہار کے لیے لوگوں کو روک رکھا ہے، تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت آرام سے بیداری کی حالت میں آ گئے، یوں صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ وضو کے لیے پانی تلاش کیا گیا لیکن پانی نہ ملا، یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا فرما دی۔

اُسید بن حضیر نے کہا:

''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے والو!

''تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو برکت عطا کی ہے''۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْٓا: ایمان لائے
اِذَا: جب
قُمْتُمْ: تم کھڑے ہو
اِلَى: کے لیے
الصَّلٰوةِ: نماز
فَاغْسِلُوْا: تو دھوتم
وُجُوْهَكُمْ: اپنے چہروں کو
وَاَيْدِيَكُمْ: اور اپنے ہاتھوں کو
اِلَى: تک
الْمَرَافِقِ: کہنیوں
وَامْسَحُوْا: اور مسح کرو تم
بِرُءُوْسِكُمْ: اپنے سروں کا
وَاَرْجُلَكُمْ: اور دھوا اپنے پاؤں کو
اِلَى: تک
الْكَعْبَيْنِ: ٹخنوں
وَاِنْ: اور اگر
كُنْتُمْ: ہو تم
جُنُبًا: حالت جنابت میں یعنی تمہیں غسل کی ضرورت ہو
فَاطَّهَّرُوْا: تم بہت زیادہ ستھرے ہو یعنی غسل کرو
وَاِنْ: اور اگر
كُنْتُمْ: تم ہو
مَّرْضٰٓى: بیمار
اَوْ: یا
عَلٰى سَفَرٍ: سفر کی حالت میں اور پانی نہ ملے
اَوْ: یا

طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں، اس پر اللہ نے آیت تیمم نازل فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی عائشہ سے کہا:

''بے شک تو برکت والی ہے''(42)۔

نماز اور وضو کا حکم

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ وضو سے رہتے، کوئی بھی کام کرنا ہوتا آپ باوضو ہو کر کرتے، یہاں تک کہ آپ کسی سے کلام بھی فرماتے تو وضو ضرور کرتے، سلام کا جواب دینے کے لیے بھی وضو ضروری ہوتا۔ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمائی اور وضو کے ہونے کو قیام صلوٰۃ کے ساتھ جوڑ دیا، ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا فضیلت کا باعث ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرماتے البتہ غزوۂ احزاب میں چار نمازیں اور فتح مکہ کے موقع پر پانچ نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک وضو کے ساتھ ادا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدقہ عام مسلمانوں کے لیے بھی آسانی پیدا ہوگئی۔ غزوۂ خیبر میں صہبا کے مقام پر آپ نے ایک وضو کے ساتھ عصر اور مغرب کی نماز ادا فرمائی (43)۔

طہارت کے تفصیلی احکام

قرآن مجید کی اس آیت میں حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں سے نکلنے کے لیے طہارت کی تفصیل بیان کر دی گئی۔

وضو کے فرائض چار ہیں:

(1) منہ کا دھونا

(2) ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا

(3) سر کا مسح کرنا

(4) اور پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا

حضرت پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں (44):

''وضو سے پہلے نیت کرنا، بسم اللہ پڑھنا، پہلے ہاتھ صاف کرنا، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا، مسح کے علاوہ ہر کام کو تین تین مرتبہ کرنا، دائیں طرف سے شروع کرنا، کان کا مسح کرنا یہ (سب

مفردات

جَآءَ: آئے
اَحَدٌ مِّنْكُمْ: تم میں کوئی ایک
مِّنَ: سے
الْغَآئِطِ: حاجت سے فارغ ہو کر
اَوْ: یا
لٰمَسْتُمُ: صحبت کی ہو تم نے
النِّسَآءَ: بیویوں سے
فَلَمْ تَجِدُوْا: پھر نہ پاؤ
مَآءً: پانی
فَتَيَمَّمُوْا: تو تیمم کر لو
صَعِيْدًا: مٹی سے
طَيِّبًا: پاک
فَامْسَحُوْا: تو مسح کر لو
بِوُجُوْهِكُمْ: اپنے چہروں کا
وَاَيْدِيْكُمْ: اور اپنے ہاتھوں کا
مِّنْهُ: اُس مٹی سے
مَا يُرِيْدُ: نہیں ارادہ رکھتا
اللّٰهُ: اللہ
لِيَجْعَلَ: کہ بنا دے
عَلَيْكُمْ: تم پر
مِّنْ حَرَجٍ: کچھ تنگی
وَّلٰكِنْ: اور لیکن
يُّرِيْدُ: وہ ارادہ رکھتا ہے
لِيُطَهِّرَكُمْ: تاکہ صاف ستھرا کر دے تمہیں
وَلِيُتِمَّ: اور پوری کر دے
نِعْمَتَهٗ: اپنی نعمت
عَلَيْكُمْ: تم پر
لَعَلَّكُمْ: تاکہ تم
تَشْكُرُوْنَ: تم شکر ادا کرتے رہو

اعمال) معمولات نبوی سے ثابت ہیں، احادیث میں
ان سب چیزوں کی تفصیل موجود ہے''۔

آیت نے حدثِ اکبر سے نکلنے کے لیے غسل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی احادیث اور فقہ کی کتابوں میں تفصیلاً مذکور ہے۔ پانی اگر نہ ملے تو تیمم کا حکم ہے کہ پاک مٹی کے ساتھ تیمم کرلیا جائے یہ بھی طہارت کا قائم مقام ہے لیکن پانی کے ملنے پر یا بیماری کے دور ہونے پر یہ سہولت خود بخود ختم ہوجاتی ہے۔

❁❁❁❁❁

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

(7) اور تم اپنے اُوپر اللہ کا احسان یاد کرو اور وہ میثاق جو اُس نے تم سے تاکید اً لیا، جب تم نے کہا ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ دلوں میں جو کچھ ہوتا ہے اُسے بھی خوب جانتا ہے

(8) اے ایمان والو! اللہ کے نظام پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر نہ اُبھارے کہ عدل نہ کرو، عدل کرتے رہو یہی پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے

مفردات

وَاذْكُرُوْا: اور یاد کرو
نِعْمَةَ: نعمت
اللّٰهِ: اللہ
عَلَيْكُمْ: تم پر
وَمِيْثَاقَهُ: اور اس کا عہد و پیمان
الَّذِيْ: وہ جو
وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ: اس نے جو تم سے لیا ہے
اِذْ: جب
قُلْتُمْ: تم نے کہا
سَمِعْنَا: ہم نے سن لیا
وَاَطَعْنَا: اور ہم نے اطاعت کی
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
عَلِيْمٌ: جاننے والا ہے
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: سینوں کے اندر کے حالات

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''اور تم اپنے اُوپر اللہ کا احسان یاد کرو اور وہ میثاق جو اُس نے تم سے تاکیداً لیا، جب تم نے کہا ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ دلوں میں جو کچھ ہوتا ہے اُسے بھی خوب جانتا ہے''۔

آیت کا پہلا درس

منعم کو پہچاننا اور اس کی نعمتوں کا احساس و ادراک مذہب کی جان ہے۔ سورۃ المائدہ کی پہلی چھ آیات روحانی، عمرانی، معاشی اور معاشرتی نعمتوں کی تفصیل لیے ہوئے ہیں۔ اس آیت میں یہ درس دیا جا رہا ہے کہ تم پر لازم ہے کہ تمام نعمتوں کی جڑ تک پہنچو، تمہارے منعم کی نظر تمہاری تکمیل کے کن کن گوشوں کو دیکھ رہی ہے اور عطا کا سلسلہ ہر دم جاری ہے۔ جانوروں کے حلال و حرام کی ہدایت تمہارے جسمانی نشوونما کے لیے ہے۔ صفائی اور طہارت کا نظام تمہیں صاف شفاف شخصیت کا انعام دیتا ہے۔ عبادت اور ریاضت تمہاری روح کو شفاف ماحول فراہم کرتی ہے۔ صحیفۂ نور تمہاری قانونی ضرورتوں کی تکمیل کا خوبصورت اعلان ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود تمہاری شخصیات کے ذرّے ذرّے سے مربوط ہے۔ تم ان سے سیکھے بغیر کچھ بھی نہیں ہو۔ یہ آیت دراصل سپاس گزاری کا احساس پیدا کرتی ہے اور یہ بڑی عظیم دولت ہے۔

عہد الست سے مجذوبانہ اطاعت تک

آیت کا دوسرا حصہ ایک میثاق کی یاد کرواتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس میثاق سے مراد کون سا عہد ہے جس کی تکمیل کے بارے میں احساس اور نیت اور ادراک اور عزم کو تیز کیا جا رہا ہے۔ یہ کہا گیا کہ یہ عہد وہ ہو سکتا ہے جو حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ عام کی صورت میں باندھا گیا اور یہ بھی لکھا گیا کہ عقبہ کی چٹانوں کے سائے میں جو عہد کیا گیا تھا اس کی یادیں ہری کی جا رہی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے حجۃ الوداع کے مواثیق مراد ہوں اور مفسرین نے اس کی صراحت بھی کی، ہر مسلمان اسلام سے وابستگی اختیار کر کے فطری طور پر ''سَمِعْنَا'' اور ''اَطَعْنَا'' کی رسیوں میں جکڑا ہوا ہے (45)۔

''میثاق'' اصل میں ''وثاقه'' یا ''وثوق'' سے ماخوذ ہے جو طناب کے ساتھ باندھنے کا معنیٰ رکھتا ہے، ''میثاق'' اس اعتبار سے وہ عزم نامہ ہوتا ہے جو وفا کی صورت میں انسان کسی قیادت کے

سپرد کر دیتا ہے، دنیا اور آخرت میں میثاق رسالت سے وفا کا رشتہ ہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چلنے کی قرآن مختلف اسالیب میں دعوت دیتا رہتا ہے۔

تقویٰ اور یقین کی قوت

مسلمان مادی خزائن کے سہارے نہیں جیتا اس کی طاقت کا اصل راز تقویٰ، یقین، اعتماد اور روحانی تعمیل ہے۔ آیت کا دروبست اگر دیکھا جائے تو اس میں سب سے زیادہ زور نعمتوں کے شکر اور قیام تقویٰ پر دیا گیا ہے۔ آیت کا ایک ایک حرف روشنیوں سے بھرا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفات توحید پر یقین سے معمور ہے۔ آیت ایک پُر یقین جملے پر ختم ہوتی ہے کہ اللہ سینوں کے اندر کے رازوں اور حالات سے آگاہ ہے اس یقین کے بعد انسان کیسے بھٹک سکتا ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے یہ آیت آئندہ آنے والے قرآنی اسباق کا دیباچہ لگتا ہے اس لیے کہ اس کے بعد جتنے مسائل بیان ہوئے ہیں وہ دو ہی شاخیں رکھتے ہیں اور دونوں کی خوشبو اس آیت میں موجود ہے وہ دو چیزیں یہ ہیں:

اول:

تعظیم لامر اللہ

اور دوم:

ترحم علی خلق اللہ

میثاق کو ماننے کا مطلب مکارم اخلاق اور صحت اعتقاد کے نور میں لوگوں کی زندگی کا ہر گوشہ منور کرنا ہے(46)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

''اے ایمان والو! اللہ کے نظام پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر نہ اُبھارے کہ عدل نہ کرو، عدل کرتے رہو یہی پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے''۔

جیو ''قَوّٰمِيْنَ'' بن کر

ایمان والوں سے خطاب ہے اور انہیں ان کی فطرت بتائی جا رہی ہے۔ پھول جیسے خوشبو دیتا ہے یہ اس کی فطرت ہے، ستاروں سے روشنی برستی ہے یہ ان کی فطرت ہے، سورج تمازت رکھتا ہے یہ اس کی

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
كُوْنُوْا: ہو جاؤ
قَوّٰمِيْنَ: قائم رہنے والے
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
شُهَدَآءَ: گواہی دینے والے
بِالْقِسْطِ: انصاف کے ساتھ
وَلَا: اور نہ
يَجْرِمَنَّكُمْ: تمہیں ہرگز نہ اکسائے
شَنَاٰنُ: دشمنی
قَوْمٍ: کسی قوم کی
عَلٰٓى: پر
اَلَّا: کہ نہ
تَعْدِلُوْا: تم عدل کرو
اِعْدِلُوْا: عدل کرو
هُوَ: یہی وہ عظیم چیز ہے
اَقْرَبُ: جو بہت زیادہ قریب
لِلتَّقْوٰى: تقویٰ سے
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
خَبِيْرٌ: خوب خبر رکھنے والا ہے
بِمَا: جو کچھ
تَعْمَلُوْنَ: تم کرتے ہو

فطرت ہے، دھنک رنگ بانٹتی ہے یہ اس کی فطرت ہے، پانی بہاؤ رکھتا ہے یہ اس کی فطرت ہے، آگ جلاتی ہے یہ اس کی فطرت ہے، سیماب اور پارہ تڑپتا ہے یہ اس کی فطرت ہے، اسی طرح ایمان والوں کی بھی ایک فطرت ہے یہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ مسلمان کی وہ فطرت کیا ہے؟ یہ کہ وہ جمود، سستی اور غفلت نہیں رکھتا، اس کی طبیعت میں تحرک، اقامت اور بیداری ہے، مومنوں کے اس فطری داعیہ کا رخ متعین کرنا پڑتا ہے۔ یہ آیت مومنین کی اسی فطرت کو اپنی منزل کی طرف یکسو کرتی ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ گواہیوں کا نظام اللہ کے لیے قائم کرنے کے لیے کوشاں ہوں، یکسو ہوں اور اس اہمیت کے حامل عنوان کی ضرورت محسوس کریں۔ ''معاشرہ'' ایسے سچے لوگوں کی سچی منزل کے لیے سچی کوششوں کے بغیر فعال نہیں ہوسکتا۔

البحر المحیط کی سیمابیت

ابوحیان اندلسی البحر المحیط میں رقم طراز ہوتے ہیں (47):

> ''سورۃ المائدہ کی اس آیت میں گواہیوں کا انصاف کے ساتھ قائم کرنے کی بات کی ہے، یہی مضمون سورۃ النساء میں بھی بیان ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں انصاف قائم کرنے کی بات ہوئی تھی اور یہاں انصاف کی گواہیاں قائم کرنے کی بات ہوئی ہے۔ اصل میں انسان کو عدل سے روکنے کے عام طور پر دو سبب ہوتے ہیں: ایک اپنے نفس، دوستوں اور عزیزوں کی طرف داری اور دوسرا کسی شخص کی دشمنی اور عداوت۔ سورۃ النساء کی آیت کا روئے سخن پہلے مضمون کی طرف ہے اور سورۃ المائدہ کی اس آیت کا روئے سخن دوسرے مضمون کی طرف ہے، یہی وجہ ہے کہ سورۃ النساء میں کہا گیا تھا کہ انصاف پر قائم رہو کیوں نہ وہ تمہیں اپنے، دوستوں، والدین کے خلاف کرنا پڑے اور یہاں یہ کہا گیا ہے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم عدل ہی نہ کر پاؤ''۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهٖ سَبِيلًا

قیام عدل کی اہمیت

تقویٰ اور پرہیزگاری کا عظیم اور ضروری رکن قیام عدل ہے۔ عدل کے بغیر ملک، معاشرہ اور جماعت کسی کا بھی قیام ممکن نہیں رہتا۔ ہوا و ہوس عدل کی چولیں ہلا دینے والا مرض ہے۔ صاف دماغ لوگ، صاف حال لوگ اور صاف نیت لوگ اس جوہر حیات یعنی عدل سے کبھی دستکش نہیں ہو سکتے۔ یہ بات صحیح ہے اور عظمت مآب ہے کہ آسمان اور زمین عدل کی بنیاد پر قائم ہیں اور عدل کے لیے ضروری ہے کہ شہادتوں کا نظام فعال ہو۔ مسلمان تو قوم ہی شہادت والی ہے، بہر حال اس قوم کو اپنے مقام اور مرتبے کا خیال رکھنا چاہیے۔

قیام عدل کے لیے ستون

انسان تین وجوہ کی بنیاد پر بہکتا ہے:

(1) ہوا و ہوس یہ خونی عادت عدل کی عمارت کو گرا دیتی ہے

(2) دوسری چیز پیار محبت کا بے محابا استعمال بعض اوقات ظلم تک جا پہنچاتا ہے۔ دوستیوں یاریوں میں طرف داری عدل کو تباہ کر دیتی ہے

(3) اور تیسری چیز کسی فرد یا قوم کی عداوت اور دشمنی عدل اور اعتدال سے برگشتہ کر دیتی ہے۔ اس آیت میں مطالعہ کی روشنی تیسرے نکتے میں ہے۔

❁❁❁❁❁

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١

(9) اللہ نے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے

(10) اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں

(11) اے ایمان والو! اللہ کا اپنے اُوپر وہ احسان یاد کرو جب ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کرے تو اُس نے ان کے ہاتھ روک دیے اور ڈرو اللہ سے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے

مفردات

وَعَدَ: وعدہ کیا ہے
اللّٰهُ: اللہ
الَّذِيْنَ: ان سے جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
وَعَمِلُوا: اور عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ: اچھے کاموں پر
لَهُمْ: ان کے لیے
مَّغْفِرَةٌ: بخشش ہے
وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ: اور بڑا اجر
وَالَّذِيْنَ: اور وہ جو
كَفَرُوْا: منکر ہوئے
وَكَذَّبُوْا: اور جھٹلایا
بِاٰيٰتِنَآ: ہماری آیتوں کو
اُولٰٓئِكَ: یہ ہیں وہ
اَصْحٰبُ: رہنے والے
الْجَحِيْمِ: دوزخ کے ہیں

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰

''اللہ نے ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے اور وہ لوگ جو کافر ہوئے اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں''۔

ان دو آیتوں میں آمنے سامنے رکھ کر ایمان اور عمل صالح کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے جبکہ کفر کرنے والوں اور ہماری آیات کو جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ کے بھڑکتے شعلے ہیں۔

قیام عدل کے بعد ایمان اور عمل صالح کا ذکر یہ معنیٰ خود افشاء کرتا ہے کہ عدل ایمان کے ساتھ ساتھ والا عمل صالح جو انسان کے لیے بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے۔

نوشیرواں کے تخت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کوئی ملک بادشاہ کے بغیر نہیں رہ سکتا اور کوئی بادشاہ رعیت کے بغیر بادشاہ نہیں کہلا سکتا اور کوئی رعیت انصاف اور عدل کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی (48)۔

''ازمنۂ قدیم میں ایک بادشاہ گزرا ہے جس کا نام بلال بن بردہ تھا اس نے ایک دانا حکیم سے پوچھا کہ کوئی طریقہ بتاؤ کہ میرے محلات کو دوام مل جائے۔ اس نے جواباً کہا تم اگر عدل اور اعتدال پر قائم رہو گے تو جنت میں تمہیں انہی محلات جیسے محلات عطا کر دیے جائیں گے''(49)۔

''نکتے کی بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ایمان ہمیشہ امن کا تحفہ دیتا ہے اور عدل کے پیٹ سے ہمیشہ اعتدال جنم لیتا ہے اور عمل کسی نمونہ سے وابستہ ہوتا ہے اور صالح ہونا باکمال شخصیت کے تربیتی قالب میں خود کو لانا ہوتا ہے، یقین سے یہ دولتیں رحمت عالم ﷺ کے ہی باب کرم سے ملتی ہیں''۔

واللہ اعلم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾

''اے ایمان والو! اللہ کا اپنے اُوپر وہ احسان یاد کرو جب ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کرے تو اُس نے ان کے ہاتھ روک دیے اور ڈرو اللہ سے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے''۔

شانِ نزول

مفسرین نے جس نعمت کی طرف آیت میں اشارہ کیا ہے وہ ایک واقعہ ہے جو'' بطن نخل''میں پیش آیا۔ حدیبیہ کے موقع پر مسلمان مکہ کی حدود پر جمع تھے، خالد بن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانا اور پروگرام بنایا کہ عصر کی نماز جب مسلمان پڑھ رہے ہوں گے وہ ان پر حملہ زن ہو جائیں گے۔ حضور ﷺ کو اس سازش سے آگاہ کر دیا گیا آپ نے نماز مختصر کر دی اور نمازِ خوف کے طرز پر مجاہدین کو منظم رکھا، اس طرح دشمن کی سازش کو اللہ نے ناکام کر دیا، اس مدد، پشت پناہی اور عطا نے مسلمانوں کو بڑے نقصان سے بچا دیا(50)۔

ابن کثیر نے لکھا کہ جہاد میں ایک موقع پر رسول کریم ﷺ ایک منزل پر رکے اور طبیعت میں خلوتِ محبوب ہوئی اور ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے لگے اور ہتھیار درخت کے ساتھ لٹکا دیے۔ دشمنوں میں سے ایک شخص جھپٹا اور رسول اکرم ﷺ کی تلوار پر قبضہ کر لیا اور آپ پر تلوار کھینچ کر شوخی ماری کہ اب بتلایئے آپ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے بے دھڑک فرمایا: ''اللہ''۔ گاؤں والے شریر دشمن نے پھر بات دہرائی: ''بولو بولو اب کون آپ کو میرے حملے سے بچائے گا''۔ آپ نے پھر بے فکری کے ساتھ فرمایا: ''اللہ عزوجل''۔ اس نے رعب سے تلوار نیام میں کر لی، اتنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی پہنچ گئے آپ نے واقعہ جب سنایا تو گاؤں والا بیٹھا ہوا تھا لیکن حضور ﷺ نے اسے کچھ نہ کہا(51)۔

کعب بن اشرف یہودی نے ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کو اپنے گھر میں بلا کر قتل کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اطلاع کر دی اور ان کی ساری سازش خاک میں مل گئی۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن سے آیت کا مصداق سمجھا یا جا سکتا ہے(52)۔

ابن عطیہ نے کہا کہ یہ آیت بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی(53)۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوا: ایمان لائے ہو
اذْكُرُوْا: یاد کرو
نِعْمَتَ: نعمت
اللّٰهِ: اللہ کی
عَلَيْكُمْ: تم پر
اِذْ: جب
هَمَّ: ارادہ کیا
قَوْمٌ: ایک قوم نے
اَنْ: یہ کہ
يَّبْسُطُوْٓا: دست درازی کرے
اِلَيْكُمْ: تمہاری طرف
اَيْدِيَهُمْ: ان کے ہاتھوں میں
فَكَفَّ: تو روک دیا اس نے
اَيْدِيَهُمْ: ان کے ہاتھوں کو
عَنْكُمْ: تم سے
وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور ڈرو اللہ سے
وَعَلَى اللّٰهِ: اور اللہ پر ہی
فَلْيَتَوَكَّلِ: چاہیے کہ توکل کریں
الْمُؤْمِنُوْنَ: ایمان والے

آیت کا عمود

آیت کا تفسیری عمود پانچ چیزیں ہیں:

(1) ایمان کی برکات اور ایمان کے زندگی میں مثبت انقلابات ہیں۔ دشمنوں نے بارہا چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر کے دین کی تحریک کو مٹا دیں لیکن اللہ کی مدد نے نوازش کا نور بانٹا، اس میں مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ایمان کے حصار میں رکھیں۔ آیت کا آغاز اور اختتام دونوں ایمان کی نسبت سے آراستہ ہیں یہی چیز غور و فکر کا تقاضا کرتی ہے۔

(2) دوسری چیز اللہ کی نعمتوں پر سپاس گزاری کی روش ہے خصوصاً جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمائے تو اسے ہر لمحہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ شکر انسان کو اللہ سے قریب کرتا ہے اور اللہ کا قرب بندے کو ہر مشکل سے بچاتا ہے۔

(3) اللہ کی طرف سے مومنین کے لیے روحانی حصار اس آیت کا اہم سبق ہے مسلمانوں کو مادی اہتمامات سے زیادہ اس اسلحہ کے حصول اور پھر اس کی حفاظت کی کوشش کرنی چاہیے۔

(4) چوتھی چیز تقویٰ ہے، یہ دولت راستہ بھی ہے اور حفاظت کا قلعہ بھی ہے۔ مومنانہ زندگی کا حسن بھی ہے اور حسنِ عاقبت کی ضمانت بھی ہے۔

(5) پانچویں چیز اللہ پر توکل اور بھروسہ ہے۔ مسلمانوں کو اسی کی ٹیک پر اعتماد رکھنا چاہیے۔

واللہ اعلم

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

(12) اور بے شک اللہ نے اولادِ یعقوب سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ نقیب کھڑے کیے اور فرمایا اللہ نے بے شک تمہیں میری معیّت حاصل ہے اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور اُن کی تعظیم کی اور اللہ کو قرض دیا قرضِ حسنہ تو یقیناً میں تم سے تمہاری بُرائیاں دور کروں گا اور تمہیں ضرور ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی پھر اس کے بعد جو تم میں سے انکارِ حق کرے تو پکی بات ہے کہ وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

''اور بے شک اللہ نے اولادِ یعقوب سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ نقیب کھڑے کیے اور فرمایا اللہ نے بے شک تمہیں میری معیّت حاصل ہے اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور اُن کی تعظیم کی اور اللہ کو قرض دیا قرضِ حسنہ تو یقیناً میں تم سے تمہاری بُرائیاں دور کروں گا اور تمہیں ضرور ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی پھر اس کے بعد جو تم میں سے انکارِ حق کرے تو پکی بات ہے کہ وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا''۔

میثاق کی اہمیت

مسلمانوں کو تسلی دی گئی۔ انہیں ابھارا گیا کہ وہ دل جمعی سے اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو پورا کریں۔ اس وفا کی راہ چلتے ہوئے کسی گھٹن کا شکار نہ ہوں، یہ عہد و پیمان قوموں کو اٹھانے کے لیے ہوتے ہیں، ان کی اخلاقی حالت درست کرنے کے لیے ہوتے ہیں، ان کے اندر ایک اچھے انسان کی اچھی خصلتیں پیدا کرنے کے لیے ہوتے ہیں، عادۃ اللہ شروع دن ہی سے ایسے ہی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان جب بے حسی سے چھوڑ دیے جاتے ہیں تو قومیں وبال اور عذاب کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا میثاق یاد کروایا گیا کہ تم سے عہد لیا گیا تھا کہ تم نے نماز قائم کرنی ہے، زکوٰۃ دینی ہے، رسولوں پر ایمان لانا ہے، عزت اور احترام کے رویہ کے ساتھ ان کی راہِ اتباع میں مدد کرنی ہے اور اللہ کو قرضِ حسنہ دینا ہے، اس کے نتیجے میں تمہارے گناہ معاف کر کے تمہیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اگر تم میثاق پر قائم نہ رہے اور کفر کی روش اختیار کی تو وہ سمجھ لے کہ سیدھے راستے سے اس کا کوئی تعلق نہ رہا۔ بنی اسرائیل تو عہد اللہ کو چھوڑ بیٹھے اور بھٹک گئے، مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ ایسی روش اختیار نہ کریں اور فلاحِ انسانیت کا وہ متفقہ دستور جسے عالمی انسانی

مفردات

وَلَقَدْ: اور بے شک
اَخَذَ: لیا
اللّٰهُ: اللہ
مِيْثَاقَ: پختہ عہد
بَنِيْٓ: اولاد
اِسْرَآءِيْلَ: یعقوب علیہ السلام
وَبَعَثْنَا: اور اٹھائے ہم نے
مِنْهُمُ: ان میں سے
اثْنَىْ عَشَرَ: بارہ
نَقِيْبًا: نقیب
وَقَالَ: اور فرمایا
اللّٰهُ: اللہ
اِنِّيْ: بے شک میں
مَعَكُمْ: تمہارے ساتھ ہوں
لَئِنْ: اگر
اَقَمْتُمُ: قائم کی تم نے
الصَّلٰوةَ: نماز
وَاٰتَيْتُمُ: اور ادا کی تم نے
الزَّكٰوةَ: زکوٰۃ
وَاٰمَنْتُمْ: اور تم ایمان لائے
بِرُسُلِيْ: میرے رسولوں پر
وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ: اور مدد کی ان کی عزت کے ساتھ
وَاَقْرَضْتُمُ: اور قرضہ دیا
اللّٰهَ: اللہ کے لیے
قَرْضًا: قرضہ
حَسَنًا: اچھا
لَّاُكَفِّرَنَّ: ضرور میں کفارہ کر دوں گا

دستور کہا جاسکتا ہے اس پر قائم رہیں۔

آیت میں بارہ نقیبوں کا ذکر

بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ نُقباء مقرر کیے گئے تھے اور ''عصائے موسوی'' کا اعجاز ان کے لیے پہاڑی پتھر سے بارہ چشمے لے کر ہی رواں دواں ہوا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بیعت عقبہ میں مدینہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بارہ لوگ ہی حاضر ہوئے تھے اور اسلام کے نقیب بن کر واپس مدینہ جا کر دینی دعوت کا کام شروع کر دیا تھا۔ حیرت ناک ترتیب کا حسن دیکھیں یہ آیت بھی سورۃ المآئدہ کی بارہویں آیت ہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے بعد بارہ نقیبوں کا ذکر کیا ہے۔

نقیب کا لغوی معنیٰ

علامہ قرطبی لکھتے ہیں (54):

''النقیب'' سے مراد قوم کا سردار ہوتا ہے ایسا سردار جو اپنی قوم کے ہر معاملہ سے آگاہ ہوتا ہے اور ان کے امور و مصالح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ''نقاب'' کہا جاتا ہے۔ ائمہ لغت نے لکھا کہ نقیب قوم کا ضامن اور شاہد ہوتا ہے۔ پہاڑی راستہ کو نقب کہتے ہیں۔ وہ شخص جو دشوار گزار راہوں سے چل کر اپنی قوم کو منزل دے وہ ''نقیب'' کہلاتا ہے (55)۔

علامہ اقبال کہتے ہیں:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

مفسرین لکھتے ہیں (56):

''نقیب'' کو ''نقیب'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے معاملات میں دخیل ہوتا ہے اور ان کے مناقب کو جانتا ہے۔ مناقب شناس ''نقیب'' ہوتا ہے۔ سٹیج سیکرٹری کو بھی ''نقیب'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خاص و عام شرکائے جلسہ کے مناقب جانتا ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا کہ ''النقبا'' قوم کے امین ہوتے ہیں ''نقیب'' کا مرتبہ عریف سے بڑا ہوتا ہے عطا بن یسار نے کہا کہ جنت کے عرفاء حاملین قرآن ہیں (57)۔

خیر الأمّہ میں بارہ نقیب

ابن کثیر مسروق سے مروی حدیث لکھتے ہیں (58):

''ہم لوگ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے۔

مفردات

عَنْكُمْ: تم سے
سَيِّاٰتِكُمْ: تمہارے گناہوں کا
وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ: اور ضرور ان کو داخل کروں گا
جَنّٰتٍ: باغات میں
تَجْرِيْ: رواں ہوں گی
مِنْ: سے
تَحْتِهَا: ان کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ: نہریں
فَمَنْ كَفَرَ: تو جس نے کفر کیا
بَعْدَ: بعد
ذٰلِكَ: اس کے
مِنْكُمْ: تم میں سے ہے
فَقَدْ: تو بے شک
ضَلَّ: وہ گمراہ ہوگا
سَوَآءَ: سیدھے، برابر
السَّبِيْلِ: راستے

اشغال یہ تھا کہ قرآن حکیم کی تعلیم ہو رہی تھی۔ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا کہ آپ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی پوچھا ہے کہ اُمت میں خلیفے کتنے ہوں گے؟ آپ فرمانے لگے: ''میں جب سے عراق آیا ہوں یہ سوال بجز آپ کے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا''۔ سن لو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ارشاد فرمایا تھا: ''بارہ ہوں گے جتنی گنتی بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تھی''۔

جابر بن سمرہ کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے(59):

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا کہ لوگوں کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ ان کے والی بارہ شخص نہ ہوں پھر ایک لفظ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا میں نے دوسروں سے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے انہوں نے بتایا کہ آپ نے فرمایا: ''وہ سب قریش ہوں گے''۔

مسلم شریف کی حدیث کے مطابق وہ بارہ ہوں گے اور حق اور عدل پر قائم رہنے کا کام کرتے رہیں گے۔

قیامت کے دن سے پہلے ان بارہ کی مقدار پوری ہونی ضروری ہے۔ ذوقِ تحقیق پورا ہونا چاہیے لیکن یزید بد بخت اور خبیث کو اس صف میں لانے کی جسارت نہیں ہونی چاہیے۔ ائمہ اہل بیت میں سے امام مہدی اور متقدمین ائمہ کی طرح بعض پر اجماع ہے مسلمہ حقائق سے بے رخی ظالمانہ جسارت ہوتی ہے۔ تورات میں جہاں اسماعیل علیہ السلام کی بشارت آئی ہے وہاں یہ بھی آیا ہے کہ ان کی پشت سے بارہ سردار ہوں گے، ان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے یہی بارہ مراد ہیں، اس میں واضح فہم موجود ہے کہ بارہ کون ہوں گے؟ خود ہی بندہ نہ سمجھنے کی کوشش کرے تو اس کی اپنی مرضی ہے(60)۔

❁❁❁❁❁

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

(13) تو ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا وہ اللہ کی باتوں کو اپنی جگہ سے ایک طرف ہٹا دیتے ہیں اور بھلا دیا ایک بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انہیں کی گئیں اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت کاریوں پر مطلع ہوتے رہیں گے سوائے چند کے، تو آپ انہیں معاف فرما دیں اور درگزر فرمائیں ان سے بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

(14) اور لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے اُن سے عہد لیا تو بھول بیٹھے ایک اہم حصہ ان تذکیرات کا جو انہیں کی گئی تھیں تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں ان کے کرتوتوں کا وبال بتا دے گا

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

''تو ان کی عہد شکنی کی بنا پر ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا وہ اللہ کی باتوں کو اپنی جگہ سے ایک طرف ہٹا دیتے ہیں اور بھلا دیا ایک بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انہیں کی گئیں اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت کاریوں پر مطلع ہوتے رہیں گے سوائے چند کے، تو آپ انہیں معاف فرما دیں اور درگزر فرمائیں ان سے بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

بنی اسرائیل پر عہد شکنی کا وبال

میثاق کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ دلوں کی سختی اور لعنت اللہ کی طرف سے قوموں پر شدت مآب عذاب ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان پر ثابت رہنے کی دعا مانگتے تھے اس لیے کہ دل اللہ کے قبضے میں ہوتے ہیں وہ جدھر چاہے پھیر دے، نماز میں بار بار اللہ سے سیدھے راستے کی ہدایت مانگنا یہی حکمت رکھتا ہے کہ اللہ کی شانِ بے نیازی بندے کے دل سے اپنی نظرِ رحمت پھیر نہ دے۔

یہ بات درست ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں جس وقت انسان لعنتی اور سخت دل ہو جاتا ہے پھر وہ بدمست ہاتھی کی طرح بداعمال کا ارتکاب کرنے والا بن جاتا ہے۔

یہودی اللہ کی نظر سے گرنے کے بعد ایسے بدخصلت ہوئے کہ تورات کی باتوں کو اپنی جگہ سے پھیرنے لگ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں اور صفتیں جہاں جہاں تھیں اس کو مٹا دیا۔ تحریف دو طرح کی تھی: ایک لفظی اور دوسری معنوی، وہ لوگ اپنی بدبختی سے ان تمام تعلیمات کو بھلا بیٹھے جو عیسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تھیں۔

آیت میں ''خَآئِنَةٍ'' کا لفظ بدعہدی اور میثاق شکنی کے معنوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت برملا کہتی ہے کہ یہود کی اکثریت ''خائن'' ہے۔ وہ علمی، ادبی اور تاریخی سرقہ اور خیانت کرنے والی ہے۔ ہاں تھوڑے سے لوگ ضرور ان میں ایسے ہیں جن کو خائن نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن

مفردات

فَبِمَا: تو جس سبب سے
نَقْضِهِمْ: ان کے توڑنے
مِّيْثَاقَهُمْ: ان کے عہد کے
لَعَنّٰهُمْ: ہم نے ان پر لعنت کی
وَجَعَلْنَا: اور کر دیا ہم نے
قُلُوْبَهُمْ: ان کے دلوں کو
قٰسِيَةً: سخت
يُحَرِّفُوْنَ: وہ پھیرتے ہیں
الْكَلِمَ: باتوں کو
عَنْ: سے
مَّوَاضِعِهٖ: اپنی جگہوں سے
وَنَسُوْا: اور بھول گئے
حَظًّا: حصہ
مِّمَّا: اس چیز کا جو
ذُكِّرُوْا: نصیحت کیے گئے
بِهٖ: اس کی
وَلَا تَزَالُ: اور نہ پھرے گی حقیقت
تَطَّلِعُ: آپ آگاہی پاتے رہیں گے
عَلٰى خَآئِنَةٍ: دغاباز پر
مِّنْهُمْ: ان میں سے بعض
اِلَّا قَلِيْلًا: مگر تھوڑے لوگ
مِّنْهُمْ: ان میں سے
فَاعْفُ: سو درگزر فرمائیے
عَنْهُمْ: ان سے
وَاصْفَحْ: اور نظر انداز کر دیں
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
يُحِبُّ: پسند کرتا ہے
الْمُحْسِنِيْنَ: احسان کرنے والوں کو

آٹے میں نمک کی طرح کے یہ لوگ اپنی قوم کو فتنوں سے بچا نہ سکے اور تورات کو بھی شریر لوگوں کی تحریف سے محفوظ نہ رکھ سکے۔

آیت کے آخر میں حضور ﷺ سے کہا گیا کہ محبوب آپ اپنی سیرت کی خوشبو عام کرتے رہیں یعنی عفو اور صفح سے کام لیتے رہیں۔ مکارم اخلاق کا کتنا خوبصورت اہتمام ہے، عفو معاف کر دینا ہوتا ہے اور صفح درگزر کرتے ہوئے نظر انداز کر دینا ہوتا ہے۔ عمیق نظروں سے اگر دیکھا جائے تو دشمنوں کو معاف کر دینے سے کوئی بڑا انتقام نہیں ہوتا۔

عفو کا لغوی معنیٰ مٹا دینا ہوتا ہے، مکارم اخلاق کے نتیجہ میں آپ جس قوم کو معاف کریں گے اس کی خطاؤں کی تاریخ مٹا کر رکھ دیں گے۔ بنو اُمیہ کو فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے معاف کر دیا اس سے سازشوں کا ایک سلسلہ مٹ گیا اور دور بنو امیہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے یزیدیت خود مٹ گئی۔ شہادت کے علَم کو دنیا کی کوئی قوت سرنگوں نہیں کر سکتی۔ آج دونوں تاریخیں سامنے رکھیں تو ہاشمیوں کا بچہ بچہ سربلند ہے اور ان کے مخالفین کا بچہ بچہ سرنگوں ہے۔ معاف کر دینے والی خوبصورت خصلت بقا کی تاریخ رقم کرتی ہے۔ ویسے بھی معاف کر دینے والا جب اپنے دل سے کسی کا نام مٹا دے تو یہ معافی انتقام کی شدید صورت ہوتی ہے۔ آیت نظر انداز کر دینے کی سیرت کی بھی بات کرتی ہے۔

حاسدین اعدائے دین اور بدترین مخالفین کو اگر آپ نظر انداز کر دیں تو ان کا کلیجہ پھٹتا ہے، اس لیے دنیا میں سمجھ دار قائدین تعرض سے زیادہ نظر انداز کر دینے کی سیرت اپناتے رہتے ہیں۔ تعجب ہے مفسرین نے اس آیت کے مضمون کے منسوخ ہونے کی بھی بات کی ہے، دنیا میں احسان، عفو اور صفح کی عادتیں پھول واقع ہوئی ہیں، یقین رکھیے پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ سکتا ہے۔

واللہ اعلم

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

”اور لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے اُن سے عہد لیا تو بھول بیٹھے ایک اہم حصہ ان تذکیرات کا جو انہیں کی گئی تھیں تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں ان کے کرتوتوں کا وبال بتا دے گا“۔

یہود کی کارستانیوں اور شرارتوں کا جائزہ قرآن حکیم نے حکیمانہ اسلوب میں بیان کیا۔ اب اس

مفردات

وَمِنَ: اور سے
الَّذِيْنَ: وہ جو
قَالُوْٓا: کہا جنہوں نے
اِنَّا: بے شک ہم
نَصٰرٰٓى: نصرانی ہیں
اَخَذْنَا: لیا ہم نے
مِيْثَاقَهُمْ: ان کا میثاق، پختہ وعدہ، عہد و پیمان
فَنَسُوْا: سو انہوں نے بھلا دیا
حَظًّا: ایک حصہ
مِّمَّا: اس میں سے جس کی
ذُكِّرُوْا: نصیحت کی گئی
بِهٖ: جس کے ساتھ
فَاَغْرَيْنَا: تو ہم نے بھڑکا دی
بَيْنَهُمُ: ان کے درمیان
الْعَدَاوَةَ: دشمنی
وَالْبَغْضَآءَ: اور بغض (کی آگ)
اِلٰى: تک
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: روز قیامت
وَسَوْفَ: اور عنقریب
يُنَبِّئُهُمُ: آگاہ کر دے گا انہیں
اللّٰهُ: اللہ
بِمَا: ساتھ اس کے
كَانُوْا: وہ تھے
يَصْنَعُوْنَ: بناتے یا کیا کرتے

آیت میں عیسائیوں کے نقضِ عہد کی تصویر کشی کی جارہی ہے۔ اسلام میں اس قوم کے لیے سوچوں میں کافی وسعت ہے لیکن یہ نابکار لوگ خود کو کہتے تو یہ کہ ہم نصاریٰ ہیں لیکن ان کی طرف سے نصرتِ دین کا وعدہ اور عہد کبھی پورا نہ ہوا۔ ان کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کے تمثیلی ادب اور نصائح میں بڑی ہدایت تھی لیکن انہوں نے کبھی بھی اس سے مستفید ہونے کی بات نہیں کی۔ انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پُرکشش سیرت انسانیت نوازی اور محسن انسانیت ہونے کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام بتا کر تشریف لے گئے لیکن یہ بھی اپنے پیش رو لوگوں کی طرح خدائی ہدایت کی پیروی نہ کر سکے۔ حق فراموشی ان کی غذا بن گئی نتیجۃً یہ ہوا کہ اللہ نے بھی ان پر باہمی عداوت کو مسلط کر دیا۔ ان کے دلوں میں منافرتوں کی آگ بھڑکا دی گئی۔ یہ لوگ دنیا میں امن کے دشمن ہو گئے۔

سچی بات یہ ہے کہ دنیا میں چنگیزیوں نے مسلمان دشمنی میں قتل وغارت کی انتہا کی ہے لیکن عصر جدید میں عیسائیوں نے ہر حد عبور کر دی، یہودیوں کی شہ پر یہ لوگ قتل انسانیت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ یہ بغض اور عداوت ان پر اللہ کی طرف سے مسلط کیا ہوا عذاب ہے۔ ایک دن ان کی آگ انہی پر اوندھی کر کے پلٹا دی جائے گی۔ آیت کا آخری جملہ دھمکی آمیز ہے، کہا جا رہا ہے عنقریب وہ وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ ان کی یہ تمام کارستانیاں ان کے سامنے رکھ دے گا۔

آیت میں عمومی دعوت مسلمانوں کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے نقض میثاق کیا ہے مسلمانوں کو اپنی بیعت توڑنی نہیں چاہیے، یہ عہد شکنی تباہی اور بربادی کا راستہ ہے سو ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يٰٓاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ﴿۱۵﴾

يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۶﴾

(15) اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے جو تمہارے لیے بیان کرتے ہیں بہت سی وہ باتیں جو کتاب سے تم لوگ چھپایا کرتے تھے اور بہت ساری باتوں سے وہ درگزر فرماتے ہیں اور بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور روشن کتاب آئی

(16) اُسی کے ذریعے اللہ منزل نصیب کرتا ہے ہر اُس شخص کو جو اس کی رضا کا طالب ہے سلامتی کی راہوں پر اور نکالتا ہے اپنے حکم سے انہیں ظلمتوں سے اُجالوں کی طرف اور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾

''اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے جو تمہارے لیے بیان کرتے ہیں بہت سی وہ باتیں جو کتاب سے تم لوگ چھپایا کرتے تھے اور بہت ساری باتوں سے وہ درگزر فرماتے ہیں اور بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور روشن کتاب آئی''۔

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں(61):

اس آیت میں اہلِ کتاب سے خطاب ہے۔اس میں مقام رسالت کی بات کی گئی ہے۔ یہود و نصاریٰ علم و تاریخ کے حوالے سے فضیلت مآب رہے وہ مذہبی قدروں کے جاننے والے تھے لیکن انحراف نے انہیں کھوکھلا کر دیا۔وہ کتمانِ حق کے جرم کا ارتکاب کرنے لگ گئے۔تورات کی گواہیاں چھپالیں۔آیت رجم پر پردہ ڈال دیا۔حضور ﷺ کی نعتیں، صفتیں اور بعثت کی خبریں پی گئے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں دانشور ہونے کا حوالہ دیا اور اے اہل کتاب کے خطاب سے ان کے ساتھ گفتگو کی۔اس میں اشارہ اس طرف تھا کہ کتاب والوں کا کام کتاب بیان کرنا ہوتا ہے کتاب چھپانا نہیں ہوتا اور پھر وہ گواہ رہے کہ ان کی مذہبی کتب کا ورق ورق حضرت محمد ﷺ کی آمد و بعثت کی خبر دے رہا تھا لیکن وہ بھول گئے، بھولے ہوئے منکرین کے سامنے حضور ﷺ کے تشریف لانے کا ذکر قرآن حکیم نے کیا۔

سراج منیر طلوع ہوگیا

قرآن مجید نے اعلان کر دیا جسے تم اہلِ کتاب چھپاتے تھے اسے ظاہر کرنے والے ہمارے رسول کی بعثت ہوگئی وہ امی ہیں لیکن تورات اور انجیل کے ادق احکام ظاہر کر رہے ہیں۔آیت میں حضرت محمد ﷺ کو ہمارے رسول کہہ کر یاد کرنا حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ اور محبوبیت کو ظاہر کرتا ہے۔احکام ماسبق کو بیان کرنا معجزہ کی صورت میں لانا ہے۔اس میں کیا شک ہے حضور ﷺ امی لیکن دقیقہ دان عالم تھے اور جامی نے خوب کہا کہ ''بے سایہ لیکن سائبان عالم تھے''۔مزے کی بات یہ ہے سورج طلوع ہو جائے تو کوئی چیز مخفی نہیں رہتی لیکن یہ آیت رحمت عالم ﷺ کی سیرت اس طرح بیان کرتی ہے کہ آپ سب کچھ ظاہر نہیں فرماتے جتنا ضروری ہوتا ہے اتنا ہی ظاہر فرماتے ہیں، آپ غیر ضروری علمی

مفردات

يٰٓاَهْلَ: اے اہل
الْكِتٰبِ: کتاب
قَدْ: بے شک
جَآءَكُمْ: آئے تمہارے پاس
رَسُوْلُنَا: ہمارے رسول
يُبَيِّنُ: بیان فرماتے ہیں وہ
لَكُمْ: تمہارے لیے
كَثِيْرًا: بہت سی باتیں
مِّمَّا: اس میں سے
كُنْتُمْ: تم تھے
تُخْفُوْنَ: چھپاتے تھے تم
مِنَ الْكِتٰبِ: کتاب کی تعلیمات سے
وَيَعْفُوْا: اور وہ نظر انداز کرتے
عَنْ كَثِيْرٍ: بہت ساری باتوں سے
قَدْ جَآءَكُمْ: بے شک آ گیا تمہارے پاس
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
نُوْرٌ: نور
وَّ: اور
كِتٰبٌ: کتاب
مُّبِيْنٌ: واضح

موشگافیوں سے نظرِ عفو ڈال کر گزر جاتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کا یہ کہنا کہ وہ بہت ساری چیزوں سے صرفِ نظر کر لیتے تھے۔ وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں (62) کہ آپ ضروری دینی چیزوں ہی کو ظاہر فرماتے وہ عیب اور معایب جن کے کھلنے سے کوئی شرمندہ ہوسکتا آپ درگزر فرما لیتے اور عفو فرما دیتے۔

سید قطب وغیرہ مفسرین نے یہ معنیٰ بھی لکھا وہ احکام جن کا ظاہر کرنا ضروری نہ ہوتا آپ ﷺ وہ ظاہر نہ فرماتے۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا کام ہی کرنا تھا جو معیاری معاشرہ قائم کرنے کے لیے روشنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ رسالت اور نبوت کا آخری اور قطعی پیغام حضرت محمد ﷺ نے ہی دینا تھا سو آپ نے یہ کام مکمل کیا اور اسلام کو بحیثیت دین ظاہر اور غالب فرما دیا، یوں اللہ کی نعمت لوگوں کے لیے مکمل اور راسخ ہوگئی (63)۔

آیت کے اگلے حصے میں رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا مکرر ذکر ہوا اور آپ ﷺ کے اعجاز نفسی اور معجزۂ کتابی کی شعاعوں سے کائنات کے منور ہونے کا ذکر کیا گیا۔

علامہ صاوی اور وھبہ الزحیلی اپنی اپنی تفسیروں میں لکھتے ہیں (64) کہ آیت میں نور سے مراد حضرت محمد ﷺ اور قرآن حکیم ہیں یہی بات قدما سے بھی منقول ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر نور کے اطلاق سے بات پوری طرح سمجھی جاسکتی ہے اس میں بھی شک نہیں کہ قرآن حکیم بھی نور ہے۔ یہی وہ حقیقتیں ہیں جو مسلمان اپنے دلوں، اپنے وجودوں، اپنی زندگیوں، اپنی اقدار و اطوار اور اپنی سوچوں کے گوشہ گوشہ میں محسوس کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کی سیرت اور شمائل کا مطالعہ کرنے والا اور قرآن حکیم کی تلاوت کرنے والا محسوس کرتا ہے کہ یہ رابطہ اس کے باطن کو منور کر رہا ہے۔ ہر چیز اس کے لیے روشن ہو رہی ہے، وہ زندگی کا مطلب صاف صاف سمجھ رہا ہے۔ حضور ﷺ کی توجہ کے نور میں گوشت پوست کی کثافتیں اور شہوات بھی دکھائی دیتی ہیں اور ایمان کے دیے جو نوری سماں باندھتے ہیں وہ بھی محسوس ہونے لگ جاتا ہے۔ قرآن کی تلاوت اگر اسوۂ حسنہ سے جوڑ کر کی جائے تو نصب العین واضح اور مقاصد زندگی متعین ہو جاتے ہیں۔

اللہ کا نظامِ روحانی کتنا درخشندہ ہے جیسے کتابِ کائنات سورج کی روشنی کے وسیلہ کے بغیر نہیں پڑھی جاسکتی ایسے ہی کتابِ حق قرآن حکیم نورِ نبوت کے وسیلہ کے بغیر سمجھی نہیں جاسکتی۔

محمد جمال الدین قاسمی نے محاسن التاویل میں لکھا کہ آیت میں محمد ﷺ اور قرآن حکیم دونوں کے لیے نور آیا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ''واؤ'' عاطفہ مغائرت کے لیے ہوتی ہے۔ یہاں نور سے

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مفردات

مراد اور ہے اور کتاب سے مراد اور ہے، لفظ نور حضرت محمد ﷺ کی نعت ہے اور روشن ہونا کتاب کی صفت ہے(65)۔

علامہ احمد مصطفی المراغی لکھتے ہیں(66):

''آیت میں نور سے مراد ''النبی الکریم'' ﷺ ہیں۔ آپ کو نور اس لیے کہا گیا ہے کہ بصیرتوں کی تمام روشنیاں اللہ نے آپ ﷺ کو عطا کر رکھی تھیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ آنکھ کے اندر اگر نور نہ ہو تو دکھائی دینے والی کوئی چیز نظر نہ آنے پائے، اسی طرح اگر حضرت محمد ﷺ کا نور نہ ہوتا تو قرآن اور اسلام کی کوئی چیز اہل بصیرت دیکھ نہ پاتے۔ یہ بات ذہنوں میں موکد کر لی جائے کہ یہ نورِ محمد یہ ہی ہے جو کفر اور جہالت کی ظلمتوں کو ختم کر کے ایمان کی روشنیوں میں لے آتا ہے''۔ سبحان اللہ

ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں(67):

''یہ یقینی امر ہے کہ نور سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے''۔

خطیب شربینی لکھتے ہیں(68):

''نور حضرت محمد ﷺ ہیں اور کتاب قرآن حکیم ہے''۔

سید مودودی بھی پُر یقین تھے آپ نے بھی نور سے مراد حضرت محمد ﷺ لکھے ہیں(69)۔

یَّهۡدِیۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَیَهۡدِیۡهِمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۶﴾

''اُسی کے ذریعے اللہ منزل نصیب کرتا ہے ہر اُس شخص کو جو اس کی رضا کا طالب ہے سلامتی کی راہوں پر اور نکالتا ہے اپنے حکم سے انہیں ظلمتوں سے اُجالوں کی طرف اور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے''۔

تین عظیم نعمتیں

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جن صفات عظیمہ سے نوازا ہے وہ 25 طرح کی ہیں:

یَّهۡدِیۡ: ہدایت دیتا ہے
بِهِ: اس کے ذریعے
اللّٰهُ: اللہ
مَنِ: جو
اتَّبَعَ: پیروی کرتا ہے یا جس نے پیروی کی
رِضۡوَانَهٗ: اس کی رضا کی
سُبُلَ: راستے
السَّلٰمِ: سلامتی کے
وَیُخۡرِجُهُمۡ: اور نکالتا ہے
مِّنَ: سے
الظُّلُمٰتِ: اندھیروں سے
اِلَی النُّوۡرِ: نور کی جانب
بِاِذۡنِهٖ: اس کے اذن سے
وَیَهۡدِیۡهِمۡ اِلٰی: اور ہدایت دیتا ہے انہیں
اِلٰی: کی طرف
صِرَاطٍ: راستے
مُّسۡتَقِیۡمٍ: سیدھے

(1) صفات شخصیہ

(2) صفات باطنیہ

(3) محاسن عادیہ

(4) محاسن اعجازیہ

(5) اور محاسنِ علمیہ

(6) محاسن عملیہ

(7) محاسن روحیہ

(8) محاسن اختصاصیہ

(9) محاسن عمرانیہ

(10) اور محاسن اخلاقیہ

(11) محاسن جاذبیہ

(12) محاسن وقتیہ

(13) محاسن لاوقتیہ

(14) محاسن ثبوتیہ

(15) محاسن سیاریہ

(16) محاسن نوریہ

(17) محاسنِ حرکیہ

(18) محاسن قومیّہ

(19) محاسن خلوتیہ

(20) محاسن جہادیہ

(21) محاسن عبودیہ عبدیہ

(22) محاسن محبوبیہ

(23) محاسن انتاجیہ

(24) محاسن التفاتیہ

(25) اور محاسن مبیّنہ بکتب السابق

کہنا حق بجانب ہے: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' بات ہو رہی تھی تین نعمتوں کی، حضور انور ﷺ سے وابستگی اور قرآن حکیم سے اعتقادی اور عملی ارتباط تین نعمتوں کی ضمانت رکھتا ہے شرط یہ ہے کہ اٹھنے والے قدم رضائے الٰہیہ کے حصول کے لیے ہوں ''بِهٖ'' میں ضمیر کا مفرد ہونا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ نور اور قرآن کی راہیں الگ الگ نہیں دونوں ایک ہی مقصد کے لیے تکامل کا سفر کرواتے ہیں۔

- آیت پہلی نعمت یہ بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے اسوۂ اور قرآنی فکر اپنانے والے کے لیے سلامتی کی راہوں پر چلنے کی ہدایت بخشتا ہے یہاں ''السلام'' سے اللہ کا اسم گرامی بھی مراد لیا گیا ہے یعنی اللہ کی طرف جتنے راستے جاتے ہیں وہ حضور ﷺ کی گلی سے گزر کر ہی جاتے ہیں۔
- دوسری نعمت کفر، شرک، بے عملی اور ضعیف الاعتقادی کی ظلمت سے نکال کر ایمان کے نور کی طرف لانا ہے۔
- تیسری نعمت منزل کی طرف صراط مستقیم کی ہدایت مل جانا ہے، اس لیے کہ کم وقت اسی راستہ پر لگتا ہے جو سیدھا ہو اور منزل پر پہنچنے کی ضمانت بھی اسی میں ہوتی ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ
يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ
وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ
مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

(17) بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے تو فرما دیجیے! کیا ذرہ بھر کوئی شخص اللہ کو روکنے کی سکت رکھتا ہے اگر وہ ارادہ کر لے کہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں بلکہ تمام زمین والوں کو ہلاک کر دے اور آسمانوں اور زمینوں کی شاہی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اللہ ہی کے لیے ہے جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ
اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَ
اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾

''بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے تو فرما دیجیے! کیا ذرہ بھر کوئی شخص اللہ کو روکنے کی سکت رکھتا ہے اگر وہ ارادہ کرلے کہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں بلکہ تمام زمین والوں کو ہلاک کر دے اور آسمانوں اور زمینوں کی شاہی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اللہ ہی کے لیے ہے جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

آیت اللہ تعالیٰ کے جلالی جلووں سے بھری ہوئی ہے وہ لوگ جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بدعقیدگی کا شکار ہوئے، قرآن مجید نے ان کے کافر ہونے کی بات کی ہے۔ یہ کتنا خطرناک دعویٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں۔ اس قسم کی شرکیہ بڑ ہانکنا بد دماغ آدمی ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ عیسائی دنیا میں کوئی چیز یقینی نہیں ہے۔ شرک آمیز قسم کے خیالات کی رنگ آمیزی بہت ہے۔ عیسائیوں کی تثلیث کا عقیدہ عجیب تر ہے۔ اعتقادات کے لیے انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا پڑھیں وہ خود تثلیث کی تعریف لکھتے ہیں:

> ''عیسائیوں کے نظریہ تثلیث کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ باپ بھی خدا ہے اور بیٹا بھی خدا ہے اور روح القدس بھی خدا ہے بایں ہمہ وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہیں''(70)۔

بات ایسی جو بنائے بنے اور نہ سمجھائے سمجھ میں آئے، سہ گانہ تثلیث کے تمام پہلو ایسے ہیں جن میں توحید سے انحراف ہے اور یوں نبوت کی بھی توہین ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ان عقائد فاسدہ کا بطلان تین طریقوں سے کیا گیا ہے:

- پہلا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جب چاہے مسیح عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں بلکہ زمین میں جو بھی ہیں سب کو موت کی آغوش میں لے جائے۔ جو ہستی آن واحد میں ان قدسی ہستیوں پر بھی موت طاری کرنے پر قادر ہے، وہ اللہ کے شریک کیسے ہو سکتے

مفردات

لَقَدْ: پکی بات ہے
كَفَرَ: کفر کیا
الَّذِيْنَ: جنہوں نے
قَالُوْٓا: کہا مل کر
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
هُوَ: وہی ہے
الْمَسِيْحُ: جو مسیح ہے
ابْنُ: بیٹا
مَرْيَمَ: مریم کا
قُلْ: فرما دو
فَمَنْ: تو کون ہے؟
يَّمْلِكُ: جو قدرت اور ملک رکھتا ہو
مِنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
شَيْـــًٔا: ذرہ بھر
اِنْ اَرَادَ: اگر وہ ارادہ کر لے
اَنْ: یہ کہ
يُّهْلِكَ: ہلاک کر دے
الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ: مریم کے بیٹے مسیح کو
وَاُمَّهٗ: اور اس کی ماں کو
وَمَنْ: اور جو ہے
فِي الْاَرْضِ: زمین میں
جَمِيْعًا: سب کے سب کو
وَلِلّٰهِ: اور اللہ کے لیے ہے
مُلْكُ: سلطنت
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالْاَرْضِ: اور زمینوں کی
وَمَا: اور جو ہے

ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام جب خدا کا پیغامِ اجل آئے گا، سرِ تسلیم خم کر کے جامِ موت نوش فرمالیں گے۔ وہ جس میں کسی وقت بھی خواہ آن واحد کے لیے آئے موت آسکتی ہو وہ اللہ کی محبوب ہوسکتی ہے اللہ کی شریک نہیں ہوسکتی۔ نفی اس بات کی ہے کہ مسیح ہوں یا ان کی والدہ وہ ازلی ابدی نہیں ہیں، نیستی کی نیند نے انہیں بھی اپنی آغوش میں لے لینا ہے۔

- آیت میں مسیح ابن مریم کا تکرار ہے اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ مسیح مریم کے فرزند تھے اور وہ ماں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، ان پر وقت گزرا کہ وہ حالتِ جنین میں رہے وہ چھوٹے بچے ہونے کی حالت میں بھی رہے جس میں اتنے تغیرات آئیں وہ الٰہ اور خدا کیسے ہوسکتا ہے؟
- تیسرا استدلال یہ ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے وہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جب چاہے جو چاہے پیدا کرسکتا ہے چاہے تو آدم علیہ السلام کو بن باپ اور بن ماں پیدا کردے اور جب چاہے ابن مریم کو بن باپ پیدا کردے اور جب چاہے ماں اور باپ کے توسط سے پیدا کردے، جو پیدا ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ اسی استدلال کا یہ بھی حصہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

مفردات

بَيْنَهُمَا: ان کے درمیان
يَخْلُقُ: بناتا ہے وہ
مَا يَشَآءُ: جو چاہتا ہے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلٰى: پر
كُلِّ: ہر ایک
شَيْءٍ: چیز
قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۫ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ ع

(18) اور یہودی اور نصرانی بولے ! ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ فرمایئے ! پھر تمہارے گناہوں پر تمہیں عذاب کیوں ہے بلکہ تم عام ہی قسم کے لوگ ہو جنہیں اُس نے پیدا کیا وہ جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے

(19) اے اہل کتاب ! تشریف لائے تمہارے پاس ہمارے رسول، بیان فرماتے ہیں تمہارے لیے احکام جبکہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہیں آیا، بے شک تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والے آئے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۫ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

''اور یہودی اور نصرانی بولے! ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، فرمایئے! پھر تمہارے گناہوں پر تمہیں عذاب کیوں ہے بلکہ تم عام ہی قسم کے لوگ ہو جنہیں اُس نے پیدا کیا وہ جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے''۔

شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کی ایک قوم کو عذاب سے ڈرایا تو وہ کہنے لگے: ''ہم ڈرنے والے نہیں اس لیے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی''(71)۔

ابن جریر طبری نے روایت کیا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نعمان بن اِضا، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی آئے اور آ کے مذہبی بحث چھیڑی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان سے کلام کیا اور اللہ کی طرف بلایا اور عذاب سے ڈرایا۔ انہوں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہمیں آپ ڈراتے ہیں جبکہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے لاڈلے محبوب ہیں، جس طرح عیسائیوں نے کہا تھا اس پر یہ آیت اتری''(72)۔

جھوٹے امتیازات کے خلاف قرآنی جنگ

مادی مسابقتیں، روحانی تعلیاں، عمرانی فضیلت بازیاں اور تاریخی تفاضلات اور جھوٹے تمکّرات

مفردات

وَقَالَتِ: اور کہا
الْيَهُوْدُ: یہود نے
وَالنَّصٰرٰى: اور نصرانیوں نے
نَحْنُ: ہم
اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ: اللہ کے بیٹے ہیں
وَاَحِبَّآؤُهٗ: اور اس کے محبوب ہیں
قُلْ: فرمایئے
فَلِمَ: تو کیوں؟
يُعَذِّبُكُمْ: وہ تمہیں عذاب دیتا ہے
بِذُنُوْبِكُمْ: تمہارے گناہوں پر
بَلْ: بلکہ
اَنْتُمْ: تم لوگ
بَشَرٌ: انسان ہو
مِّمَّنْ: اس سے جو
خَلَقَ: اس نے پیدا کیا
يَغْفِرُ: وہ بخش دیتا ہے
لِمَنْ: اسے جو
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَيُعَذِّبُ: اور عذاب دیتا ہے
مَنْ يَّشَآءُ: جسے وہ چاہتا ہے
وَلِلّٰهِ: اور اللہ کے لیے ہے
مُلْكُ: سلطنت
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالْاَرْضِ: اور زمین
وَمَا: اور جو
بَيْنَهُمَا: ان دونوں کے درمیان
وَاِلَيْهِ: اور اسی کی طرف
الْمَصِيْرُ: لوٹنا ہے ''المصیر'' لوٹ کر جانے کی جگہ

انسانی ذوات میں کسی خلا کی بات کرتے ہیں، انسان خود کو دوسروں سے اچھا ثابت کرنے کے لیے جھوٹ پر جھوٹ بولتا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کو بھی اصل خطرہ یہ لاحق ہو گیا تھا کہ ان کے مٹی کے دیے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ سراج منیر کی روشنیاں آفاق کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں۔ اب وہ کیا کرتے؟ نور سے زیادہ فضیلت مآب ثابت ہوں۔ انسان کی نفسیات ہے کبھی وہ اپنے غریب ابّے کو بدل کر کسی اچھی ذات کا ابّا اپنے شجرۂ نسب میں لے آتا ہے اور کبھی تاریخی آسمان سے فضیلتیں نوچ لیتا ہے۔ یہود و نصاریٰ بھی کہتے ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور ہمیں اس کا محبوب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ گمانوں اور وسوسوں کے اس لشکر نے دونوں قوموں کو اندر سے کھوکھلا کر دیا اور وہ لوگ عمل و اطاعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔ جنت کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگ گئے۔

مسلمانوں میں بھی یہ مرض دیکھتے دیکھتے آ گیا اور بڑے بڑے آستانوں کے لوگ تقویٰ، زہد اور روحانی اقدار کی بجائے اپنی ذاتیں بدلنے لگ گئے۔ قرآن مجید نے ہدایت کا احسن اسلوب اپنایا جو ہر ایک کو فائدہ دے سکتا ہے۔

قرآنِ مجید کی دلکش تعریض

آپ فرما دو ذرا یہ تو بتاؤ پھر اللہ تمہیں گناہوں پر عذاب کیوں دیتا ہے۔ لاڈلے یہ تو بتائیں چہیتوں کا پھر مواخذہ کیوں ہوتا رہا۔ تاریخ یہ شہادت دیتی ہے کہ جب بھی تم نے اللہ کے دین اور پیغمبر کے خلاف سرکشی کی اللہ نے تمہیں عبرت انگیز سزا دی۔ پوری پوری قوم کی غلامی پوری قوم کی جلاوطنی، قومی سطح پر قتل عام، عورتوں کا زندہ چھوڑا جانا اور بچوں کا قتل کر دیا جانا، ذلیل بندر بنا دیا جانا اور بیت المقدس کی عبرت انگیز تباہی یہ سارے واقعات تو خود تورات میں موجود ہیں۔

بات آگے بڑھتی ہے

بات آگے بڑھائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے ایسے نہیں جیسے تم کہتے ہو کہ ہم لاڈلے ہیں یا یہ ہیں اور وہ ہیں، تم مخلوقات خدا میں دیگر انسانوں ایسے انسان ہو، تم اپنے ذہنی مالیخولیا کی فضا سے باہر نکلو، جیسے عام انسان ایمان اور عمل کا رستہ اختیار کر کے خدا سے قریب ہو سکتے ہیں تمہارے اکابر نے بھی وہ ہی راستہ اختیار کیا تھا۔

بخشش میں مرضیاں نہیں چلتیں رویے چلتے ہیں، اللہ کا قانون عام یہی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کی بخشش کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز پر اسی کی سلطنت ہے اور ہر چیز نے لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

اے اہل کتاب! تشریف لائے تمہارے پاس ہمارے رسول، بیان فرماتے ہیں تمہارے لیے احکام جبکہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہیں آیا، بے شک تمہارے پاس خوشی اور ڈر سنانے والے آئے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔

اس آیت میں دس قسم کے مضامین ہیں جن پر روشنی ڈالی گئی ہے:

(1) معاشرہ میں دانشوروں کو خطاب
(2) دعوت میں مخاطبین کی حیثیات کی پہچان رکھنا
(3) رسولوں کا تشریف لانا حکمتیں اور تاریخ
(4) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری
(5) فترت کسے کہتے ہیں؟
(6) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور نعتیں
(7) معاشروں کے لیے انذار اور تبشیر کا روحانی بندوبست
(8) آیت کی عمومی دعوت
(9) بیان توحید
(10) صفات توحید

❁ **پہلا نکتہ**

معاشرہ کا ہر شخص عزت، احترام اور حق فہم کے لحاظ سے اہمیت کا حامل ہوتا ہے لیکن ہدایت کار ہمیشہ دانشوروں کو اہمیت دیتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ اس طبقہ کے اثرات معاشرت سازی میں خاص توجہ کے لائق سمجھے گئے ہیں۔ ویسے بھی فکر اور عقل کو اندھے پن پر فضیلت حاصل ہے۔ قرآن مجید نے بار بار اہل کتاب کو مخاطب کیا ہے اس طرح قرآن مجید نے گویا، منفی چیزوں کا ردّ بھی مثبت انداز میں کیا ہے۔ چشمے میں اگر مینڈک مر جائے تو چشمے کو بند نہیں کیا جاتا اسے صاف کیا جاتا ہے۔ دوسری یہ بات اہم ہوتی ہے کہ

مفردات

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ: اے اہل کتاب
قَدْ: بے شک
جَآءَكُمْ: آئے تمہارے پاس
رَسُوْلُنَا: ہمارے رسول
يُبَيِّنُ: بیان کرتے ہیں
لَكُمْ: تمہارے لیے
عَلٰى: پر
فَتْرَةٍ: عرصہ، وقفہ اور فاصلہ
مِّنَ: سے
الرُّسُلِ: رسولوں
اَنْ: یہ کہ نہ
تَقُوْلُوْا: تم کہو
مَا: نہیں
جَآءَنَا: آئے ہمارے پاس
مِنْۢ بَشِيْرٍ: کوئی خوشخبری دینے والا
وَّلَا: اور نہ
نَذِيْرٍ: کوئی ڈرانے والا
فَقَدْ: تو بے شک
جَآءَكُمْ: آئے تمہارے پاس
بَشِيْرٌ: خوشخبری دینے والا
وَّنَذِيْرٌ: اور ڈرانے والا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلٰى: پر
كُلِّ: ہر ایک
شَيْءٍ: چیز
قَدِيْرٌ: قدرت رکھنے والا

تاریخ جن لوگوں کے ہاتھ میں ہو اُن سے تعرض نہیں کیا جاتا ان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی یہ روشنیاں روح افزا ہیں۔

❁ دوسرا نکتہ

دعوت میں خطیب اور ادیب کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد دعوت سے خوب آگاہ ہو اور اس کی زبان صاف ہو اور وہ تاریخی ادراکات کے زیر و بم سے آگاہ ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی بات اس آیت میں ہوئی۔ قاریٔ قرآن اچھی طرح محسوس کرے گا کہ اہل کتاب جو بھی تھے وہ قرآن کے سامنے تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے بارے میں کامل علم عطا کیا گیا تھا۔ ''تاریخی مدوجزر'' ہی سے زندگی کے سمندر کی گہرائی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ علم اور اقدام دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ علم نور ہے لیکن انوار کی حرکت میں عملیت نہیں سخاوت ہے جبکہ اقدام میں سب کچھ ہے۔ قرآن حکیم ''عمل اور اقدام'' کو اہمیت دیتا ہے اسی لیے وہ داعی کو ہر جہت سے تیار کرتا ہے۔ قرآن مجید کی روشنی میں دور تک دیکھا جا سکتا ہے اور مسلمانوں کو دور تک دیکھنا چاہیے۔ جب بھی آپ کسی سے مخاطب ہوں اس کی عرضی حیثیت اور باطنیت دونوں سے آگاہ ہوں۔ بے سرت وعظ سے قوموں کی منزلیں پیچیدہ ہوتی ہیں۔

واللہ اعلم

❁ تیسرا نکتہ

رسول اور نبی وہ مقدس، عظیم تر اور منتخب ہستیاں ہوتی ہیں جو اعجاز اور معجزات کے نور میں قافلۂ انسانیت تک خدائی ہدایات اور پیغامات کا ابلاغ کرتی ہیں۔ یہ لوگوں کو بشارتیں اور نذارتیں دیتے ہیں، ان کی دعوت سے معاشروں کا سکوت ٹوٹتا ہے، جمود متحرک ہوتا ہے، خمود بیدار ہوتا ہے اور لوگوں کے ذہنوں اور روحوں میں خدائی آواز پہنچتی ہے۔ یہ سلسلہ اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ ختم نبوت کا تاج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سجا دیا گیا۔ اب ان کے غیر نبی جانشین ہیں جو ابلاغ حق کا کام کرتے ہیں، لوگوں میں دعوت حق کی حرارت پیدا کرنے والے مجددین، ائمہ، نقباء اور اولیاء ہیں جو کار ہدایت کی ناؤ کھیتے رہتے ہیں۔

❁ چوتھا نکتہ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت 12۔ ربیع الاول کو ہوئی۔ آپ کی بعثت نے انفس و آفاق میں نور

نوازی کی پھونک ماری۔ روحانی بشارتیں جو آپ ﷺ کے بارے میں تھیں وہ آپ نے پوری کیں۔ ختم نبوت کے عنوان نے آسمانی حیرت ناک روشنیاں زمین کی نذر کیں۔ خود ساختہ تہذیبوں نے صراط مستقیم کا مفہوم سمجھا۔ مذاہب جو تحریف کی نذر ہو چکے تھے ان کے دیے بجھ گئے، افق پر حق کی تازہ لالی چمکی، دلوں میں آتش عشق بھڑکی، اقران عصر رسالت کی دہلیز پر بوسے لینے لگے، زمانے کو مدینہ کی روشنی اور رنگ تحفے میں ملا، آپ ﷺ نے توحید کا بھلایا ہوا درس پھر سے لوگوں کو یاد کروادیا۔

❁ **پانچواں نکتہ**

''فترت'' کیا ہے؟ ائمہ لغت لکھتے ہیں کہ دو حرکتوں کے درمیان، دو کوششوں کے درمیان اور دو انقلابات کے درمیان فاصلے کو ''فترت'' کہتے ہیں (73)۔

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں (74):

> ''رسولوں کی آمد کا سلسلہ رک گیا، نزول وحی کی برکت منقطع ہوگئی، ایک طویل عرصہ گزر گیا، قافلۂ انسانیت امور دنیا اور مصالح آخرت میں آسمانی رہنمائی سے محروم ہو گئے۔ افراط اور تفریط نے مادیت اور روحانیت کا فرق مٹا دیا۔ زندگی کے آداب و اخلاق سکھانے والا کوئی معین معلم انسانی آنکھیں نہ دیکھ سکیں۔ عبادات اور احکام کی جگہ ڈھکوسلوں نے لے لی۔ ایک طویل زمانے کے بعد حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی۔ یہ جو عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک انقطاعِ وحی کا دور گزرا یہ ''فترت'' کا دور کہلاتا ہے''۔

فترت کا دور تقریباً چھ سو سال کا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضور ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا۔ ابوفتوح رازی نے قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی اس کے محشی شعرانی نے لکھا کہ تین نبی اس عرصہ میں بھی آئے لیکن یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔

❁ **چھٹا نکتہ**

آیت میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت اور اسوۂ عظیمہ کے روشن نکات بیان ہوئے وہ یہ ہیں:

(1) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

(2) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کسی نبی کا تذکار نہیں۔

(3) تمام انبیاء کی دعوات کا خلاصہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے بیان کروایا آپ واضح الادیان ہیں۔

(4) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے فترت کا طویل عرصہ گزرا اس لیے کہ جو پیشین گوئیاں موجود تھیں ان کی روشنی میں انسانی حلقوں میں شوق کی آگ بھڑک جائے اور انتظار کی گرمی ربط رسالت کی گرمی کا ذریعہ بنے۔

(5) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشیر ہیں آپ کی تعلیمات پر عمل سے خوشی اور مسرت کی جلوہ گری ہوتی ہے آپ جنت کا راستہ بتاتے ہیں اور اعمال میں تسہیل کی خوشی آپ کی اتباع ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

(6) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نذیر ہیں، دوزخ کی حقیقت کا خوف دلاتے ہیں یا مضرت ذنوب سے ڈراتے ہیں، شخصیتوں کو تباہ کرنے والے معمولات سے آگاہ کرتے ہیں۔

(7) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ پر اترنے والا صحیفہ توحید کے راز کھولتا ہے یوں معرفت باری کی راہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واضح کرتے ہیں۔

ساتواں نکتہ

اللہ تعالیٰ انسانی معاشروں کے تزکیہ کے لیے مصلحین ضرور بھیجتا ہے۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے لیکن روحانی رہبروں کا انتخاب ہوتا رہتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول ملاحظہ ہو۔ بابا علی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی سن کر بہت سی بدنصیب طبیعتیں مکدر ہوتی ہیں لیکن خوش قسمت لوگ ظلمتوں سے نور کا سفر بھی اسی عظیم ہستی کی توجہ سے کر لیتے ہیں۔

بابا کی تحریر ملاحظہ ہو:

> ''سن رکھو! رُوئے زمین کبھی بھی ایسے شخص کے وجود سے خالی نہیں ہوتی جو خدائی حجتوں کے نور کے ساتھ زمین پر قیام کرے۔ لوگ اسے جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، وہ اس کی قدر کر سکیں یا قدر نہ کر سکیں، اللہ کے بندے خدائی

نشانیاں اور دلائل باقی رکھتے ہیں۔ اللہ انہی خاصان
پُراسرار کے ذریعے اپنی نشانیوں کی حفاظت کرتا ہے۔
یہ درست ہے لوگوں میں دھیرے دھیرے خرافات،
توسوس اور تحریفات عام ہوں گی اور لوگوں کو فرار کے
راستوں پر چلنا آسان لگے گا لیکن اس صورت میں اللہ
آسمانی جوان مردوں کے ذریعے اپنے دین کا نور عام
فرمائے گا''(75)۔

اولیائے کاملین، عرفائے عظیم، مجددین متین اور نقیبان کریم ہر ذمہ داریاں نبھاتے رہتے ہیں ان میں کوئی شخص کوئی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ سب ختم نبوت کے عقیدہ کے محافظتی لشکر کے سپاہی ہوتے ہیں۔

❁ آٹھواں نکتہ

اہل کتاب پر حجت پوری کی گئی تا کہ وہ یہ نہ کہیں کہ ان کے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا۔ آیت میں یہ درس بھی موجود ہے کہ ذہن سے تراشیدہ فلسفے انسان کے لیے نجات کا باعث نہیں ہو سکتے، خلوص دل سے قرآن حکیم سے وابستگی اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی اطمینان اخروی کا باعث ہو سکتی ہے۔

آیت اہل کتاب کے منفی انداز فکر سے دنیا میں جو نقصانات ہو سکتے ہیں اسلامی صفوں کو ان خساروں سے بچاتی ہے۔ اس اہتمام سے صراط مستقیم اتنا روشن ہو جاتا ہے کہ اس پر چلنا آسان محسوس ہوتا ہے۔

❁ نواں اور دسواں نکتہ

آیت کے آخر میں کہا جا رہا ہے کہ اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے، وہ اپنی مخلوق کو بنا کر بے پروا اور بے نیاز نہیں ہو گیا، اس نے ان کی ہدایت کا بھی بندوبست فرمایا ہے اور دنیا کی کوئی بھی شریر مخلوق یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ کی قدرت اور دسترس میں نہیں، اللہ ہر طرح ہر ایک پر قدرت رکھتا ہے۔ مسلم جماعت کو غم نہیں کھانا چاہیے اس کی راہیں ہر طرح روشن ہیں اس لیے کہ ان کا خدا حی و قیوم ہے۔

❁❁❁❁❁

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

(20) اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے احسان کو اپنے اُوپر جب اُس نے تم میں نبوت کا سلسلہ رکھا اور تمہیں اقتدار بخشا اور تمہیں وہ کچھ بخشا جو جہانوں میں کسی ایک کو بھی نہ ملا

(21) اے میری قوم! داخل ہو مقدس زمین میں جسے اللہ نے تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے اور اپنی پشتوں کے بل پیچھے نہ ہٹو وگرنہ خسارے میں پیچھے پلٹو گے

(22) بولے اے موسیٰ! بے شک اس زمین میں ایک ظالم قوم رہ رہی ہے اور ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل جائیں، ہاں اگر وہ وہاں سے چلے جائیں تو یقیناً ہم وہاں چلے جائیں گے

مفردات

وَ: اور
اِذْ: جب
قَالَ: کہا
مُوْسٰی: موسیٰ
لِقَوْمِهٖ: اپنی قوم کے لیے
یٰقَوْمِ: اے میری قوم
اذْكُرُوْا: یاد کرو
نِعْمَةَ: نعمت
اللّٰهِ: اللہ کی
عَلَيْكُمْ: تم پر
اِذْ: جب
جَعَلَ: بنایا اس نے
فِيْكُمْ: تم میں سے
اَنْۢبِيَآءَ: انبیاء
وَجَعَلَكُمْ: اور بنایا تم لوگوں کو
مُّلُوْكًا: اختیار والا نیک ملک
وَّاٰتٰىكُمْ: اور دیا تمہیں
مَّا لَمْ: جو نہیں
يُؤْتِ: دیا اس نے
اَحَدًا: کسی ایک کو
مِّنَ: سے
الْعٰلَمِيْنَ: جہانوں میں سے

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾

''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے احسان کو اپنے اُوپر جب اُس نے تم میں نبوت کا سلسلہ رکھا اور تمہیں اقتدار بخشا اور تمہیں وہ کچھ بخشا جو جہانوں میں کسی ایک کو بھی نہ ملا''۔

اس آیت کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کی نصیحتوں کی روشنی میں بنی اسرائیل کو ہدایت کی گئی یوں قرآن مجید کی یہ آیت گنجینۂ رحمت بن گئی۔ اس سے مسلمانوں سمیت دنیا کا ہر شخص بہت کچھ سیکھنے کے قابل ہو گیا۔ اصل میں عصرِ رسالت کے اندر مدینہ تمام دینی تحرکات کا مرکز تھا اس لیے ماحول کے عمرانی تزکیہ کے لیے ضروری تھا کہ یہود و نصاریٰ کی اصلاح پر زور دیا جائے اور ان کے سامنے استدلال ان کی تاریخ سے کیا جائے اور وہ زیر و زبر حالات جو انہیں ماضی کے سفر میں قومی سطح پر پیش آئے ان کا روحانی تجزیہ کر کے ان یہودیوں کی سمت درست کی جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے۔ تجربہ اور تجزیہ مخلص روحوں کو بہت زیادہ فائدہ دیتا ہے، اب وہ موسیٰ علیہ السلام کا خطبہ مسموع ہو جس کا ایک حصہ اس آیت میں بیان ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام کا خطبہ

''لوگو! تم اللہ کے احسانات یاد کرو اور اس بات کو ذہن کی گرفت میں رکھو کہ رحمت والا نبی مبعوث ہونا ہے۔ اس نے تمہیں ان انعامات سے نوازا جو کسی اور کو نہ ملے۔ ایک وسیع سلطنت تمہارے نام ہوئی، تم لوگ ان نعمتوں کے باوجود بے رخ ہو گئے ہو، تمہیں تقدس مآب زمین سے نوازا گیا لیکن نقض عہد تمہاری عادت بن گئی''۔

حضرت ابوسعید خدری کی روایت

اللہ تعالیٰ نے اسرائیلیوں کو ملک کی بادشاہی دی۔ دشمنوں پر غلبہ بخشا، من وسلویٰ کی نعمت ملی الغرض وہ کچھ دیا جو کسی اور کو نہ دیا گیا۔ سمندر کو پھاڑ کے ان کے لیے بارہ راستے بنائے گئے۔ پتھروں سے بارہ چشمے جاری ہوئے، پاک سرزمین میں داخلہ کی عزت ملی۔ دمشق کی بادشاہی دی گئی۔ فلسطین اور اردن میں سکونت کا اعزاز ملا۔ وادیٔ طور کی تجلیاں ان کا مقدر بنا اور قدس میں عبادت نصیب ہوئی (76)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت

''فرات اور مصر کی تمام زرخیز وادیاں یہودیوں کے قبضے میں آ گئیں اور یہ مقامات شرک اور کفر سے پاک کر دیے گئے اور انہیں وادیٔ مقدس کا نام دیا گیا۔ اس قوم میں جتنے نبی آئے کسی اور قوم کو اتنے نبی دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ انعامات کی ان پر بارش ہوئی۔ دشمنوں کو ان پر حملہ کناں ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کے تسلط میں جو علاقے آئے وہ قحط اور افلاس سے محفوظ کر دیے گئے'' (77)۔

اللہ اللہ مقام سطوت

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ کوہِ لبنان پر چڑھو اور اپنی نظروں سے علاقوں کو نواز و جہاں تک تمہاری نظر جائے گی تمہاری حکومت ہوگی۔ اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کے قبضے میں آئے گی۔ اس کے بعد بھی نقضِ عہد ہوا تو کیا کہا جا سکتا ہے۔ اللہ نے نبوت اور ملکوتیت کے انعامات اس قوم کو عطا کیے۔

یاد رہے کہ

مادی اور روحانی نعمتوں کا ذکر قرآن حکیم نے فرمایا اور سب اسرائیلیوں کو ملک کا خطاب دیا یعنی تم سب بادشاہ ہو۔

دُرِ منثور کی ایک دلچسپ روایت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (78):

''کانت بنو اسرائیل اذا کان لاحدھم خادم و دابہ و امراہ کتب ملکا''

''بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے پاس غلام، سواری اور بیوی ہوتی اسے مَلک کہہ دیتے تھے''۔

لغت کی کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی چیز کی مِلک رکھتا ہو وہ ملک ہوتا ہے اس لیے کہ وہی مملوکہ چیزوں میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ بنی اسرائیل میں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام ایسے عظیم المرتبت ملوک بھی گزرے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ ایسی قوم جسے فرعونیوں نے پیس کر رکھ دیا تھا، آزادی کی دولت سے جب وہ ہمکنار ہوئے تو وہ جان، مال، عزت سب کے خود کو مالک تصور کر بیٹھے، ان کی اس آزادی کو دیکھ

کر قرآن نے سب کو ''ملوک'' کے لقب سے ملقب کر دیا۔

آیت کے آخر میں کہا گیا کہ تمہیں وہ وہ نعمتیں ملیں جو جہانوں میں کسی ایک کو بھی نہ ملیں۔اس میں من وسلویٰ، طور پر زیارت کا جلوہ اور دریا کا شق ہو جانا ایسے انعامات ہیں جن کے پانے میں یہ قوم اپنا کوئی شریک نہیں رکھتی لیکن ناسپاسی نے ان کو تباہ کر دیا اور حسد ان کو کھا گیا، یہ آخری رسول کی بعثت پر ان کی پیروی نہ کر سکے۔

واللہ اعلم

يٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِىۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰٓى اَدۡبَارِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ ﴿۲۱﴾

''اے میری قوم! داخل ہو مقدس زمین میں جسے اللہ نے تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے اور اپنی پشتوں کے بل پیچھے نہ ہٹو ورنہ خسارے میں پیچھے پلٹو گے''۔

خطاب میں سمندر کا خروش

قلزم عبور کرنے کے بعد بنی اسرائیل ایک آزاد قوم تھے۔ان پر ظلم کرنے والا فرعون پانی میں غرق ہو چکا تھا۔طور کے جلوؤں نے ان میں ہمت کا عزم پیدا کیا۔چند لوگ تیار ہو گئے لیکن زیادہ تر لوگوں نے جب بیابانی زندگی کے دھکے دیکھے تو واپس عازم مصر ہونے کے وسوسے انگڑائیاں لینے لگے۔موسیٰ علیہ السلام نے انہیں عظمتوں کی میٹھی تاریخ سنائی، فضیلتوں کا شہد چٹوایا، مقام توحید کا عرفان بانٹا اور احساس دلایا سامنے ارض مقدسہ ہے۔تمہارے آباؤ اجداد کا علاقہ ہے۔اس کے چشموں سے جنت کی آبشاروں کا گمان گزرتا ہے، اس کے بل کھاتے آبی نالے جذبوں کو جہاد کی لوریاں دیتے ہیں۔اللہ کا نام لو اور ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ وہاں اگرچہ عمالقہ قوم کا قبضہ ہے لیکن ڈرنہ کھاؤ جس اللہ نے تمہیں سرکش آبی ریلے سے بچایا وہ تمہارا مددگار رہوگا۔اللہ کے نزدیک یہ طے شدہ امر ہے کہ فتح تمہاری ہوگی۔منزل جب قریب ہو تو پیٹھ کے بل واپس بھاگ پڑنا بہادری نہیں ہوتی۔موسیٰ علیہ السلام نے ''عصائے'' اعجاز سے پتھروں پر ایسی چوٹ ماری کہ پانی کے چشمے ابل پڑے۔یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ غلامی کی ماری قوم میں وقار سے جینے کا عزم پیدا ہو۔موسیٰ علیہ السلام کے خطبہ میں شفقتوں کا سمندر موجزن تھا۔آپ ''اے میری قوم''!!اے میری قوم سے خفتہ اُمنگوں میں زندگی کی حرارت پیدا کر رہے تھے لیکن محبت کے گیت اور عزائم کی حدی خوانی اس قوم پر اثر کرتی ہے جس نے غلامانہ زندگی کا بار اور بوجھ نہ اٹھایا ہو۔صحبتِ نور تقدیر بدلتی ہے لیکن صالح نیت سینے میں سجانے والوں کی تقدیر بدلتی ہے۔

مفردات

يٰقَوۡمِ: اے میری قوم
ادۡخُلُوا: داخل ہو جاؤ
الۡاَرۡضَ: زمین
الۡمُقَدَّسَةَ: پاک اور صاف
الَّتِىۡ: وہ جسے
كَتَبَ: لکھا اس نے
اللّٰهُ: اللہ
لَـكُمۡ: تمہارے لیے
وَلَا: اور نہ
تَرۡتَدُّوۡا: پیچھے ہٹو
عَلٰٓى: پر
اَدۡبَارِكُمۡ: پیٹھوں کے بل
فَتَنۡقَلِبُوۡا: ورنہ تم لوٹو گے
خٰسِرِيۡنَ: نقصان اور خسارہ اٹھانے والے

آیت میں ارض مقدسہ سے مراد کیا ہے؟

ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کے قول پر اس سے مراد طور ہے (79)۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے قول پر شامات کے جتنے علاقے ہیں ان پر ارض مقدسہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

مفسرین نے یہ بھی صراحت کی کہ یہ ایک ہزار علاقے تھے خیال ہے گاؤں، قصبے اور وادیاں جو شام اور کوہ لبنان کے ساتھ ساتھ پڑتی ہیں وہ سب ارض مقدسہ میں داخل ہیں (80)۔

سدّی کا قول ہے کہ اس سے مراد غوطہ کا علاقہ ہے (81)۔ابو حیان اندلسی نے فلسطین کی بات کی ہے (82)۔ ابن عطیہ کا ایک قول اردن کے بارے میں بھی نقل کیا گیا ہے (83) جبکہ علامہ رشید رضا لکھتے ہیں: ''فرات اور دجلہ کے دو آبوں سے لے کر عریش مصر تک کا علاقہ ارض مقدسہ میں داخل ہے'' (84)۔ابن جریر طبری نے بھی فرات سے عریشِ مصر تک تمام علاقے کو ارض مقدسہ سے تعبیر کیا ہے (85)۔

واللہ اعلم

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝٢٢

''بولے اے موسیٰ! بے شک اس زمین میں ایک ظالم قوم رہ رہی ہے اور ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل جائیں، ہاں اگر وہ وہاں سے چلے جائیں تو یقیناً ہم وہاں چلے جائیں گے''۔

قوم کا جواب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے اندر جذبۂ تگ وتاز پیدا کرنا چاہا اور دردمندی سے انہیں منزل کے نشانات بتائے۔ان پر واضح کیا کہ جس طرف تمہیں قدم بڑھانے کا کہا جارہا ہے وہاں کی وادیوں سے تقدس پھوٹتا ہے، تم کسی جابر قوم کی دہشت کو دل میں جگہ نہ دو اللہ کی مدد کے لیے روحوں میں آمادگی پیدا کرو، وہ جب چاہتا ہے تو قطرے سے قلزم کر دیتا ہے اور پہاڑوں کو رائی بنا دیتا ہے۔اُمید کے دیپ جلاؤ اور مایوسی کے اندھیروں سے خدا کی پناہ میں آؤ لیکن قوم نے جواب کیا دیا؟ وہی جو کمزور، بزدل اور جاہل لوگوں کا جواب ہوسکتا ہے۔کہنے لگے: ''آپ جانتے ہیں وہاں ایک جابر اور جنگجو قوم رہتی ہے جب تک وہ اس سرزمین کو خالی کر کے کہیں اور نہیں چلے جاتے ہم ان کے علاقے میں قدم بھی نہیں رکھ سکتے، ہاں اگر وہ خود اپنی مرضی یا آپ کے کسی معجزہ سے علاقہ چھوڑ کے چلے جاتے ہیں تو اس صورت میں آپ ہمیں اپنا وفادار پائیں گے''۔

مفردات

قَالُوْا: بولے
يٰمُوْسٰٓى: اے موسیٰ
اِنَّ: بے شک
فِيْهَا: اس میں
قَوْمًا: ایک قوم ہے
جَبَّارِيْنَ: جابر اور ظلم کرنے والے
وَاِنَّا: اور بے شک ہم
لَنْ: ہرگز نہیں
نَّدْخُلَهَا: اس میں داخل ہوں گے
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يَخْرُجُوْا: وہ نکل پڑیں
مِنْهَا: اس سے
فَاِنْ: تو اگر
يَّخْرُجُوْا: وہ نکل جائیں
مِنْهَا: اس سے
فَاِنَّا: پھر بے شک ہم
دٰخِلُوْنَ: داخل ہونے والے

عمالقہ کون تھے؟

بنی اسرائیل نے جس قوم سے خطرہ محسوس کر کے جہاد سے انکار کیا تھا یہ عمالقہ قوم تھی ۔ یہ لوگ عاد اور ثمود کی اولاد میں سے تھے ۔ ان کے قد بڑے تھے ،جنگجو تھے ،مضبوط اعصاب کے لوگ تھے ، یہ اپنی درازت قدی کی دھاک پوری دنیا پر بٹھائے ہوئے تھے ۔بعض اسرائیلی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھردرے اور بداخلاق قسم کے لوگ تھے،ظلم کرنا ان کا شیوہ تھا، مدنی سیاست بہتر تھی اس لیے کوئی قوم ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتی تھی ۔ ان لوگوں نے مصر پر حملہ کیا تو مدتوں اس پر قابض رہے، رہائش کے اعتبار سے یہ صحرائے سینا سے قریب رہتے تھے(86)۔

''جَبَّارِيْنَ'' کا مطلب

راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ ''جبار'' کا مادہ ''جبر'' ہے اس کا مطلب زبردست ہونا ہوتا ہے لیکن یہ ایسی اصلاح کے لیے بھی استعمال ہونے والا لفظ ہے جس میں قوت استعمال کی جائے ، اسی لیے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لیے اس پر لکڑی رکھ کر کپڑے کی پٹی کے ساتھ کس دیا جاتا ہے،اس لیے پٹی کو بھی ''جبیرہ'' کہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے''جبار'' اس لیے کہ وہ ہر ایک پر غلبہ رکھتا ہے۔ کھجور کی اس شاخ اور خوشہ کو ''جبارہ'' کہہ دیتے ہیں جس تک ہاتھ نہ پہنچتا ہو۔

ابن عاشور نے التحریر میں لکھا

> ''جَبَّارِيْنَ'' سے مراد کنعانی ہیں ۔ ''عمالقہ اور حثیثین اور اموریّین'' بھی انہی کو کہا جاتا ہے۔ یہ سخت جاں لوگ تھے اور قامت میں طویل تھے ۔ جس چیز کا یہ ارادہ کرتے اس کے ساتھ ساتھ یہ چمٹ ہی جاتے ۔ تاریخ نے ان کا ایک نام یبوسی بھی رکھا ہے۔ پنجابی اور اردو میں یہ کہا جا سکتا ہے یہ مزاجاً خشکے لوگ تھے یعنی اخلاقی قدریں ان کے ہاں مٹی ہوئی تھیں (87)۔

علامہ رشید رضا نے لکھا کہ ''ناقہ جبارہ'' اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو اپنا دودھ تھنوں سے کھیری میں کھینچ لے مجازاً کہا جائے گا جس چیز تک رسائی نہ ہو(88) وہ ''جبار'' ہوتی ہے۔جس کام کی اصلاح مشکل ہو اسے بھی ''جبیرہ'' کہہ دیتے ہیں(89)۔تاج نے لکھا کہ قد میں بہت لمبا ہونا ''جبارہ'' ہے(90)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾

(23) اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو مرد جن پر اللہ کا احسان تھا بولے! تم دروازے سے ان پر ٹوٹ پڑو جونہی تم دروازے سے داخل ہو گے تو یقیناً تم غالب آ جاؤ گے اللہ پر توکل کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو

(24) بولے اے موسیٰ! بے شک ہم کسی بھی صورت میں کبھی بھی وہاں نہیں جائیں گے جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں تو آپ اور آپ کا ربّ جائیں سو دونوں لڑیں، پکی بات ہے ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں

مفردات

قَالَ: کہا
رَجُلٰنِ: دوآدمیوں نے
مِنَ: سے
الَّذِيْنَ: وہ جو
يَخَافُوْنَ: ڈرتے تھے
اَنْعَمَ: انعام کیا
اللّٰهُ: اللہ
عَلَيْهِمَا: ان دونوں پر
اُدْخُلُوْا: داخل ہوجاؤ
عَلَيْهِمُ: ان پر
الْبَابَ: شہر کے دروازے
فَاِذَا: پس جونہی
دَخَلْتُمُوْهُ: تم داخل ہوگے وہاں سے
فَاِنَّكُمْ: تو بے شک تم
غٰلِبُوْنَ: تم غالب آجاؤ گے
وَعَلَى اللّٰهِ: اور اللہ پر
فَتَوَكَّلُوْٓا: اعتماد کرو تم
اِنْ كُنْتُمْ: اگر ہو تم
مُّؤْمِنِيْنَ: ایمان والے

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

''اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو مرد جن پر اللہ کا احسان تھا بولے! تم دروازے سے ان پر ٹوٹ پڑو جونہی تم دروازے سے داخل ہوگے تو یقیناً تم غالب آجاؤ گے اللہ پر توکل کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو''۔

اس آیت میں دو ایسے آدمیوں کی بات کی گئی ہے جو اس وقت کے لرزا دینے والے حالات میں ایمان والے تھے۔ ان کے جذبوں اور اظہارات سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہادر، بصیرت مند، دور اندیش اور مستقیم مزاج تھے۔ وہ اٹھے اور پوری ہمت سے موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر لبیک کہی اور قوم سے کہا کہ تم لوگ موسیٰ علیہ السلام کی بات کو معمولی نہ سمجھو اس پر عمل کرو تم کامیابی سے ہمکنار کر دیے جاؤ گے۔

وہ عظیم تر دو آدمی کون تھے؟

قرآن مجید نے نام تو نہیں لیا لیکن قرآن مجید نے اتنا ضرور بتایا کہ وہ دونوں ایسی روشیں رکھتے تھے جو اللہ کی محبت سے سرشار تھیں۔ انہیں مقام رسالت کے حساس منصب کا ادراک تھا، وہ دونوں ''خوف خدا'' سے اس مقام تک پہنچ چکے تھے کہ ان کا ایمان اعجاز کے درجے میں آچکا تھا۔

وہ دونوں بڑے اعتماد سے اس دفاعی تجویز کی پُرزور حمایت کر رہے تھے کہ تم جونہی شہر میں قدم زن ہوگے عمالقہ شہر بدر ہوں گے۔

اس کی ایک وجہ روحانی تھی کہ اللہ والوں کی پشت اللہ کی مدد سے مضبوط ہوتی ہے اور دوسری وجہ مادی تھی کہ جس قوم کے گھر پر حملہ ہوجائے اس کا سنبھلنا بہت دشوار ہوتا ہے۔

آیت نے کھل کر یہ بات بھی کی ہے کہ ان دونوں پر اللہ کا انعام تھا یعنی وہ ایمان یافتہ تھے۔ انہیں آسمانی ہدایات کی قدر کرنے کا جذبہ حاصل تھا، وہ صرف گوشت پوست کے انسان نہیں تھے وہ روحانی انعامات کے امین تھے۔ ان کے اندر اعتماد اور توکل بھرا ہوا تھا، وہ سمجھتے تھے ایمان اور توکل جہاں آجائے فتح و نصرت یقینی ہوجاتی ہے۔

مفسرین نے ان دو آدمیوں کا نام یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا لکھا ہے (91)۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

''بولے اے موسیٰ! بے شک ہم کسی بھی صورت میں کبھی بھی وہاں نہیں جائیں گے جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں تو آپ اور آپ کا ربّ جائیں سو دونوں لڑیں، پکی بات ہے ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں''۔

یہ آیت بنی اسرائیل کے ارتقائی مراحل میں سے صحرائے سینا کا وہ حصہ پیش کرتی ہے جس سے اس قوم کا مذہبی رویہ دیکھا جا سکتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام ایک نتیجہ خیز تحریک کا علم اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ قدم قدم پر حوصلے تقسیم کر رہے تھے لیکن قوم تھی کہ ان کی جسارتیں بدتمیزی کی حد کو چھو رہی تھیں۔ وہ برملا اس بات کا اظہار کر رہے تھے ہم ہرگز منزل کی طرف نہیں بڑھیں گے۔ ''اَبَدًا'' کے لفظ میں ضد، بزدلی اور بدتمیزی چھلک رہی تھی کہ ہم کبھی بھی کبھی بھی آگے نہیں بڑھیں گے بلکہ ان کی عقیدے کی حالت یہ تھی کہ وہ کہنے لگ گئے تھے:

''آپ اور آپ کا ربّ جائیں اور جنگ کا شوق پورا کر لیں''۔

یہ جملہ دفاعی اور ایمانی تاریخ کے مطابق کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کہ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

تورات کے بیان کے مطابق تو انہوں نے واویلا مچا دیا:

کاش!

ہم سرزمین مصر ہی میں مر گئے ہوتے یا بیابان جنگل ہمیں چاٹ گیا ہوتا، خدا ہمیں ایسی سرزمین میں کیوں لے آیا جب ہمیں لڑنا پڑے گا اور ہمارے بچے اور عورتیں لوٹ کا مال بن جائیں گی (92)۔

بنی اسرائیل کے حالات سنبھل نہ سکے، چند نفوس کے سوا جہاد کے لیے لوگ تیار نہ ہو سکے۔ موسوی خطبات سے دل دہل رہے تھے لیکن بے حس قوم کے ماتھے پر شرمندگی اور عزم نو کے آثار محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ آگے دیکھیے کیا ہوا، قرآن کا بیان بنی اسرائیل کی تاریخ سنا کر بدر کے مجاہدین کی ایمان سازی کر رہا تھا جب شہادتوں کے متوالے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں آگے بڑھ رہے تھے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

قَالُوْا: وہ بولے
يٰمُوْسٰٓى: اے موسیٰ
اِنَّا: بے شک ہم
لَنْ: ہرگز نہیں
نَّدْخُلَهَآ: داخل ہوں گے ہم اس میں
اَبَدًا: کبھی بھی
مَّا دَامُوْا: جب تک وہ قائم ہیں
فِيْهَا: اس میں
فَاذْهَبْ: تو جائیے
اَنْتَ: آپ خود
وَرَبُّكَ: اور تیرا ربّ
فَقَاتِلَآ: سو دونوں تم لڑو
اِنَّا: تحقیق ہم تو
هٰهُنَا: ادھر یہاں ہی
قٰعِدُوْنَ: بیٹھنے والے

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیۡهِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً ۚ یَتِیۡهُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾

وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ ابۡنَیۡۡ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَ لَمۡ یُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۷﴾

(25) عرض کی موسیٰ نے اے میرے ربّ! میرا حکم نہیں چلتا مگر اپنے اُوپر اور میرے بھائی پر، تو ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان تفریق فرمادے

(26) فرمایا یہ سرزمین چالیس سال تک ان کے لیے ممنوع ہے بھٹکتے پھریں زمین میں، تو تم فاسق قوم کے لیے غمگین نہ ہو

(27) اور انہیں آدم کے دو بیٹوں کی خبرِ حق پڑھ کر سناؤ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ایک کی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نامقبول ہوگئی بولا میں تمہیں جان سے ماردوں گا کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جو تقویٰ دار ہو

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

''عرض کی موسیٰ نے اے میرے ربّ! میرا حکم نہیں چلتا مگر اپنے اُوپر اور میرے بھائی پر، تُو ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان تفریق فرما دے، فرمایا! یہ سرزمین چالیس سال تک ان کے لیے ممنوع ہے بھٹکتے پھریں زمین میں، تو تُم فاسق قوم کے لیے غمگین نہ ہو''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام قرآن حکیم نے نقل فرمایا، ایک ایسی پکار ہے جو رنج والم سے بھری ہوئی ہے، اس میں التجا ہے لیکن تسلیم ورضا میں ڈوبی ہوئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام محسوس فرماتے ہیں کہ اس وقت ان کے ساتھ وفا اور تکمیل عہد کی راہوں میں صرف ان کے بھائی ہارون کھڑے ہیں لیکن آپ کے درد سے آپ کی راست بازی عیاں ہو رہی ہے اور آپ فرماتے ہیں: ''پروردگار! بے وفائی کے اس صحرا میں مزید آبلہ پائی ممکن نظر نہیں آ رہی سو مجھے اجازت ہو جائے کہ اس قوم سے جدا ہی ہو جاؤں''۔

کلیم کا بے وفاؤں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے، وفا اور محبت بھی وہ سچا راستہ ہے اس میں قوم، نسب، نسل اور مشترکہ تاریخ کچھ چیز نہیں ہوتی، اس میں رشتوں کی اساس ایمان ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا ادب اور احترام میں ڈوبا ہوا استغاثہ جونہی ختم ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی فاسق قوم کی سزا شروع ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس قوم نارسا کو صحراؤں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی کا جھٹکا دیکھیں کہ ارض مقدس کی دہلیز پر ہونے کے باوجود اللہ نے وہ پاک خطہ ان پر حرام کر دیا۔ چالیس سال کا طویل عرصہ وہ صحرا نوردی ہی میں سرگرداں رہے۔ ان کی پرانی نسل ختم ہو گئی، ان کی بیٹیوں سے پیدا ہونے والے نئے بچے ان کی تاریخ کا سہارا بن گئے، نئے آنے والے صحرائی ماحول سے مانوس تھے، وہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح نرم ونازک خیالات کے مالک نہ تھے۔ صحرائی ماحول نے ان کو آزادی کی قیمت بتا دی تھی۔ ذلت، غلامی اور ظلم انسان کی فطرت کو خراب کر دینے والی چیزیں ہوتی ہیں۔

مشکلات کا ہجوم

ابن جریر اور بغوی کی روایات پر اس قوم کو تیہ کے ریگستان میں ایسے بند کر دیا گیا کہ یہ لوگ کسی سمت نکل نہیں سکتے تھے۔ ہتھکڑیوں اور صعوبت دار زندانی سلاخوں کے بغیر ہی وہ قیدی تھے، خدا کے فیصلہ کے مضبوط حصار نے ان کو جکڑ دیا تھا (93)۔

مفردات

قَالَ: کہا، عرض کی
رَبِّ: اے میرے ربّ
اِنِّیْ: بے شک میں
لَآ اَمْلِكُ: میں مالک نہیں ہو
اِلَّا: مگر
نَفْسِیْ: اپنے آپ کا
وَ: اور
اَخِیْ: اپنے بھائی کا
فَافْرُقْ: سو جدائی ڈال دے
بَیْنَنَا: ہمارے درمیان
وَبَیْنَ الْقَوْمِ: اور قوم کے درمیان
الْفٰسِقِیْنَ: نافرمانی کرنے والے
قَالَ: اللہ نے فرمایا
فَاِنَّهَا: تو بے شک یہ سرزمین
مُحَرَّمَةٌ: حرام کر دی جانے والی
عَلَیْهِمْ: ان پر
اَرْبَعِیْنَ: چالیس
سَنَةً: سال
یَتِیْهُوْنَ: سرگرداں پھریں گے
فِیْ: میں
الْاَرْضِ: سرزمین، علاقہ وغیرہ
فَلَا تَاْسَ: سو نہ غمگین ہوں
عَلَى: پر
الْقَوْمِ: قوم مراد بنی اسرائیل
الْفٰسِقِیْنَ: نافرمانیاں کرنے والے

تیہ مختصر سا میدان ہے۔ حضرت مقاتل کے مطابق تیس فرسخ اس کی لمبائی ہے اور نو فرسخ اس کی چوڑائی ہے۔ یہ ریگستان عام حساب سے تیس میل ضرب اٹھارہ میل کا رقبہ ہے۔ یہاں اس بے بس اور بدقسمت قوم کو چالیس سال رہنا پڑ گیا۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسی عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا وصال ہو گیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال پہلے ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا بعد میں ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کا وصال تو ہو گیا لیکن اللہ کی طرف سے ان کے لیے یہ پیغام دلبری کا باعث ہوا کہ آپ فاسق قوم پر غم نہ کھائیں، آپ کے جانشین کے طور پر حضرت یوشع علیہ السلام ابھرے اور آپ کو اللہ نے نور نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا۔ آپ ہی نے حضرت کالب کے ساتھ مل کر بنی اسرائیل کے وہ نوجوان جن کی پیدائش صحرا ہی میں ہوئی تھی انہیں منظم کیا اور نشاۃ ثانیہ کا کام خوش اسلوبی سے ہونے لگا (94)۔

آزادی کی صبح طلوع ہو گئی

بغوی لکھتے ہیں:

> ''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد جب چالیس سال کا عرصہ مکمل ہو گیا تو حضرت یوشع علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ آپ نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور عمالقہ پر حملہ زن ہونے کا عندیہ دیا۔ سب نے آپ کی تصدیق کر دی اور بیعت عامہ کر لی۔ اس کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام اریحا کی طرف پیش قدمی فرمانے لگے، میثاق والا صندوق بھی آپ کے پاس تھا۔ اریحا پہنچ کر آپ نے شہر کا محاصرہ کر لیا محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا، ساتواں مہینہ شروع ہوا تو حملہ کا سنکھ پھونک دیا گیا۔ نعرہ کی جب گونج پڑی تو شہر پناہ کی دیوار گر گئی، بنی اسرائیل شہر میں گھس گئے۔ جنگ جمعہ کے دن ہوئی تھی اختتام اس وقت ہوا جب سنیچر کا دن شروع ہونے والا تھا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس دن سورج کو ایک گھنٹہ واپس بھی لوٹایا گیا تا کہ جہاد کا کام مکمل ہو سکے۔ اس کے بعد شاہانِ

شام کا پیچھا کیا گیا اور یوں ارض شامات اللہ تعالیٰ نے فتح کروادی اور عمالقیوں سے جان چھوٹی (95)۔

نتیجہ کلام

عمود تفسیر اور نتیجہ کلام یہ رہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے جھنڈوں کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں نہیں کرتا ہے۔ آزمائشیں ضرور آتی ہیں لیکن بالآخر نتیجہ فتح ونصرت کے ساتھ اللہ اپنے محبوبوں کو دیتا ہے۔ تحریک نبوی میں بدر کے آگے پیچھے کے حالات اگر آپ پڑھیں تو یہ آیات رجز جہاد محسوس ہوگا۔

واللہ اعلم

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ ابۡنَىۡۤ اٰدَمَ بِالۡحَقِّ ۘ اِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنۡ اَحَدِهِمَا وَلَمۡ يُتَقَبَّلۡ مِنَ الۡاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقۡتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۲۷﴾

''اور انہیں آدم کے دو بیٹوں کی خبرِ حق پڑھ کر سناؤ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ایک کی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نامقبول ہوگئی بولا میں تمہیں جان سے ماردوں گا کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جو تقویٰ دار ہو''۔

ایک اہم بات

اسلام انفرادی زندگی کی اصلاح کرتا ہے اور اجتماعی زندگی کو جرائم سے بچانے کے لیے گھناؤنے، خوفناک اور معاشرہ شکن رویوں اور رسوم ورواج کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور اپنے قانون عدل کے ساتھ لوگوں کے مزاج کو ہم آہنگ کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ظلم کی تاریخ بتائی جاتی ہے کہ یہ شجرۂ خبیثہ کن جڑوں سے پیدا ہوتا ہے اور ایک قاتل شخص کی ارتکاب جرم کے وقت نفسیات کیا ہوتی ہے؟ اسلام ایسے مجرمین کو مکمل، شدید اور انصاف کے مطابق سزا دیتا ہے۔ یہ کہانی مسلمانوں کو اس لیے سنائی جاتی ہے کہ وہ اسلام میں جرائم کی سنگین سزاؤں کی حکمت سمجھیں۔ معاشرہ عملی اقدامات سے سدھرتا ہے اور یاد رکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ سوسائٹی شاعری نہیں ہوتی اور ہر وقت لفظوں سے ان کی زلفیں سدھارتے رہنا کسی بڑے مقصد زندگی تک پہنچنے کا وسیلہ نہیں بن سکتا۔ قرآن قرآن ہے اس دریائے رحمت سے آب فیض الچنے کے لیے عملی راہیں اپنانی پڑتی ہیں۔

کہانی شروع ہوتی ہے

قرآن مجید اس چھوٹے سے قصے کے ذریعے دو کردار سمجھانا چاہتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے ایک شفیق معلم اپنے مخلص تلمیذ کو تختۂ بیض پر اہم باتیں لکھا کر سمجھاتا ہے۔ قرآن مجید دو بھائیوں کا ایک قصہ

مفردات

وَاتۡلُ: اور تلاوت کر، اور پڑھ
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
نَبَاَ: خبر، غیب کی خبر، آسمانی خبر، الہامی رہنمائی کا مقدس پیغام
ابۡنَىۡ: دو بیٹوں
اٰدَمَ: آدم کے
بِالۡحَقِّ: حق کے ساتھ
اِذۡ: جب
قَرَّبَا: منت مانی
قُرۡبَانًا: قربانی پیش کی
فَتُقُبِّلَ: تو قبول ہوئی
مِنۡ اَحَدِهِمَا: دونوں میں سے ایک کی
وَلَمۡ: اور نہ
يُتَقَبَّلۡ: قبول ہوئی
مِنَ الۡاٰخَرِ: دوسرے سے
قَالَ: وہ بولا
لَاَقۡتُلَنَّكَ: میں تجھے قتل کروں گا
قَالَ: کہا
اِنَّمَا: نہیں سوا اس کے
يَتَقَبَّلُ: وہ قبول کرتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
مِنَ: سے
الۡمُتَّقِيۡنَ: تقویٰ داروں سے، پرہیزگاروں سے

سنا تا ہے جن دونوں میں ایک رواداری، نیک نیتی، خلوص، رشتوں کے تقدس اور تقویٰ کے اثرات کا جمیل پیکر نظر آتا ہے اور دوسرا ظلم، بے انصافی، خانۂ تقدس کا وارداتی چور اور جور و جفا کی تصویر نظر آتا ہے۔قرآنی مقصد تو اسلامی عادلانہ قانون کی پرچم کشائی ہے، بتایا یہ جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں جب قافلۂ انسانیت نے اپنے سفر کا آغاز ہی کیا تھا دو بھائی تھے اور یہ دونوں آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، دونوں کے نام مفسرین نے ہابیل اور قابیل لکھے ہیں۔ یہ پیغمبر زادے تھے اور ان میں سے ایک اپنے منصب کی عظمت، فضیلت اور تاریخ سے آگاہ تھا جبکہ دوسرا خوبصورت ٹوکری کے نیچے چوہے کا کردار پیش کر رہا تھا۔آیت میں اصل چیز دو کرداروں کا مطالعہ ہے۔کہانی دو بھائیوں میں ایک تنازع سے شروع ہوتی ہے۔ایک حرام نکاح پر تلا ہوا ہے اور دوسرا باپ کی تعلیمات کا روحانی تقدس سمجھ رہا ہوتا ہے اور وہ اقدار، روایات اور قوانین کی حفاظت کا مقام جانتا ہے اس لیے وہ نفیس طریقے سے اپنے خون خوار بھائی کو نیکی کا مقام سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔قرآن کی یہ آیت خوبصورت ہے، وہ پوری احتیاط کے ساتھ شہوت اور تقویٰ کی لڑائی کا منظر پیش کرتی ہے۔اسی مقابلہ میں ظلم کے مقاصد اور ظلمتیں بھی سامنے آتی ہیں۔ بات قربانیوں کی قبولیت اور عدم قبولیت سے آگے بڑھتی ہے۔قرآن مجید کہانی کے اجزا پر اتنا زور نہیں دیتا جتنا مقاصد تربیت کے اجزا پر زور دیتا ہے۔آیت میں دوسری مذمت حسد کی ہے کہ یہ کس طرح کردار کے قافلوں کو تاراج کرتا ہے۔

آیت میں لفظ ''قربان'' استعمال ہوا ہے۔لغوی اعتبار سے ہر وہ چیز ''قربان'' ہوتی ہے جو اللہ کا قرب پانے کے لیے کی جائے یا دی جائے اور عرف میں ذبیحہ کو بھی ''قربان'' کہہ دیتے ہیں۔ بادشاہ کے ہم نشین کو بھی ''قربان'' کہہ دیتے ہیں۔

آیت میں ایک بڑا اعلان بھی کر دیا گیا ہے کہ قربانی قبولیت کی سند اسی وقت پاتی ہے جب وہ تقویٰ داروں کی طرف سے ہو۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

لَئِنۡۢ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡكَ لِاَقۡتُلَكَ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾
اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِكَ فَتَكُوۡنَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ ۚ

(28) اگر تو مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا تا کہ مجھے قتل کر دے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے مار ڈالوں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

(29) بلاشبہ میرا ارادہ تو یہی ہوگا کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے ہی سر لے اور آگ والوں میں سے ہو جائے اور ظالم لوگوں کی سزا یہی ہے

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

''اگر تُو مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا تا کہ مجھے قتل کر دے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے مار ڈالوں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔

آیت میں چند الفاظ قاریٔ قرآن کی توجہ چاہتے ہیں۔ کہا یہ گیا کہ

''اگر تُو میری طرف ہاتھ بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے''۔

ظاہر کرتا ہے کہ حق کے پرچم بردار ہابیل بھائی کو سمجھا رہے تھے کہ تُو اور میں دونوں بھائی ہیں، یہ رشتہ اتنا تقدس رکھتا ہے کہ اس میں دست درازی ٹھیک نہیں ہوتی۔ قتل کرنا تو جرم ہے ہی دیکھنا یہ ہے کہ اخوت بھی کہیں ہمارے ہاتھوں قتل نہ ہو جائے۔ اس میں بڑا سبق ان کے لیے ہے جو ہر روز بھائی چاروں، رشتوں اور اخوت کی لطافتوں کو قتل کرتے رہتے ہیں۔

دوسری قابل فہم بات یہ ہے کہ قتل تو کسی کا بھی ہو ایک شنیع امر ہے لیکن بھائی کے قتل کرنے کی برائی بہت زیادہ بدبودار ہوتی ہے۔

آیت کا تفسیری عمود اللہ سے خوف اور ڈر رکھنا ہے اور یہ عقیدہ مضبوط رکھنا ہے کہ جہانوں کا پروردگار اللہ ہے اور کردار سازی اسی کی طرف مراجعت میں ہوتی ہے۔

اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ۚ

''بلاشبہ میرا ارادہ تو یہی ہوگا کہ تُو میرا اور اپنا گناہ اپنے ہی سر لے اور آگ والوں میں سے ہو جائے اور ظالم لوگوں کی سزا یہی ہے''۔

ہابیل نے دیکھا کہ قابیل ''حسن پرستی'' کے سبب ''میزان عدل'' کی قدردانی سے محروم ہو چکا ہے اور ظلم کے صحراؤں میں بھٹکنے کا فیصلہ کر چکا ہے اور ہر ظلم اور حسد انسانوں کو وادیٔ جہنم تک پہنچانے کے لیے گھناؤنے گناہوں کا مرتکب بنانے کا وسیلہ بن جاتے ہیں لیکن ایک نیک شخص ہمیشہ ان سیاہ کرتوتوں سے بچتا ہے، ہابیل نے اپنا عزم اپنے بھائی کے سامنے رکھا اور اپنے ادراکات کی برکتیں بھائی کو بتانے کی کوشش کی:

- بھائی تم رشتے کا تقدس فراموش کر چکے ہو

مفردات

لَئِنْ: اگر
بَسَطْتَّ: تُو بڑھائے گا
اِلَيَّ: میری طرف
يَدَكَ: اپنا ہاتھ
لِتَقْتُلَنِيْ: تا کہ تُو مجھے قتل کر دے
مَآ: نہیں
اَنَا: میں
بِبَاسِطٍ: ہاتھ بڑھانے والا
يَّدِيَ: اپنا ہاتھ
اِلَيْكَ: تیری طرف
لِاَقْتُلَكَ: تا کہ میں تجھے قتل کر دوں
اِنِّيْٓ اَخَافُ: بے شک میں ڈرتا ہوں
اللّٰهَ: اللہ سے
رَبَّ: پروردگار
الْعٰلَمِيْنَ: تمام جہانوں کا

اِنِّيْٓ: بے شک میں
اُرِيْدُ: ارادہ کرتا ہوں
اَنْ: یہ کہ
تَبُوْٓاَ: بازگشت
بِاِثْمِيْ: میرا گناہ
وَاِثْمِكَ: اور اپنا گناہ
فَتَكُوْنَ: تو ہو جاؤ تم
مِنْ: سے
اَصْحٰبِ النَّارِ: آگ والے
وَذٰلِكَ: اور یہ
جَزٰٓؤُا: جزا
الظّٰلِمِيْنَ: ظلم کرنے والے

- تمہارے اندر پیغمبر زادہ ہونے کا احساس بھی ختم ہو چکا ہے
- تم اس سے بھی عاری ہو چکے ہو کہ سمجھو جنتی اور دوزخی میں بڑا فرق ہوتا ہے
- تم نیکیوں کو بوجھ سمجھتے ہو اور کس قدر آسانی کے ساتھ میرے گناہ بھی اپنے کندھے پر رکھنے کے لیے تیار ہو گئے ہو
- گناہ جو شخصیت میں گندگی پیدا کرتا ہے تم اسے سمجھنے کی طرف آ ہی نہیں رہے ہو
- تمہیں حسد کی تباہ کاریوں کا اندازہ ہی نہیں ہو رہا
- تمہارے اندر خدا سے قریب ہونے کی حس ہی نہیں رہی
- تم قتل اور وہ بھی بھائی کا قتل آسان سمجھ بیٹھے ہو
- قانون خدا کے خلاف بغاوت تم نے نعمت سمجھ لی ہے جب کہ یہ لعنت ہے
- تم نے ظالمین کو اپنی سنگت کے لیے عمدہ سمجھ لیا ہے۔

❁❁❁❁❁

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٣٠
فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ
اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ
فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝٣١ ۛۚ

(30) تو اس کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کے قتل کو چھوٹا اور آسان کر کے بتایا نتیجۃً اس نے اُسے قتل کر ہی دیا پس وہ نقصان والوں میں سے ہو گیا

(31) اس کے بعد اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدتا، یوں اُس نے اُس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کیوں کر اپنے بھائی کی لاش چھپائے، بولا افسوس بالائے افسوس! میں اس کوّے سے بھی گر گیا کہ مجھے اپنے بھائی کی لاش چھپانا آتی، نتیجہ یہی ہوا کہ وہ پچھتاتا رہ گیا

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

''تو اس کے نفس نے اُسے اپنے بھائی کے قتل کو چھوٹا اور آسان کر کے بتایا نتیجۃً اس نے اُسے قتل کر ہی دیا پس وہ نقصان والوں میں سے ہو گیا، اس کے بعد اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدتا، یوں اُس نے اُس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کیوں کر اپنے بھائی کی لاش چھپائے، بولا افسوس بالائے افسوس! میں اس کوّے سے بھی گر گیا کہ مجھے اپنے بھائی کی لاش چھپانا آتی، نتیجہ یہی ہوا کہ وہ پچھتاتا رہ گیا''۔

آیت ''فَطَوَّعَتْ'' سے شروع ہوتی ہے۔ لفظ پر ''فا'' تعقیبیہ ہے۔ یہاں یہ فوراً کے معنوں میں نہیں استعمال ہوا ہے۔ ''طوعت' طوع'' سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ خوشی سے اطاعت کرنا ہوتا ہے (96)۔ آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ قابیل پہلے تو قتل کو گراں تصور کرتا تھا لیکن آہستہ آہستہ جب حسد، بغض اور نفس کی شہوت نے اس کے نفس میں جگہ بنالی تو پھر بہکنا اس کے لیے آسان ہو گیا۔ جملہ میں ''لَهٗ'' میں ضمیر کا مرجع قابیل ہے اور ''قَتْلَ اَخِيْهِ'' کا اشارہ ہابیل کو مار دینے کی طرف ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ قابیل کو قتل کا طریقہ نہیں آتا ہے۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے آیا جبکہ اس کے پنجہ میں ایک جانور تھا اس نے جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا۔ یہ دیکھ کر قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ سمجھ آ گیا اور ایک دن ہابیل کسی سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرنے لگے تو بندۂ شہوت نے پتھر اٹھا کر ہابیل کے سر پر مارا اور یوں دنیا میں یہ پہلا قتل تھا جس نے دنیا میں ظلمت بکھیر دی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ قتل منگل والے دن ہوا اسی لیے اس دن کو خون والا دن کہا جاتا ہے۔ حوا کو پہلا حیض بھی منگل والے دن آیا تھا۔ اس وقت ہابیل کی عمر بیس یا پچیس سال تھی یہ قتل بصرہ میں ہوا، مکہ میں غار حرا کے عقب میں ہوا اور یہ بھی کہا گیا کہ زمین ہند میں ہوا (97)۔

واللہ اعلم

منداپڑنے کا قرآنی وژن

خسارہ، نقصان اور زیاں وہ الفاظ ہیں جو تجارتی اور کاروباری زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں لیکن

مفردات

فَطَوَّعَتْ: پس رغبت دی
لَهٗ: اس کے لیے
نَفْسُهٗ: اُس کے نفس نے
قَتْلَ: قتل
اَخِيْهِ: اپنے بھائی کی
فَقَتَلَهٗ: سو اس نے اس کو قتل کر دیا
فَاَصْبَحَ: پھر وہ ہو گیا
مِنَ: سے
الْخٰسِرِيْنَ: زیاں کاروں سے
فَبَعَثَ: بعد ازاں بھیجا
اللّٰهُ: اللہ نے
غُرَابًا: ایک کوا
يَّبْحَثُ: کھودتا تھا، کریدتا تھا
فِي: میں
الْاَرْضِ: زمین
لِيُرِيَهٗ: تاکہ اسے دکھائے
كَيْفَ: کیسے
يُوَارِيْ: وہ چھپائے
سَوْءَةَ: مردہ جسم
اَخِيْهِ: اپنے بھائی کا
قَالَ: بولا
يٰوَيْلَتٰى: ہائے خرابی میری
اَعَجَزْتُ: کیا میں عاجز ہو گیا
اَنْ اَكُوْنَ: کہ ہو جاؤں
مِثْلَ هٰذَا: مثال اس کی
الْغُرَابِ: کوے کی
فَاُوَارِيَ: تو چھپا دوں میں
سَوْءَةَ: مردہ جسم، لاش

مفردات

اَخِیْ: اپنے بھائی کا
فَاَصْبَحَ: تو ہو گیا وہ
مِنَ: سے
النّٰدِمِیْنَ: ندامت زدہ لوگوں کا گروہ

آیت میں زیاں کاری کی سب سے زیادہ مہلک قسم نیکیوں کے باغ کا اجڑ جانا ہے۔ وہ شخص جس کی زندگی جنگل کی طرح ہو جائے اور اس کی عادتیں جنگلی جانوروں کی طرح ہو جائیں وہ انسانی صورت میں چلتا پھرتا جانور ہو جاتا ہے خصوصاً قتل ایسے جرائم انسان کو مسخ کر دیتے ہیں۔ تدبیر، عقل اور فراست کے چشمے ایسے شخص کے لیے خشک ہو جاتے ہیں۔ جرائم پیشہ شخص جنگلی گدھوں کی پنچائیت میں شامل ہو جاتا ہے جس کی زندگی پانچ جرائم کے مرکز پر گھومتی رہتی ہے۔ زنا، جھوٹ، شراب نوشی، جوا اور مال حرام کا کھانا اور حسد اور ظلم یہ ہیں وہ ظلمتیں جو کبائر کے پیٹ سے پیدا ہوتی ہیں۔

اللہ کی بے نیازیاں

- آیت بتاتی ہے کہ اللہ بے نیاز کبھی جانوروں کو بھی مامور کر دیتا ہے اور وہ انسانی امور سے آگاہ کر دیتے ہیں جیسے کہ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ کوّا مامور تھا جس نے رہبری کا جلوہ دکھا دیا۔
- دوسری چیز یہ ہے کہ انسان کو حساس ہونا چاہیے، اگر انسان غبی نہ ہو تو وہ جانوروں سے بھی سیکھ سکتا ہے جیسے آیت میں ہے کہ ایک کوّا چونچ سے ایک گڑھا کھودتا ہے اور اس میں مردہ کوّے کو دفن کر دیتا ہے۔
- تیسری چیز یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ سیکھنا چاہیے خواہ اس کا ذریعہ کوئی بھی ہو سیکھنے والے طالب علم کے لیے نصاب تعلیم اہم ہوتا ہے۔
- چوتھی چیز یہ ہے مردہ جسم کو زمین ہی میں دفنانا چاہیے، جلانا یا مومیا کر چھوڑ دینا خلاف فطرت ہے۔
- پانچویں چیز یہ ہے کہ تجربات زندگی اگر گناہوں پر ندامت کا دروازہ کھول دیں تو انسان سدھرنے سے قریب ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پشیمانی اور ندامت فطری حق خواہی کی اور حق شناسی کی علامت ہوتی ہے۔

کوّا ایک محیّر العقول جانور

دمیری نے لکھا (98) کہ کوّا دنیا کے ہر حصہ میں پایا جاتا ہے۔ اس کی زیادہ تر اقسام کرۂ زمین کے شمالی حصوں میں ملتی ہیں۔ یہ انسانی آبادیوں سے قریب رہنا پسند کرتا ہے۔ اس کی سو سے زیادہ اقسام ہیں۔ پرندوں کے انڈے، کیڑے مکوڑے، اناج اور روٹی کے ٹکڑے اس کی مرغوب غذائیں ہیں۔ اس کی مادہ چار یا پانچ انڈے دیتی ہے، جب ان سے بچے نکل آتے ہیں تو کوے کی مادہ انہیں

چھوڑ دیتی ہے، اس لیے کہ وہ بچے اس وقت بہت بدصورت ہوتے ہیں، جسم چھوٹا جبکہ سر اور چونچ بہت لمبی ہوتی ہے، اعضاء ایک دوسرے سے الگ اور بے جوڑ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بدصورتوں کی روزی کا بندوبست گھونسلے میں فرما دیتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام دعا فرماتے تھے:

اے کوّے کے چھوٹے بچوں کو

گھونسلے میں رزق دینے والے ربّ!

کوّے کی ایک قسم ''غراب بین'' کی بھی ہے یعنی یہ وہ کوّا ہے جسے پانی کا حال معلوم کرنے کے لیے نوح علیہ السلام نے بھیجا تھا لیکن وہ مردار کھانے میں مشغول ہو گیا واپس نہ آیا۔

دمیری لکھتے ہیں ابن قتیبہ کے قول پر اسے منحوس اور فاسق اسی لیے کہا جاتا ہے۔ دمیری اظہار فرماتے ہیں کوا اپنے بچوں کو چھوڑتا ان کے سفید رنگ کی وجہ سے ہے اس لیے کہ وہ پیدا ہوتے ہیں تو سفید ہوتے ہیں اس لیے اس کی بے وفائی بھی مشہور ہے۔ یہ حسن دشمن مخلوق ہیں جو مولوی بحث زیادہ کرے اسے کوّا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کائیں کائیں بہت کرتا ہے۔ سادات دشمن اکثر کوّوں ہی کی طرح ہوتے ہیں جو آل محمد کی صفات سے چڑتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ
نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا
فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ
اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ۝۳۲

(32) اس سبب کی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لازم کردی کہ جس نے کوئی جان قتل کی سوا قصاص کے یا زمین میں فساد بپا کیا تو گویا اُس نے ساری انسانیت کو ہلاک کر دیا اور جس نے ایک جان کو زندگی بخشی تو گویا اُس نے جمیع انسانیت کو حیات بخشی اور بے شک اس کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر اس کے بعد بھی بلاشبہ ان کی اکثریت زمین میں زیادتی کی مرتکب ہوئی

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ ﴿۳۲﴾

''اس سبب کی بنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لازم کر دی کہ جس نے کوئی جان قتل کی سوا قصاص کے یا زمین میں فساد بپا کیا تو گویا اُس نے ساری انسانیت کو ہلاک کر دیا اور جس نے ایک جان کو زندگی بخشی تو گویا اُس نے جمیع انسانیت کو حیات بخشی اور بے شک اس کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر اس کے بعد بھی بلاشبہ ان کی اکثریت زمین میں زیادتی کی مرتکب ہوئی''۔

آیت نے بنی اسرائیل کو معارف زندگی سے آگاہ کیا اور مسلمانوں کے صحیفہ میں اس چشمۂ فیض سے مسلمان بھی آگاہ ہوئے کہ انسانیت سونے سے بھی قیمتی متاع ہے اس کی قدر کی جائے، اسے ضائع نہ کیا جائے۔ اسلوب آیت نیرنگی، ندرت اور رعنائیوں بھرا ہے، لگتا ہے ہر نفس اور ہر جی میں پوری انسانیت کے جوہری چشمے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ایک آدمی کو اگر کوئی قتل کرے تو وہ گویا پوری انسانیت کو قتل کرنے کا مجرم بنتا ہے۔ اگر یہ گستاخی نہ ہو تو کہا جا سکتا ہے قاتل وہ فرعون ہوتا ہے جو زندگی کے خالق پر حملہ کرنے کے لیے لپکتا ہے، ایسے بدطینت شخص پر جتنا تھو کا جائے، جتنی لعنت کی جائے اور جتنی تف برسائی جائے اتنی ہی کم ہے اور ایک شخص کی زندگی بھی بچانے والا پوری انسانیت کا بچانے والا ہوتا ہے گویا انسانی جوہر کی پرورش ایسا لنگر ہے جس سے پورا کاروانِ انسانیت بہرہ مند ہوتا ہے۔ قرآن مجید کتنا خوبصورت انسانی وِرد سکھاتا ہے کہ لوگوں کی زندگیوں کی حفاظت کرو، انہیں بچاؤ اور ان کو نکھارنے کے لیے محنت کرو، دنیا میں زندگی اجاڑنے والے زیادہ تر یہودی ہیں۔ مسلمانوں پر تہمتوں کا سلسلہ بھی انہی کی فکری ظلمت ہے۔ مسلمانوں کی جہادی تاریخ تو ''سبیل المجرمین'' کا خاتمہ ہے۔ مسلمان کسی مذہب کے دشمن نہیں، بدمعاشوں کی شوخیوں اور شرارتوں کی ظلمتوں کو ختم کرنے کے گرویدہ ہیں۔

آیت کے معارف میں دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ ''مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ'' الفاظ خوشبو اس طرح بکھیرتے ہیں کہ تاریخ کو مسخ نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ بیشتر واقعات ''فرامین الٰہیہ'' کے جاری ہونے کا سبب بنتے ہیں اور بہت سے حوادثات دنیا کے احوال بدلنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ اصل بات

مفردات

مِنۡ اَجۡلِ: اس بنا پر
ذٰلِكَ: اس
كَتَبۡنَا: فرض کیا ہم نے، لکھ دیا ہم نے
عَلٰى: پر
بَنِىۡۤ: اولاد
اِسۡرَآءِيۡلَ: یعقوب
اَنَّهٗ: بے شک اس
مَنۡ: جس نے
قَتَلَ: قتل کیا
نَفۡسًۢا: کسی جان کو
بِغَيۡرِ نَفۡسٍ: بغیر بدلہ کسی جان کے
اَوۡ فَسَادٍ: یا فساد
فِى: میں، بیچ
الۡاَرۡضِ: زمین
فَكَاَنَّمَا: پھر گویا کہ
قَتَلَ: قتل کیا اس نے
النَّاسَ: لوگوں کو
جَمِيۡعًا: سب
وَمَنۡ: اور جس نے
اَحۡيَاهَا: اس نے زندہ کیا اسے
فَكَاَنَّمَاۤ: گویا کہ اس نے
اَحۡيَا: زندہ کیا
النَّاسَ جَمِيۡعًا: جمیع انسانوں کو
وَلَقَدۡ: اور بے شک
جَآءَتۡهُمۡ: آئے ان کے پاس
رُسُلُنَا: ہمارے رسول
بِالۡبَيِّنٰتِ: دلیلوں کے ساتھ
ثُمَّ اِنَّ: پھر بے شک

یہ ہے کہ انسانی قافلوں کو حوادث، کیفر اور سزا و عذاب کے تکرّر سے بچنے کے لیے دلوں کی حیات کا سبب فراہم کرنا چاہیے اور یہ قرآن سے وابستگی اور اللہ کے ذکر ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔

آیت میں ''نَفْسًا'' پر تنوین تفہیم کے لیے ہے کہ انسان کسی بھی نسل اور علاقے کا ہو قابل احترام ہوتا ہے اس کے قتل سے مذہب کانپتا ہے۔ دستورِ صدق لرزتا ہے اور تکوین بھونچال کا شکار ہوتی ہے۔

تیسرا نکتہ جو قابل توجہ ہے وہ زمین میں فساد کی خرابیاں ہیں۔ قرآن مجید مفسدین کے وجود سے زمین کو بھاری کرنے کا قائل نہیں۔ فسادی لوگ بالکل بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ قرآن مجید ہر ممکن کوشش اور دعوت کو بجالاتا ہے کہ مفسدین مصلحین بن جائیں لیکن اگر وہ باز نہ آئیں تو آسمانی صحیفوں ایسے معصوم قوانین مفسدین کے لیے سزائے موت تجویز کرتے ہیں۔ آیت نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ کسی انسان کو قتل کرنا دو ہی جگہ جائز ہے یا تو قصاص میں اور یا پھر فساد کو ختم کرنے کے لیے مفسد پر سزا جاری کر دینا۔

چوتھا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو جانیں بچانے کے لیے نفع بخش اور شفا بخش دوائیں بتاتے ہیں یا حوادث میں لوگوں کو بچانے کے لیے رضا کاری کرتے ہیں ان کی قدر و قیمت کتنی ہے اور ان کی رضا کاری اور نیک تجارت کس قدر فضیلت کی حامل ہے۔

آیت کا پانچواں نکتہ مصلحین، داعین اور خصوصاً واحتراماً انبیاء کا منصبی ناموس ہے۔ ان کی توجہ، رہبری اور وسیلہ کے بغیر انسانیت سوزی، اسراف اور بدی کی آگ کو بجھایا نہیں جاسکتا ہے فلہٰذا پرچار اور تبلیغ آسمانی افکار ہی کی ہونی چاہیے۔

چھٹا نکتہ یہ ہے کہ دین فطرت کو مٹانے والے یہودی ہوں، عیسائی ہوں یا بگڑے ہوئے مسلمان سب مسرفین ہیں۔ قرآن مجید اس سوچ کے حاملین کو قابل نفرت سمجھتا ہے اور انہیں دعوت دیتا ہے کہ مجرمین، مفسدین اور مسرفین کا راستہ اس قابل نہیں کہ اسے اختیار کیا جائے، انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہی اس لائق ہے کہ اس پر عزمِ ہمت سے گامزن ہوا جائے، مرشد عارفاں کا قول کتنا حسین ہے:

''ایک انسان پوری انسانی نسل کا سرچشمہ ہوسکتا ہے''۔

امام کل جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے (99):

''پیاسے کو پانی پلانے والا اسی شخص کی مانند ہے جس نے
کسی نفس کی جان بچائی''۔

❁❁❁❁❁

مفردات

كَثِيْرًا: بہت سے
مِّنْهُمْ: ان میں سے
بَعْدَ ذٰلِكَ: اس کے بعد
فِي الْاَرْضِ: زمین میں
لَمُسْرِفُوْنَ: ہو گئے ضروری طور پر زیادتی کرنے والے

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي
الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ
اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي
الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۳۳﴾
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ ع

(33) تحقیق جزا ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں یہ ہے کہ وہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں ایک طرف سے ہاتھ تو دوسری طرف سے پاؤں یا ملک سے نکال دیے جائیں، یہ دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں انہیں عذابِ عظیم ہوگا

(34) سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اس سے پہلے کہ آپ لوگ ان پر غلبہ پالیں سو جان لو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

”تحقیق جزا ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں یہ ہے کہ وہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھا دیے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں ایک طرف سے ہاتھ تو دوسری طرف سے پاؤں یا ملک سے نکال دیے جائیں، یہ دنیا میں ان کے لیے رسوائی ہے اور آخرت میں انہیں عذابِ عظیم ہوگا، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اس سے پہلے کہ آپ لوگ ان پر غلبہ پالیں سو جان لو اللہ بخشنے والا مہربان ہے“۔

آیت کا شانِ نزول

تمام اکابر مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں یہ روایت نقل کی ہے کہ مشرکین کا ایک گروہ حرم رسالت میں پہنچا اور یہ عندیہ دیا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں لیکن ہوا یہ کہ مدنی موسم ان کے لیے امتحان بن گیا۔ ان کے رنگ پیلے پڑ گئے اور بخار نے انہیں حصار میں لے لیا۔ حضور ﷺ نے انہیں شہر سے باہر ایک صحت افزا مقام پر بھیجا تاکہ وہ سکون سے وہاں رہیں انہیں دوا دیں، اونٹوں کا دودھ پینے کا کہا گیا اور یہ بھی روایت میں آتا ہے کہ اونٹوں کا پیشاب ان کے لیے دوا تجویز ہوئی نتیجۃً وہ صحت مند ہو گئے۔

وہ اپنی سرکش طبیعت کے نتیجے میں مسلمانوں کے درپے ہو گئے اور مسلمان چرواہوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور آنکھوں میں گرم سلاخیں پھیر دیں اور انہیں قتل کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قصاص کے قانون کے تحت انہیں گرفتار کر کے اسی طرح قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا جیسے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ سلوک روا رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں گرفتار کر لیا جبکہ یہ لوگ یمن کی سرحد تک جا پہنچے تھے۔ اسلامی احکام میں سختی دراصل عبرت کا درس تھا تاکہ لوگ انسانیت کش افعال کا ارتکاب نہ کریں (100)۔

مفردات

اِنَّمَا: نہیں ہے سوا اس کے
جَزٰٓؤُا: سزا، بدلہ
الَّذِيْنَ: وہ جو
يُحَارِبُوْنَ: جنگ کرتے ہیں
اللّٰهَ: اللہ
وَرَسُوْلَهٗ: اور اس کے رسول
وَيَسْعَوْنَ: اور کوشش کرتے ہیں
فِي الْاَرْضِ: زمین میں
فَسَادًا: فساد پھیلانے کی
اَنْ: یہ کہ
يُّقَتَّلُوْٓا: وہ قتل کیے جائیں
اَوْ: یا
يُصَلَّبُوْٓا: سولی چڑھا دیے جائیں
اَوْ: یا
تُقَطَّعَ: کاٹے جائیں
اَيْدِيْهِمْ: ان کے ہاتھ
وَاَرْجُلُهُمْ: اور ان کے پاؤں
مِّنْ خِلَافٍ: مخالف سمت سے
اَوْ يُنْفَوْا: یا ملک بدر کیے جائیں
مِنَ الْاَرْضِ: ریاست سے، یا زمین سے
ذٰلِكَ: یہ
لَهُمْ: ان کے لیے
خِزْيٌ: رسوائی
فِي الدُّنْيَا: دنیا میں
وَلَهُمْ: اور ان کے لیے
فِي الْاٰخِرَةِ: آخرت میں
عَذَابٌ: عذاب ہے
عَظِيْمٌ: بڑا

مفردات

اِلَّا الَّذِیْنَ: سوائے ان کے جو
تَابُوْا: توبہ کی ہے
مِنْ قَبْلِ: پہلے سے
اَنْ: کہ
تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ: تم ان پر قابو پالو
فَاعْلَمُوْٓا: جان لو
اَنَّ اللّٰہَ: بے شک اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ: بخشنے والا مہربان

تفسیر مظہری اور محاربہ کی تعریف

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (101):

ایک بات جس پر غور وفکر کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے ''محاربہ'' کا مطلب کیا ہے؟ لفظ ''محاربہ حرب'' سے ماخوذ ہے اور اس کے اصل معنیٰ سلب کرنے اور چھیننے کے ہیں، محاورہ میں یہ سلم کی ضد ہے جس کا معنیٰ امن اور سلامتی ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''حرب'' کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے یہ اکا دکا چوری پر اطلاق پذیر نہیں ہوتا بلکہ یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی طاقت ور گروہ رہزنی اور قتل وغارت پر کھڑا ہو جائے اس لیے فقہائے کرام نے ''محاربہ'' کی سزا کے مستحق ایسے باغی اور غارت گری کرنے والے لوگ قرار دیے ہیں جو قانون کی قوت توڑنے پر اٹھ کھڑے ہوں۔ اس سزا میں انفرادی جرائم کے مرتکبین داخل نہیں ہو سکتے۔

فقہاء کے اظہارات

آیت میں سزاؤں کا جب بیان کیا گیا تو لفظ ''اَو'' بمعنیٰ ''یا'' استعمال ہوا۔ اسلاف کا ایک گروہ اس کا معنیٰ تخییر یعنی اختیاری کرتا تھا یعنی امام اور امیر کو شرعی اختیار ہوگا کہ حسب جرم ساری سزائیں نافذ کر دیں یا ان میں سے حسب حال ایک ہی نافذ کر دیں۔ حسن بصری، مالک اور عطاء کا مذہب یہی ہے جبکہ امام ابوحنیفہ، شافعی اور احمد بن حنبل حرف ''اَو'' کو تقسیم کار کے معنیٰ میں لیتے تھے یعنی جرائم کی نوعیت دیکھ کر سزائیں نافذ کی جائیں گی۔ شہر بدر کرنے کے معاملے میں ابوحنیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے کہ مجرم کو قید خانہ میں بند کر دینا چاہیے تاکہ دوسرے شہر کے لوگ بھی اس کی شر سے بچ جائیں (102)۔

تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ ہو۔

❁❁❁❁❁

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾

(35) اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم کامیاب ہو

(36) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی اور اس کی مثل اتنا اور بھی اگر وہ قیامت کے عذاب کا بدلہ دینا چاہیں تو ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے

(37) وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے جبکہ وہ اس سے نکل نہ سکیں گے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہوگا

مفردات

یٰۤاَیُّهَا: اے
الَّذِیۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوا: ایمان لائے ہو
اتَّقُوا: ڈرو تم
اللّٰهَ: اللہ سے
وَابۡتَغُوۡۤا: اور تلاش کرو
اِلَیۡهِ: اس کی جانب
الۡوَسِیۡلَةَ: وسیلہ
وَجَاهِدُوۡا: اور جہاد کرو
فِیۡ: میں
سَبِیۡلِهٖ: اس کی راہ میں
لَعَلَّكُمۡ: تا کہ تم
تُفۡلِحُوۡنَ: کامیابی پاسکو

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۞۳۵

’’اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم کامیاب ہو‘‘۔

وسیلہ اور توسل کا لغوی معنیٰ

راغب اصفہانی لکھتے ہیں(103):

’’کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ رسائی پانا وسیلہ ہوتا ہے‘‘۔

زبیدی حنفی رقم طراز ہوتے ہیں(104):

’’وسیلہ اور وصیلہ میں کافی مقاربت ہے لیکن دونوں میں ایک واضح فرق بھی پایا جاتا ہے، پہلے میں رغبت کے ساتھ پہنچنا ہوتا ہے جبکہ وصیلہ میں صرف کسی تک پہنچنے کا معنیٰ پایا جاتا ہے‘‘۔

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں(105):

’’کسی چیز کے ذریعہ سے دوسری چیز کا قرب پالینا ہے وہ چیز جو مقاربت کا ذریعہ ہو وہ وسیلہ ہوتی ہے‘‘۔

صاحب محیط نے وسیلہ کا معنیٰ درجہ، مرتبہ اور مقام لکھا ہے(106)۔

ابن جریر طبری لکھتے ہیں(107):

’’وسیلہ کا معنیٰ کسی کے توسط سے قرب پانا ہے‘‘۔

علامہ قرطبی نے وسیلہ کا معنیٰ قرب کے ذرائع لکھے ہیں(108)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

’’بہترین چیز جس کے ذریعے اور وسیلے سے تقرب الٰہی حاصل ہوسکتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے اور خدا کے راستے میں جہاد کرنا ہے یہ کوہ دین کی چوٹی ہے۔ اسی طرح کلمۂ اخلاص اور کلمۂ طیبہ بھی وسیلہ ہے۔

نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ماہ رمضان کے روزے، حج،
عمرہ اور زیارت سب قرب کے وسائل ہیں''۔

آیت کا تربیتی نصاب

(1) قلوب اور اذہان میں ایمان کا رسوخ ہے، زمین پر بسنے والی وہی مخلوق معنیٰ زندگی سمجھتی ہے جسے ایمان کی قدر و قیمت کا اندازہ ہے۔

(2) تقویٰ ایمان کے درخت پر آنے والا میٹھا ثمر ہے۔ مومنین کا نکھار اور وقار تقویٰ سے ہے تقویٰ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ متقی لوگوں کا نام ہمیشہ تابندگی پاتا ہے اور آسمان کے چراغوں کی طرح روشن ہوتا ہے، یہ مومنوں اور مسلمانوں کی حسین منزل ہے۔

(3) ابتغاء، تلاش اور جستجو تقویٰ کا ایک رنگ اور جلوہ ہے۔ کسی کا ہونے اور بننے کے لیے کوشش کرنا بُری بات نہیں مخلصانہ منزل ہے۔ احساس کی شدت اپنا اثر رکھتی ہے۔ کسی کی یاد ہی شوق کی منزلیں قریب کرتی ہے۔ تلاش کرنے کا مطلب ہے چھت پر جانے کے لیے سیڑھی کی طلب، یہ شرک، بدعت تھوڑی ہی ہے۔ محبوب کی تلاش کے لیے محبوب کا محبوب تلاش کر لینا جرم تھوڑا ہی ہے۔ آرزوؤں کا مرکز صبا و مسا جستجو ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(4) ''وسیلہ تلاش کرو'' قرآنی تربیت کا بڑا اہم سبق ہے۔ نماز کے لیے وضو کے لوازمات کی جستجو شرک تھوڑا ہی ہے۔ سجدوں کا قرض ادا کرنے کے لیے پاکیزہ مسجد ڈھونڈ لینا بدعت تھوڑا ہی ہے۔ محبت کی نذر اتارنے کے لیے کسی حسین چہرے کی ٹوہ لگا لینا وسیلہ کی جستجو کا ایک رنگ ہی تو ہے۔ لوگ شہد چاٹتے ہیں لیکن مستانہ وار مکھیوں کا گلوں کی جستجو کرنا بے معنیٰ عمل تصور کر لیتے ہیں۔ یہ فلسفہ ہے یا حکمت کوئی عشق والا ہی سمجھ سکتا ہے:

رات کرتی ہے تعاقب صبح کا
روشنی کی دو گھڑی رونق کے بعد

محبوب جلوے دکھا کر نظروں سے اوجھل ہو جائے تو بڑی بڑی ہستیاں براقوں کی تلاش کر لیتی ہیں۔ محبت سے بے گانہ مرجھایا ہوا دل وسیلہ کا مفہوم کیا جانے گا۔ یہاں تو آگ سے جلانے کے لیے چھڑیاں تلاش کرنے کو بھی لوگ بدعت سمجھ لیتے ہیں، وہ

سمجھتے نہیں کہیں نور کی بستی میں نعلین پہننا ضروری ہوتا ہے اور کہیں طور کی گزرگاہ میں نعلین اتارنا ضروری ہوتا ہے:

کیسے پڑتی ہے جگر میں ٹھنڈک ؟
کیسے بجھتی ہے اگن برہا کی ؟

محبت کی دنیا سمندر ہے یہاں ان موجوں سے ٹکرانے کے لیے وسیلہ چاہیے ہوتا ہے اور بے ہمتا محبوب تک رسائی آگ کا آسمان ہے کسی براق کا وسیلہ ضروری ہوتا ہے، موسیٰ تربیت پائیں تو شعیب درکار ہوتے ہیں اور حکمتوں کے جہاں مسخر کریں تو خضر چاہیے ہوتا ہے۔ یہ دنیا مولانا مولوی نہیں سمجھ سکتے شمس تبریزی کی خاکِ پا آنکھوں کا سرمہ بناؤ تو مولانا روم بنا جاسکتا ہے اور قالب قنبر میں آؤ تو وہ چہرہ پایا جاسکتا ہے جسے دیکھنا عبادت ہوتا ہے۔ علی علی جبرتوں کا داسی ہونا کوئی مسلم اول سے پوچھ لے، شبدوں کا پیاسا ہونا اور بات ہے اور عشق کے جلوے دیکھنے کے لیے سولی چڑھ جانا یہ مسلک منصور ہے:

''تیری جستجو مجھ کو صباو مسا ہے''

(5) یہ آیت ایک گہرا اور عمیق ترقی کا دستور ہے۔ یہ سبق دیتی ہے کہ اس کی راہ میں جہاد کرو۔ اس پیغام کو روح عصر کے حوالے سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جہاد ہو یا مجاہدہ ہو اصل میں لوگوں کے محسوسات اور تجربات میں ایک اُمنگ کا مقام پیدا کرنا ہے کہ وہ نکمّے نہ رہیں اور خودی کی پہچان پیدا کریں اور لوگوں کو حصارِ شام وسحر سے نکالنے کی سعی کریں۔ تزکیہ نفس، دوسروں کے غم ہلکے کرنا اور لوگوں کو خوشیاں دینا جہاد ہے لیکن اس مجاہدہ کا حسن بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ اگر باب مفاعلہ میں سمجھا جائے تو ایک دوسرے کی گرد جھاڑنا جہاد ہے۔ آہستہ آہستہ ہم لوگ علم دشمن، محنت دشمن اور فہم دشمن ہوتے جارہے ہیں۔ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہم مجاہدہ اور جہاد کی طرف آئیں کامیابی کا یہ منہاج ہے، ہاں اتنا ضرور ہے اگر کوئی عصبیت کے جال میں گرفتار ہو کر تمہیں کاٹنے، مارنے اور قتل کرنے کے درپے ہو جائے تو ایسے خون خوار شخص کو حلوہ تھوڑا ہی کھلایا جاسکتا ہے۔ یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی پڑے گا۔ دجالی تہذیب کی رسیاں کاٹنے کے لیے یہ محنت تو اٹھانی ہی پڑے گی اور اس کے لیے وسیلہ تلاش کرنا ہوگا اور وسائل وذرائع کا سراغ لگانا ہوگا۔ ابھی تک تو ہم قبروں کی چادروں کے نیلا پیلا ہونے پر بحث کر رہے ہیں جہاد تو اور چیز ہے۔ نئ

بصیرتوں، نئی بشارتوں اور نئے مکاشفوں کا جہاد کون کرے؟ نصیحت کی بات یہ ہے کہ کامیابی کے پورے امکانات باہر لانے کے لیے ہمیں جہاد کرنا ہے، قرآن کی نصیحت تو یہی ہے۔ واللہ اعلم

''سَبِیْلِہٖ'' کی تلاش

اللہ کے راستے کی تلاش مقصودِ زندگی ہے۔ آج ''سبیل المجرمین'' کی ہلاکت خیزیاں ''سبیل الحق'' کے نشانات مٹا رہی ہیں۔ قرآنی طالب علم اور تلمیذ کو ''اللہ کے راستے'' جلووں کی صورت میں لوگوں کے سامنے رکھنے ہوں گے۔ ''حرفِ ناگفتہ کی لذت کو کروں کیونکر بیان''۔ محبت اور جہاد کا راستہ بودی، بے وقار اور بے اعتبار شئی نہیں اس کے لیے قرآن کا درسِ اول رگ و پے میں اتارنا ہوگا، سینے میں راسخ کرنا ہوگا اور خون میں بھگو کر عزم و وفا سجانا ہوگا، جو کچھ ہو رہا ہے بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے:

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کا رگۂ شیشہ گری کا

کامیابیوں کی سوغات

انسان ربّ الافلاک کو مان لے تو لازمی امر یہ ہوتا ہے کہ وہ خود کو کفِ خاک سمجھنے لگ جاتا ہے۔ یہ آیت اصولوں کی عجب زرافشانی کرتی ہے۔ وسائل کی روحانی آماجگاہوں کی تلاش کرنا روحانیت کی بوترابی سیڑھی ہے لیکن بدقسمتی ہے کہ قافلۂ انسانیت کے لیے خزانے سارے تو قرآن میں ہیں لیکن محراب اور خانقاہ دونوں قرآن گریزی میں مشغول ہیں:

نمرّہ علم کیا میرے بھائی

وادیٔ محبت میں گامزن ہوں اور وسیلہ تلاش کرو کامیابی کی اس منزل کی طرف ''لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ''

تمنا تیری ہم نشینی کی ہے
بس ایک ساعت مختصر کے لیے

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَہٗ مَعَہٗ لِیَفْتَدُوْا بِہٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی اور اس کی مثل اتنا اور بھی اگر وہ قیامت کے عذاب کا بدلہ دینا چاہیں تو ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

آیت میں کافر لوگوں کی بے بسیاں بیان ہوئی ہیں۔ یہ بدبخت لوگ ہر روز اپنے لیے آگ کی بھٹیاں خود

اِنَّ: بے شک
الَّذِیْنَ: وہ جو
کَفَرُوْا: منکر ہوئے
لَوْ: کاش اگر
اَنَّ: تحقیق کہ
لَھُمْ: ان کے لیے
مَّا: جو
فِی: بیچ میں
الْاَرْضِ: زمین
جَمِیْعًا: سب کا سب
وَّمِثْلَہٗ: اور مثل اس کی
مَعَہٗ: ساتھ اس کے
لِیَفْتَدُوْا: تاکہ وہ فدیہ میں دے دیں
بِہٖ: ساتھ اس کے
مِنْ: سے
عَذَابِ: عذاب
یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ: قیامت کے دن
مَا تُقُبِّلَ: نہ قبول ہوگا
مِنْھُمْ: ان کی طرف سے
وَلَھُمْ: اور ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب، سزا
اَلِیْمٌ: دردناک

مفردات

سلگاتے ہیں۔ ہنگامۂ محشر جب بپا ہوگا یہ آوارہ خواہشوں کے حصار میں ہوں گے، چاہیں گے زمین کے سارے خزانے اوران کے ساتھ ان کی ایسی ہی مثل دولت فدیے میں دے دیں اور عذاب سے جان چھڑا لیں لیکن یہ ہرگز ایسا نہیں کرسکیں گے اور نہ ہی داورِ محشر کچھ قبول کرے گا۔ دردناک عذاب انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوگا۔ وسائل سے فائدہ اٹھانے کا جہاں تو یہ دنیا ہے جسے ربّ الافلاک نے دارالعمل بنادیا۔ یہاں تو غفلت اور عیاشی میں زندگی گزار دی۔ سرِ محشر کیا برکت پائیں گے؟ اصل میں تو آیت میں کفر کا وبال بتایا جارہا ہے۔

آیت میں قرآن مجید کے الفاظ فکر وشعور اور احساس وجذبہ میں حرکت پیدا کرنے کے لیے ہیں تاکہ منکرین اس ہدایت کی طرف آنے کے لیے توبہ کے دروازے پر دستک دینے کے لیے تیار ہو جائیں اور یوں خیر اور برکتیں اور ہدایت اور رحمتیں ان کا مقدر بن جائے لیکن بدبخت اور ڈھیٹ لوگ ہمیشہ خود کو اور اپنی روح کو مع الجسد خیر ورحمت سے دور رکھتے ہیں۔ آیت بیان ومعنیٰ کی چاشنی لے کر سبو در سبو فیض انڈیل رہی ہے لیکن مادیت کی بادِ صرصر نے پیمانے بھی اجاڑ دیے اور ساقیوں کو بھی بے معنیٰ مستیوں میں مبتلا کر رکھا ہے جو تباہیوں پر بھی رقصاں ہیں۔ احساس یہ ہے کہ قیامت کو فکر میں لاؤ اور غفلت کا خول توڑ کر باہر نکلو نجات اسی میں ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

''وہ دوزخ کی آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے جبکہ وہ اس سے نکل نہ سکیں گے اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہوگا''۔

قرآن مجید کی یہ آیت کافر جو حسرت نصیب مخلوق ہے ان کی حسرت نصیبی کی گہری تصویر قرآن پڑھنے والوں کے سامنے لاتی ہے کہ یہ بدبخت قوم اپنی حسرت نصیبیوں سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکے گی۔ قرآن مجید کا منظر نامہ مختلف قسم کی حرکتوں کو مقید کرکے بتاتا ہے۔ پورے جہان کی دولت گویا تیزی سے سمٹ کر منکروں کے ہاتھ لگتی ہے لیکن بروزِ محشر کچھ بھی ان کے کام نہیں آتا۔ دفعۃً انہیں اٹھا کر آگ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہاں سے بھی اپنی حیلہ گری سے باہر نکل آئیں لیکن وائے حسرت کچھ بھی انہیں کام نہیں آتا وہ ناکام، نامراد اور خاسر ہونے کی منزل پالیتے ہیں۔

امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں (109) کہ آیت میں ''عذاب مقیم'' سے مراد کافروں کا ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار رہنا ہے اسی معنیٰ کی طرف قرطبی نے بھی اشارہ کیا کہ دائمی عذاب صرف کافروں کے لیے ہوگا نہ کہ کسی اور کے لیے ہوگا (110)۔ اللہ تعالیٰ قافلۂ انسانیت کو ہدایت عطا فرمائے تاکہ وہ شرک اور کفر کے گند سے بچ جائیں۔

❁❁❁❁❁

يُرِيْدُوْنَ: چاہتے ہیں
اَنْ: یہ کہ
يَّخْرُجُوْا: نکل پڑیں
مِنَ: سے
النَّارِ: آگ بھری دوزخ
وَمَا هُمْ: اور نہیں ہیں وہ
بِخٰرِجِيْنَ: نکلنے والے
مِنْهَا: اس سے
وَلَهُمْ: اور ان کے لیے
عَذَابٌ: عذاب
مُّقِيْمٌ: ہمیشہ رہنے والا

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾
فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

(38) اور چور مرد اور چور عورت ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کی کمائی کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزائے عبرت اور اللہ غالب حکمت والا ہے

(39) پس جو اپنے ظلم کے بعد تائب ہو جائے اور سنور جائے تو اللہ اس پر رجوع رحمت فرمائے گا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(40) کیا تجھے معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کا ملک، عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور معاف فرماتا ہے جسے چاہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

''اور چور مرد اور چور عورت ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کی کمائی کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزائے عبرت اور اللہ غالب حکمت والا ہے، پس جو اپنے ظلم کے بعد تائب ہو جائے اور سنور جائے تو اللہ اس پر رجوع رحمت فرمائے گا، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

قرآن مجید ایک جامع، مکمل اور ادق نظام دیتا ہے۔ ایسا نظام جو انسان شناسی سے ابھرتا ہے اور خدا شناسی تک جا پہنچتا ہے۔ یہاں جان کے تحفظ کے لیے قصاص کا قانون موجود ہے یوں ہی اموال کا تحفظ بھی اس نظام کا حصہ ہے۔ مال مسلم کی حفاظت جان مسلم کی حفاظت کی طرح ایک تقدس مآب فریضہ ہے۔ اصل مقصود پُرامن معاشرہ کی بقا ہے ایسے ماحول کو قائم رکھنے کے لیے شرعی سزاؤں کا نفوذ ضروری سمجھا جاتا ہے۔

مقصود آیت ''نکال'' ہے

آیت بیان کرتی ہے کہ چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹے جائیں، اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ''نکال'' ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ''نکال'' کیا ہے؟ راغب اصفہانی لکھتے ہیں (111) ''مضبوط، بھاری اور سخت بیڑی ''نکال'' ہوتی ہے''۔ کسی شخص کو اس کی روش سے روک دینا جس پر وہ چل رہا ہے۔ روکنا اور روکنے والی شئ کو ''نکال'' کہہ دیتے ہیں۔ لغوی اور تفسیری انطباق یہ ہوگا ایسی تدبیر جس کے ذریعے مجرم اور مخطی اپنے جرم اور غلطی سے رک جائے۔ عبرتناک قرآنی سزائیں ہیں اور یوں ہی وہ بیڑیاں جو پاؤں میں اس لیے ڈالی جاتی ہیں کہ مجرم بھاگ نہ سکے ''انکال'' کہلاتی ہیں (112)۔

سرقہ کا معنیٰ اور شرائط

مفسرین نے لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر مالک کی اجازت کے چھپ کر لے لے تو یہ ''سرقہ'' ہوتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے چند باتوں کا خیال کرنا سزا کے نفوذ سے پہلے ضروری ہے (113):

- اول یہ کہ مسروقہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چور کی اس مال میں نہ ملکیت ہو

مفردات

وَ: اور
السَّارِقُ: چور مرد
وَالسَّارِقَةُ: اور چور عورت
فَاقْطَعُوْٓا: تو کاٹ دو
اَيْدِيَهُمَا: ان دونوں کے ہاتھ
جَزَآءً: بدلہ ہے
بِمَا: اس کا جو
كَسَبَا: کمایا دونوں نے
نَكَالًا: سزا ہے
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَزِيْزٌ: غالب ہے
حَكِيْمٌ: حکمت والا
فَمَنْ: پھر جو
تَابَ: توبہ کرنے والا ہوا
مِنْۢ بَعْدِ: بعد سے
ظُلْمِهٖ: اپنے ظلم سے
وَاَصْلَحَ: اور اصلاح کی
فَاِنَّ: تو بے شک
اللّٰهَ: اللہ
يَتُوْبُ: توجہ میں تکرار فرمائے گا
عَلَيْهِ: اس پر
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
غَفُوْرٌ: بخشنے والا
رَّحِيْمٌ: مہربان

اور نہ ہی ملکیت کا شبہ ہو اور نہ ایسی چیزیں ہوں جن میں عوام کے حقوق مساوی ہوں جیسے رفاہِ عامہ کے ادارے ہوتے ہیں۔

- دوسری شرط یہ ہے کہ محفوظ مال چرایا گیا ہو۔ جو مال کسی محفوظ جگہ نہ ہو اس کے چرانے پر حد جاری نہ ہوگی۔
- تیسری چیز یہ ہے کہ جو اموال اجازت لے کر اٹھائے گئے ہوں ان کے بالکل لے جانے پر سرقہ کی حد جاری نہ ہوگی۔
- چوتھی چیز یہ ہے کہ مال چھپا کر لیا گیا ہو مگر اعلانیہ مال چھینا گیا ہو تو اس پر ڈکیتی کی حد جاری ہوگی۔
- پانچویں یہ بات بھی فقہاء نے عمومی ضابطے کے تحت لکھی ہے کہ سارق بالغ ہو، عاقل ہو، دیوانہ نہ ہو۔

دوسری آیت کا شانِ نزول

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے (114):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نے چوری کی اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا

عورت نے بارگاہ قدس میں عرض کیا:

یارسول اللہ! کیا میری توبہ بھی ہوگئی ہے؟

آپ نے فرمایا:

''ہاں آج تُو ایسے ہوگئی ہے جیسی پیدا ہونے کے دن تھی''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں (115):

> ''اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ توبہ ٹھیک ٹھیک ہو، جس کے لیے ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ چوری کا مال مالک کو واپس کر دے اور اگر مال تلف ہو گیا ہے تو اس کی ضمان دے اور ضمان ممکن نہ تو معاف کرائے اور خود اپنی ذات میں چوری کے عمل پر نادم ہو اور آئندہ کے لیے اس سے مجتنب رہنے کا عزم کرے''۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ
وَيَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴۰﴾

''کیا تجھے معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کا مِلک، عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور معاف فرماتا ہے جسے چاہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

اس آیت میں چند حقائق اور معارف بیان کیے جار ہے ہیں:

(1) قاریٔ قرآن کو آیت حدود اور تعزیرات کے احکام سنانے اور سکھانے کے بعد بالغ نظر تصور کر لیتی ہے۔ آیت قرآن سننے پڑھنے والوں کی فقہی اور روحانی بصیرت کا ادراک اور اعتبار کر لیتی ہے اور ان کے سامنے تکوینی عدالت کا روڈ میپ رکھ دیتی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا مشاہدہ کرو اس میں ذرہ برابر تم رخنہ نہیں پاؤ گے، ہر چیز کا مالک اللہ ہی ہے وہ خود جہاں جو بہتر سمجھتا ہے تصویر فرماتا ہے اس لیے انسان سارے بھی اسی کی مخلوق ہیں ان میں بھی حکمتیں اور اسرار وہ خود ہی جانتا ہے اسی کے احکام قابل اطاعت ہیں۔

(2) آیت میں روئے سخن اگر پیغمبر اعظم و آخر کی طرف ہو تو معنیٰ یہ ہے کہ محبوب آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت کے بارے میں آپ کا علم اتم ہے، آپ خود گواہ ہیں کہ اللہ اپنی مخلوقات کے بارے میں کوئی فیصلہ خلاف حکمت نہیں فرماتا۔

(3) یہاں سزا کس کو ملنی چاہیے اور مغفرت کس کے لیے سوغات بنی چاہیے یہ سب فیصلے مالک ہی کا حق ہے کہ وہ کس کے لیے کیا حکم دیتا ہے۔

(4) چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ کمزور نہیں اس کی گرفت محکم ہے، اس کی سلطنت وسیع ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

❀❀❀❀❀

مفردات

اَلَمۡ: کیا نہیں
تَعۡلَمۡ: تم جانتے
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَهٗ: اسی کے لیے ہے
مُلۡكُ: ملک
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالۡاَرۡضِ: اور زمین کا
يُعَذِّبُ: وہ عذاب دیتا ہے
مَنۡ: جسے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَيَغۡفِرُ: اور بخشش کر دیتا ہے
لِمَنۡ: جس کے لیے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلٰى كُلِّ: ہر ایک پر
شَىۡءٍ: چیز
قَدِيۡرٌ: قدرت رکھنے والا

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۴۱

(41) اے رسول! آپ کو غمگین نہ کریں وہ جنہیں کفر میں جلدی پڑی ہوئی ہے محض اپنی زبانوں سے کہتے ہیں ''ہم ایمان لے آئے'' حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لا رہے ہوتے اور کچھ یہودی ہیں جھوٹ کان دھر کر سننے والے ہیں اور دوسرے لوگوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں آپ کے پاس جن لوگوں نے کبھی حاضری نہیں دی اللہ کی باتوں کو اپنے مراجع سے پھیر دیتے ہیں، کہتے ہیں اگر تمہیں یہ ملے تو لے لو اور اگر تم کو یہ نہ ملے تو بچو اور اللہ جسے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو آپ ہرگز اللہ سے اس کا کچھ کام نہیں بنا سکیں گے ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے ارادہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں کو طہارت بخشے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

''اے رسول! آپ کو غمگین نہ کریں وہ جنہیں کفر میں جلدی پڑی ہوئی ہے محض اپنی زبانوں سے کہتے ہیں ''ہم ایمان لے آئے'' حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لا رہے ہوتے اور کچھ یہودی ہیں جھوٹ کان دھر کر سننے والے ہیں اور دوسرے لوگوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں آپ کے پاس جن لوگوں نے کبھی حاضری نہیں دی اللہ کی باتوں کو اپنے مراجع سے پھیر دیتے ہیں، کہتے ہیں اگر تمہیں یہ ملے تو لے لو اور اگر تم کو یہ نہ ملے تو بچو اور اللہ جسے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو آپ ہرگز اللہ سے اس کا کچھ کام نہیں بنا سکیں گے ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے ارادہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں کو طہارت بخشے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے''۔

آیت کا مرکزی نکتہ

یہ آیت اپنے مضمون میں ماہ منور سے زیادہ روشنیاں تقسیم کرتی ہے۔ اس میں آشکار دلیل میسر آجاتی ہے کہ یہ آیت مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور غزوۂ احزاب اپنی ہدایات کے ساتھ جلوہ گر نہیں ہوا اور بنو قریظہ کی جلاوطنی بھی نہیں ہوئی تھی البتہ بنو نضیر اُحد کے بعد جلاوطن ہو چکے تھے اور بنو قینقاع تو اس سے بھی پہلے مدینہ چھوڑ چکے تھے، اس ماحول میں منافقین کے لیے سازشیں آسان بنی ہوئی تھیں۔ یہود اور منافقین کی گندی باتوں، سازشوں اور منصوبہ بندیوں سے رحمت عالم ﷺ کبیدہ خاطر ہوتے۔ اس آیت میں حضور ﷺ کا بار خاطر دور کیا گیا۔ آپ کی تسلی اور اطمینان کے لیے اللہ نے اپنے کلام بابرکت کی خوشبو عطا کی تا کہ آپ کا حزن و ملال دور ہو جائے۔

''اے رسول آپ غم نہ کھائیں''

الفاظ میں زخموں پر مرہم کا اہتمام ہے، مقام رسالت کی خوشبو ہے، تقدیس نبوت کی بلندی ہے،

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الرَّسُوْلُ: رسول معظم
لَا يَحْزُنْكَ: آپ کو غمگین نہ کرے
الَّذِيْنَ: وہ جو
يُسَارِعُوْنَ: تیزی دکھا رہے ہیں، جلدی کر رہے ہیں
فِي: میں
الْكُفْرِ: انکارِ حق
مِنَ: سے
الَّذِيْنَ: وہ جو
قَالُوْٓا: کہا انہوں نے
اٰمَنَّا: ہم ایمان لائے
بِاَفْوَاهِهِمْ: اپنی زبانوں سے
وَلَمْ: اور نہ
تُؤْمِنْ: مانتے ہیں
قُلُوْبُهُمْ: دل ان کے
وَمِنَ: اور سے
الَّذِيْنَ: وہ جو
هَادُوْا: یہودی ہوئے
سَمّٰعُوْنَ: جاسوسی کرنے والے، ٹوہ لگانے والے
لِلْكَذِبِ: جھوٹ کے لیے
سَمّٰعُوْنَ: سننے والے
لِقَوْمٍ: ایک قوم کے لیے
اٰخَرِيْنَ: دوسروں کی
لَمْ يَاْتُوْكَ: نہیں آئے آپ کے پاس
يُحَرِّفُوْنَ: تحریف کرتے ہیں
الْكَلِمَ: باتوں میں، کلمات میں، احکام میں یا کلام میں

عرفان اور قرب کی مٹھاس ہے۔ ایسے لگتا ہے تسکین اور سکینہ کا نزول ہو رہا ہے اور مدینہ شہر کی ہر چٹان درود پڑھنے لگ گئی ہے اور اُحد بھی لپک لپک کر اپنے فدائی ہونے کا یقین اور اعتماد پا رہا ہے، نخلستان مدینہ کی جنت میں بادِ محبت کو سونگھ سونگھ کر گیت گانے والے اشجار رسمِ وفا نبھا رہے ہیں، سبحان اللہ!

اے رسول اپنے آپ کو غم میں نہ ڈالیں
اے رسول معظم آپ غمگین نہ ہوں
اے عظیم تر نبی! کائنات بنانے والے نے
غم آپ کے لیے نہیں بنائے، آپ خوش رہیں!!
تسلی رکھیں!! مطمئن ہوں!!! خوش باش!!
شاد باش!!! مسرتیں اور رونقیں، خوشیاں اور
کامیابیاں آپ کے قدموں تلے!!! کافروں کی دوڑ دھوپ
کچھ معنیٰ نہیں رکھتی!!! پیارے!!! میں تیرا ہوں
اور تو میرا، پا با استقامت پرچم حق بلند رکھیے!!!

صحیح بات یہ ہے کہ ظلمتوں میں ٹڈیوں اور کیڑوں کی کڑ کڑ اور ٹر ٹر اور شٹر بٹر کوئی معنیٰ نہیں رکھتی، سورج کی پہلی کرن ہی ان کے خیمے اجاڑ کر رکھ دیتی ہے۔

یہود کا جرم کیا تھا؟

معالم التنزیل، رازی، ابن عاشور، قرطبی، ابوبکر الجزائری اور سید قطب تمام مفسرین نے لکھا ہے(116):

> ''یہود کے بعض لوگوں نے زنا کا ارتکاب کیا اور بعض روایات کے مطابق سرقہ کیا۔ توریت کے مطابق ان پر سنگ سار کرنے اور ہاتھ کاٹنے کی حد پڑتی تھی لیکن یہود اپنے اشراف اور مال دار لوگوں پر حدود جاری نہیں کیا کرتے تھے۔ پہلے اہل رسوخ سے سزا گریزی کرتے بعد ازاں عام لوگوں کو بھی چھوٹ مل جاتی جیسے عصر رواں میں مسلمان کر رہے ہیں۔ یہودی حدود گریزی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلے گئے اور مشورہ کیا کہ تھوڑی

مفردات

مِنْۢ بَعْدِ: بعد سے
مَوَاضِعِهٖ: مقامات سے، مختلف جگہوں سے
يَقُوْلُوْنَ: کہتے ہیں
اِنْ: اگر
اُوْتِيْتُمْ: تم دیے جاؤ
هٰذَا: یہ
فَخُذُوْهُ: تو لے لو اسے
وَاِنْ لَّمْ: اور اگر نہ
تُؤْتَوْهُ: تمہیں یہ نہ ملے
فَاحْذَرُوْا: تو رہنے دو، تو احتیاط کرو
وَ: اور
مَنْ يُّرِدِ: جس کے بارے ارادہ کرے
اللّٰهُ: اللہ
فِتْنَتَهٗ: اس کی آزمائش
فَلَنْ تَمْلِكَ: تو تم مالک نہیں ہو سکتے
لَهٗ: اس کے لیے
مِنَ اللّٰهِ: اللہ سے
شَيْـًٔا: ذرہ بھر
اُولٰٓئِكَ: یہی ہیں
الَّذِيْنَ: وہ جو
لَمْ يُرِدِ: نہیں ارادہ کیا
اللّٰهُ: اللہ
اَنْ: یہ کہ
يُّطَهِّرَ: صاف کرے وہ
قُلُوْبَهُمْ: ان کے دلوں کو
لَهُمْ: ان کے لیے
فِي الدُّنْيَا: دنیا میں
خِزْيٌ: رسوائی ہے

مفردات

وَّلَهُمْ: اوران کے لیے
فِي الْاٰخِرَةِ: آخرت میں
عَذَابٌ: عذاب
عَظِيْمٌ: بڑا

سزا ملی تو مان لیں گے اور اگر سنگ ساری کی سزا ہوئی تو
نہیں مانیں گے''۔

آیت کا یہ حصہ اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو مان لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچ بچا کر نکل جانا۔ آیت خوب واضح کرتی ہے کہ ایسی سوچ رکھنے والوں کے دل شعلۂ ایمان کی روشنی سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کی روحوں میں دین سے محبت کا شعلہ سرد پڑ جاتا ہے۔ یہ ضرورت سفلی کی وجہ سے فتوے تلاش کرتے ہیں۔ احقاق حق سے پا گریز ہوتے ہیں، ایسے لوگ آہستہ آہستہ دین سے نکل جاتے ہیں ایسے جیسے شام کو افق دھیرے دھیرے روشنی سے محروم ہو جاتا ہے (117)۔

جاسوسیوں کا خطرناک نظام

اس ابتر اور بدتر دور حیات میں بدطینت، بدفطرت اور بدخصلت اقوام نے اسلام دشمنی اور انسان دشمنی کے خطرناک منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر نسل سوز قسم کے جاسوسی نظام بنا رکھے ہیں۔ اس شیطانی کارخانے کے موجد یہودی ہیں۔ یہ سلطان حسیناں ﷺ کے دور مسعود میں بھی جھوٹ کے نیٹ ورک کو قوت دینے کے لیے جاسوسی کرتے تھے اور اب تو ان کا یہ سحر جدید موبائل، نیٹ، کمپیوٹر اور اس طرز کے آلات کی مدد سے مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کیے ہوئے ہے۔

قرآن مجید کی تنبیہات کتنی گہری ہیں اور مطالعہ کتنا عمیق ہے۔ الفاظ کا معنوی دروبست کتنا غور طلب ہے۔

''وہ لوگ جو کہتے ہیں ''ہم مسلمان ہیں'' یہ ان کی منہ کی
باتیں ہیں ایسے لوگوں کے دل مسلمان نہیں ہوتے، یہ اور
وہ لوگ جو یہودی ہیں وہ جاسوسی کا نظام قائم کیے ہوئے
ہیں تاکہ جھوٹ کو طاقت ملے، یہ فساد وہ دوسری قوموں
سے بھی مل کر کرتے ہیں''۔

آیت مخلص مسلمانوں کو سمجھاتی ہے کہ سادے بن کر زندگی کو خراب ہونے کا موقع نہ دو۔ دشمنوں کی چالیں سمجھو وہ کس کس طرح تمہیں برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ قرآن صرف حرفوں کی چوٹیوں پر ثواب کے چراغ نہیں جلاتا قرآن لوگوں کے دلوں میں اخلاص، فہم، بصیرت اور سچی عملیت اور قومی شعور کی روشنی بھی پیدا کرتا ہے۔ یہود ایک ایسی نسل ہے جیسے گندگی سے کیڑے پیدا ہوتے ہیں، یہ بھی گندگی پیدا کرنے کے لیے گندے انڈے دیتے رہتے ہیں جن انڈوں سے نکلنے والے بچے مسلمانوں کی نسل کشی ہر زمانے میں کرتے رہتے ہیں، خدا ان کی شر سے اہل زمین کو محفوظ رکھے۔

آیت کا اہم انکشاف

قرآن مجید کی یہ آیت ایک اہم حقیقت سے پردہ ہٹاتی ہے کہ آسمانی کلمات جتنے بھی ہیں ان میں سے ہر ایک کی اپنی مخصوص جگہ اور اہمیت ہے۔ ہم کو ہر کلمہ سے مستفید ہونے کے لیے اس کی اصل جگہ کی طرف مراجعت کرنی چاہیے۔ تحریف کا مطلب ہوتا ہے باتوں کو اصل مراکز سے ہٹا دینا، ان میں توڑ مروڑ کرنا، اللہ کی مرضی اور رسول معظم کی مرضی کی بجائے اپنی مرضیاں احکام میں ٹھونس دینا۔ آیت کے مرادف ذہنوں میں یہ حس تیز کرتے ہیں کہ مقام شناسی بصیرت کا اہم درجہ ہے اسے پانے کے لیے ''کلمات حقہ'' سے ارتباط نور کے اخذ وحصول میں مدد دے سکتا ہے۔

صلاحیت کب ختم ہوتی ہے

اللہ جس وقت ارادہ کر لیتا ہے کہ کسی شخص کو فتنہ میں مبتلا کر دے پھر وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہو جاتا ہے۔ گناہ اس کے اندر ہر صلاحیت کے سوتوں کو خشک کر دیتے ہیں۔ ضدی، متعصب اور ہوس پرست لوگوں کے لیے آب طہور بھی کڑوا کر دیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو مراجع تقلید بنے ہوئے ہیں وہ لوگوں کو تاویلات رکیکہ سے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ رسالت کی قریبی نسبتیں چھوڑ کر ریت کے صحرا سے سمندر سمجھ کر مچھلیاں پکڑتے رہتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے دل صاف نہیں ہوتے

وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچاتے ہیں، دوڑ دوڑ کر کفر سے وفاداریاں رچاتے ہیں، اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے سازشیں بُنتے ہیں، منافقت کی ظلمتوں میں شیطانوں سے مدد حاصل کرنے کے لیے تڑپتے رہتے ہیں۔

''یہودیت'' ان کی من محبتوں کی ''پری'' ہے جس کے وہ فریفتہ رہتے ہیں۔

دوسری قوموں سے مل کر اسلام کے خلاف فضائے دہر کو مسموم بناتے رہیں جیسے قادیانیوں کی ریشہ دوانیاں ہیں یہ یہودیوں ہی کا پرداختہ فرقہ ہے۔ تحریف فی الکتاب، تحریف فی النظام اور تحریف فی القانون کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

طبع زاد زہریلی باتوں کا جال ہے جس میں معصوم لوگوں کو گرفتار کرنے کے پروگرام وضع کرتے ہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ ایسے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کی طہارت ہرگز اور ہرگز نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں ایسے لوگوں کے لیے ذلت ہوتی ہے اور آخرت میں ایک بڑا عذاب ان کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ
اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ
حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾
وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع

(42) جھوٹ خوب سننے والے حد سے بڑھ کر حرام خور پس اگر وہ آپ کے حضور آئیں تو فیصلہ فرماؤ ان کے درمیان یا ان سے اعراض برت لیں اور اگر آپ نے ان سے اعراض فرمایا تو وہ ہرگز آپ کو کوئی ضرر نہ دے سکیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرمایا تو فیصلہ انصاف سے فرمایئے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے

(43) اور آپ سے کیسے فیصلے کرواتے حالانکہ ان کے پاس تورات تھی جس میں اللہ کا حکم موجود تھا پھر وہ مُنہ پھیرتے ہیں اس کے بعد بھی اور وہ مومن نہیں ہیں

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

''جھوٹ خوب سننے والے حد سے بڑھ کر حرام خور پس اگر وہ آپ کے حضور آئیں تو فیصلہ فرماؤ ان کے درمیان یا ان سے اعراض برت لیں اور اگر آپ نے ان سے اعراض فرمایا تو وہ ہرگز آپ کو کوئی ضرر نہ دے سکیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرمایا تو فیصلہ انصاف سے فرمایئے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے''۔

آیت میں ''سحت'' کا مفہوم

''سحت'' جفت کے وزن پر ہے۔ یہ لفظ درخت کے چھلکے اتارنے اور شدید بھوک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ائمہ لغت نے لکھا کہ کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ کر برباد کر دینا ''سحت'' ہے۔ محاورہ میں یہ لفظ رشوت دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایسا معاشرتی ناسور ہے جو پوری قوم کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے (118)۔

درخت کا جیسے چھلکا اتر جائے تو وہ بے رونق اور پژمردہ نظر آتا ہے ایسے ہی جس معاشرہ میں رشوت آجائے اس سے تازگی، برکت اور طہارت سب کچھ چھن جاتا ہے۔

معاشرہ میں قانون ماں کی طرح ہوتا ہے اور جہاں رشوت آجائے یہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے کوئی ماں کو ضربیں لگا لگا کر زخمی کر دے۔ وہ قومیں جو قانون کی قدر نہیں کرتیں تقدیر کا قاضی ان کے لیے موت کا پروانہ صادر کر دیتا ہے۔

حدیث شریف کا مفہوم کس قدر بصیرت افروز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (119):

''اللہ رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت کرتا ہے اور اس شخص پر بھی جو ان کے درمیان دلال اور واسطہ بنے''۔

آیت میں یہودیوں کی صفت کے طور پر یہ چیز لائی گئی کہ وہ حرام کھانے والے ہوتے ہیں۔

آیت نے اسلامی مزاج بھی ابھارا اور وہ عدل و انصاف کا قائم کرنا ہے۔

مفردات

سَمّٰعُوْنَ: جاسوسی کرنے والے
لِلْكَذِبِ: جھوٹ کے لیے
اَكّٰلُوْنَ: بہت زیادہ کھانے والے
لِلسُّحْتِ: حرام مال، رشوت، بدکاری سے حاصل شدہ رقم
فَاِنْ: تو اگر
جَآءُوْكَ: آئیں آپ کے پاس
فَاحْكُمْ: تو فیصلہ سنا دیں
بَيْنَهُمْ: ان کے درمیان
اَوْ: یا
اَعْرِضْ: اعراض برتیں، رخ پھیر لیں
عَنْهُمْ: ان سے
وَاِنْ: اور اگر
تُعْرِضْ عَنْهُمْ: رخ پھیر دیں اُن سے
فَلَنْ: تو ہرگز نہیں
يَّضُرُّوْكَ: ضرر پہنچا سکتے آپ کو
شَيْـًٔا: ذرہ بھر
وَاِنْ حَكَمْتَ: اور اگر فیصلہ فرمائیں
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ: تو فیصلہ فرمائیں ان کے درمیان
بِالْقِسْطِ: انصاف کے ساتھ
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
يُحِبُّ: محبت رکھتا ہے
الْمُقْسِطِيْنَ: انصاف کرنے والوں سے

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

''اور آپ سے کیسے فیصلے کرواتے حالانکہ ان کے پاس تورات تھی جس میں اللہ کا حکم موجود تھا پھر وہ مُنہ پھیرتے ہیں اس کے بعد بھی اور وہ مومن نہیں ہیں''۔

قرآن مجید کی یہ آیت قاری قرآن کو ایک ایسے ماحول سے روشناس کرتی ہے جس میں مختلف افکار اور مذاہب کے لوگ مختلف طریقوں سے جی رہے ہوں۔ ایسے ماحول میں سچ اور صدق تو کسی ایک ہی سورج کی روشنی ہوسکتی ہے لیکن وہ لوگ جنہوں نے برستی دھوپ میں بھی اپنے دیے کو روشن کہنے کی ضد نہ چھوڑنی ہو وہ ڈھٹائی کی رسیوں میں جکڑے ہوئے لوگ ہوتے ہیں، ان سے آسانی کے ساتھ صدق منوالینا قدرے مشکل ہوتا ہے۔

یہود اسی قسم کی ایک کالی مخلوق ہے۔ بلاشبہ ایک زمانے میں انہوں نے چشمۂ حق سے فیض یاب ہونے کی عزت پائی لیکن بعدازاں ہر دور میں ظلمت آرائی ہی ان کا مسلک بنا رہا ہے۔ ان کی عجیب قسم کی فطری تاریخ سے قرآن حکیم کی اس آیت نے پردہ سرکایا ہے اور ان کی خوئے بد کا تعارف کروایا ہے کہ یہ لوگ تورات رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ سے فیصلے اس لیے چاہتے ہیں کہ آپ شریعت اور خدا کے قانون کے خلاف ان کو خوش کرنے کے لیے فیصلہ کردیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سورج روشنی نہ دے، چاند چاندنی کے مدھر گیت نہ گنگنائے، کوئل کوک چھوڑ دے اور بلبل ترنم نہ بکھیرے، جیسے فطرت کے چشمے اپنا کام نہیں چھوڑتے انبیاء کرام بھی اپنا فریضہ ترک نہیں کرتے۔ حضرت محمد ﷺ تو ممکن ہی نہیں کہ قرب حق کی نور نوازی نہ فرمائیں۔ اصل ڈھیٹ یہودی ہیں جو تورات کے قوانین سے بھی پہلوتہی کرتے ہیں اور پیغمبرِ اسلام سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی یہ آیت برملا اعلان کرتی ہے کہ یہ لوگ مومن ہی نہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی اللہ کے قانون کو بھی نہ مانے اور پیغمبر ﷺ کو بھی چھوڑ دے اور مومن بھی رہے۔ آیت کی تبلیغ کھلی ہے، جو اللہ کی شریعت پر راضی نہیں اللہ کسی بھی صورت میں اس پر راضی نہیں۔

❁❁❁❁❁

مفردات

وَكَيْفَ: اور کیسے
يُحَكِّمُوْنَكَ: فیصلہ آپ سے کروانا چاہتے ہیں
وَعِنْدَهُمُ: اور ان کے پاس
التَّوْرٰىةُ: تورات
فِيْهَا: اس میں
حُكْمُ اللّٰهِ: اللہ کا حکم
ثُمَّ: پھر
يَتَوَلَّوْنَ: وہ پھر جاتے ہیں
مِنْۢ: سے
بَعْدِ: بعد
ذٰلِكَ: اس کے
وَمَآ: اور نہیں
اُولٰٓئِكَ: یہ لوگ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ: ایمان واعتمان رکھنے والے

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

(44) بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت اور روشنی ہے، فیصلے کرتے رہے اس کے مطابق سر تسلیم خم رکھنے والے انبیاء یہودیوں میں اور مربّیان خدا پرست اور علماء اس واسطے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اسی پر گواہیاں قائم کرنے والے تھے پس لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور نہ خرید و فروخت کرو میری آیتوں کی حقیر سی قیمتوں کے عوض اور جو فیصلہ نہ کرے اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق تو وہی لوگ کافر ہیں

مفردات

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّ نُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

’’بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت اور روشنی ہے، فیصلے کرتے رہے اس کے مطابق سرِ تسلیم خم رکھنے والے انبیاء یہودیوں میں اور مربّیان خدا پرست اور علماء اس واسطے کہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اسی پر گواہیاں قائم کرنے والے تھے پس لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور نہ خرید و فروخت کرو میری آیتوں کی حقیر سی قیمتوں کے عوض اور جو فیصلہ نہ کرے اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق تو وہی لوگ کافر ہیں‘‘۔

آیت میں تورات کے چھ اوصاف بیان ہوئے:

(1) تورات کو ہم نے اتارا

(2) اس میں ہدایت ہے

(3) اس میں نور ہے

(4) اس پر انبیاء، روحانی علماء اور تحقیقی علم رکھنے والے فیصلے کرتے رہے

(5) مقدس ترین ہستیاں اس کی حفاظت پر مامور رہیں

(6) یہ عظیم لوگ اس کی سچائی کے گواہ رہے

ربّانی کون ہوتا ہے

ربّانی اس بندۂ خدا کو کہتے ہیں جس کا ربط اللہ کریم سے مضبوط اور محکم ہو۔ ’’ربوبیت‘‘ جس طرز میں تربیت کرتی ہے ربّانی شخص میں اس کی خوشبو موجود ہوتی ہے۔ ائمہ لغت نے لکھا کہ ایسا شخص جو دوسروں کی تدبیرِ اصلاح کرے ربّانی کہلاتا ہے (120)۔ قواعد کی رو سے ربّانی کے آخر میں ’’یا، یائے نسبت‘‘ ہوتی ہے، تسہیل اور اضافہ تاثیر کے لیے بیچ میں ’’الف‘‘ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ربّانی لوگ اللہ کی محبت سے سرشار ہوتے ہیں۔ ان میں عملی زندگی کی خوشبو ہوتی ہے۔ یہ اصلاح کے محرک بنے ہوتے ہیں۔ آسمانی کتاب سے یہ محکم تعلق رکھتے ہیں۔ حفاظت کتاب کی یہ ذمہ داری نبھاتے رہتے ہیں۔ یہ بڑے امور کے ساتھ چھوٹے امور بھی سکھانے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ تدریجاً

اِنَّآ: بے شک ہم نے
اَنۡزَلۡنَا: اتارا
التَّوۡرٰىةَ: تورات کو
فِيۡهَا: اس میں
هُدًى: ہدایت
وَّ نُوۡرٌ: اور نور ہے
يَحۡكُمُ: فیصلہ کرتے ہیں
بِهَا: اس کے ساتھ
النَّبِيُّوۡنَ: انبیاء
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اَسۡلَمُوۡا: اطاعت گزار رہے
لِلَّذِيۡنَ: ان کے لیے جو
هَادُوۡا: یہودی ہوئے
وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ: ربّ والے
وَالۡاَحۡبَارُ: بڑے علماء جن کی علمی تحقیقات ثابت ہوں
بِمَا: اس سے جو
اسۡتُحۡفِظُوۡا: حفاظت کا ذمہ پورا کرنے
مِنۡ: سے
كِتٰبِ اللّٰهِ: اللہ کی کتاب
وَكَانُوۡا: اور تھے
عَلَيۡهِ: اس پر
شُهَدَآءَ: گواہ
فَلَا: تو نہ
تَخۡشَوُا: ڈرو
النَّاسَ: لوگوں سے
وَاخۡشَوۡنِ: اور ڈرو مجھ سے
وَلَا: اور نہ

منصوبہ بندی کے قائل ہوتے ہیں۔ان کی نظر نتائج اعمال پر زیادہ رہتی ہے۔یہ حکمتوں کا خزانہ حاصل کرنے کے لیے ہر پہاڑ کھود لیتے ہیں لیکن ان کا اپنا ڈیرہ اور جھونپڑی اپنے سائیں ہی کی دہلیز پر رہتی ہے۔

تفسیر مراغی نے لکھا(121) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ''اس اُمت کا ربّانی میں ہوں''۔

تورات کا معنیٰ ومفہوم

''تورات''اگر عربی لفظ ہے تو اس کا مفہوم ''توریہ'' سے ماخوذ ہوگا۔اشاروں، کنایوں اور رموز کی زبان میں اظہارات کا ارادہ کرنا، بات بات میں رمز اور اشارہ لانا۔رموزات کا ادبی صحیفہ ''تورات'' کہلاتا ہے(122)۔

سورۃ العادیات میں ''فَالْمُوْرِيٰتِ'' ان گھوڑوں کے لیے لایا گیا جو ٹاپ مار کر آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں۔سورۂ واقعہ میں ''تُوْرُوْنَ'' کا لفظ آگ روشن کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ''تورات'' موسیٰ علیہ السلام کے دل پر نازل ہوئی، چونکہ موسیٰ آگ لینے کے لیے درخت سے قریب ہوئے تھے تو آواز آئی تھی ''بے شک میں اللہ ہوں''۔''تورات'' ایسی کتاب ہوگی جس میں اُس نبی کا ذکر ہے جس نے آگ کی صورت میں نور دیکھا تھا(123)۔

''یواری''لفظ ڈھانپنے اور ڈھانکنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔راز اور سرّ توریہ ہوگا۔موسیٰ علیہ السلام بچپن میں صندوق میں ڈال کر دریا برد کر دیے گئے تھے پھر فرعون کے گھر والوں نے انہیں دریا سے نکال کر پالا، یہ سب کچھ صیغۂ راز میں ہوا، اس لیے تورات ایسی کتاب کو کہا جائے گا جس میں صاحب راز نبی کی سیرت بیان کی گئی ہوں(124)۔

''وراء''پوتے کو بھی کہہ دیتے ہیں جیسے بیٹے میں نسب پوشیدہ ہوتی ہے ایسے ہر پوتے میں دادا بھی گویا پوشیدہ ہوتا ہے۔تورات اگر عبرانی یا سریانی لفظ ہو تو علماء نے لکھا(125) اس کا معنیٰ سیراب کرنا اور دستور ہوتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں پانی کا دولخت ہو جانا مشہور ہے اس لیے ان کی کتاب کو تورات کہہ دیا جاتا ہے۔

''احبار'' سے مراد کون سے علماء ہیں؟

''احبار''، جمع ''حبر'' کی ہے اس کا معنیٰ اچھی اور خوبصورت چیز ہوتی ہے۔وہ خوشی جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہو جائے وہ ''حبر'' کہلاتی ہے(125)۔

سورۂ روم میں ارشاد باری ہے:

فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ

مفردات

تَشْتَرُوْا: خریدو
بِاٰيٰتِيْ: میری آیتوں کے بدلے
ثَمَنًا: پونجی
قَلِيْلًا: تھوڑی
وَمَنْ: اور جو
لَّمْ: نہ
يَحْكُمْ: فیصلہ کرے
بِمَآ: ساتھ اس کے
اَنْزَلَ: جو اتارا
اللّٰهُ: اللہ
فَاُولٰٓئِكَ: تو وہی ہے
هُمُ: وہ
الْكٰفِرُوْنَ: کفر کرنے والے

''الحبر'' روشنائی کو بھی کہتے ہیں۔''المِحبرہ'' دوات ہوتی ہے اور''الحبری'' روشنائی فروش ہوتا ہے(126)۔

زبیدی حنفی نے''الحبرہ'' عمدہ گانے کا معنیٰ بھی لکھا ہے(127)۔وہ علماء جو اپنے افکار کو قلم کی زبان میں ڈھال سکتے ہوں وہ''حبر النحریر'' کہلاتے ہیں۔''ثوب جبیر'' عمدہ اور دلکش کپڑا ہوتا ہے۔بہرحال یہ مسلم علماء کے لیے استعمال نہ ہونے والا لفظ ہے، کتابی علماء ہی''احبار'' کہلاتے ہیں(128)۔

واللہ اعلم

''الحبور'' نرم ونازک بدن والا آدمی ہوتا ہے(129)۔

نہایت عمدہ اور حسین انسان''الحبر'' ہوتا ہے(130)۔

آیت میں دو اہم باتیں

- اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے خوف اور ڈر سے احکام، تاریخ اور تربیتی امور میں انحراف نہ لائیں اور نہ تحریف ہونے دیں۔
- دوسری چیز طمع اور لالچ سے اندفاع ہے۔دنیا کے مال کی لالچ میں حق کو نہ چھپانے اور برائیوں کا شکار نہ ہونے کا منشور دیا گیا ہے۔

فیصلے کرنے کے لیے شفافیت، جرأت اور قاطعیت ضروری ہوتی ہے۔محکم اور مضبوط شخص وہی ہوتا ہے جو فضا سازی کے جھوٹے حربوں سے خوف نہ کھائے اور دھمکیوں کی پروانہ کرے اور کرگزرے جس کا تقاضا''حق'' کرتا ہو، حسینی کردار یہی ہے۔قرآن مجید کی یہ آیت صاف اعلان کرتی ہے کہ خوف اور لالچ ہی''دو بلیک ہول'' ہیں جن میں شخصیات گر کر تباہ ہو جاتی ہیں۔

❁❁❁❁❁

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ
الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ
قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾
وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ ؕ

(45) اور ہم نے اس کتاب کے اندر ان پر فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا قصاص بھی ہوگا تو جو شخص معاف کر دے اس کو تو یہی اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گا اور جو فیصلہ نہ کرے اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں

(46) اور ہم نے بعد ازاں ان کے نقوش پر عیسیٰ بن مریم کو بھیجا تورات جو ان سے پہلے تھی اس کا مصدّق بنا کر اور ہم نے اُسے انجیل دی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ بھی تصدیق کرنے والی تھی تورات کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھی اور تقویٰ داروں کے لیے اس میں بھی ہدایت اور نصیحت تھی

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

''اور ہم نے اس کتاب کے اندر ان پر فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا قصاص بھی ہوگا تو جو شخص معاف کر دے اس کو تو یہی اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گا اور جو فیصلہ نہ کرے اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں''۔

قانون شریعت کی مزید تشریح اس آیت میں کی گئی اور ''قصاص'' کی مختلف صورتیں سامنے آ گئیں۔

اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو قتل کر دے تو مقتول کے اولیاء بدلہ کے قانون سے مدد حاصل کرتے ہوئے قاتل کو حد قصاص میں قتل کر سکتے ہیں لیکن نفوذ سزا حکومت کے ذریعے ہوگی، اسی طرح

آنکھ کے بدلے آنکھ ہوگی

ناک کے بدلے ناک ہوگی

کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت ہوگا

زخموں میں بھی قصاص ہے

یہ ملحوظ خاطر و عمل رہے کہ قصاص میں افراط تفریط نہیں ہوگی، یہ بغیر کسی نسلی، طبقاتی، اجتماعی، قبائلی اور شخصی امتیاز کے جاری ہوگا۔

عصر اول میں جو ناروا، غیر مناسب اور غیر موزوں تفریقات معاشرہ کو چاٹ رہی تھیں ان سب کا خاتمہ اس آیت نے کر دیا۔ اس زمانہ میں یہودیوں کے قبائل بنونضیر اور قریظہ افراط اور تفریط کا شکار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خون کسی کا بھی ہو کوئی فرق نہیں''(131)۔

آیت کے آخری حصہ میں عفو و درگزر کا مقام بتایا گیا ہے اور اسے صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ عفو و درگزر کا شوق پیدا کرنے کے لیے ہے۔ آیت چھوٹے احساسات اور جذبات کو ختم کر کے اخلاقی عظمتوں کے احیا کی فضا پیدا کرتی ہے(132)۔

مفردات

وَكَتَبْنَا: اور لکھ دیا ہم نے
عَلَيْهِمْ: ان پر
فِيْهَآ: اس میں
اَنَّ: بے شک
النَّفْسَ: جان ہے
بِالنَّفْسِ: جان کے بدلے
وَالْعَيْنَ: اور آنکھ
بِالْعَيْنِ: بدلے آنکھ کے
وَالْاَنْفَ: اور ناک
بِالْاَنْفِ: ناک کے بدلے
وَالْاُذُنَ: اور کان
بِالْاُذُنِ: بدلے کان کے
وَالسِّنَّ: اور دانت
بِالسِّنِّ: بدلے دانت کے
وَالْجُرُوْحَ: اور زخموں میں
قِصَاصٌ: قصاص ہے، بدلہ ہے
فَمَنْ: پس جس نے
تَصَدَّقَ: صدقہ کر دیا یعنی معاف کر دیا
بِهٖ: ساتھ اس کے
فَهُوَ: تو وہ
كَفَّارَةٌ لَّهٗ: اس کا کفارہ بن جائے گا
وَمَنْ: اور جس نے
لَّمْ: نہ
يَحْكُمْ: فیصلہ مانا
بِمَآ: ساتھ اس کے جو
اَنْزَلَ اللّٰهُ: نازل کیا اللہ نے
فَاُولٰٓئِكَ: تو یہی لوگ ہیں
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ: وہی ظلم کرنے والے ہے

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾

''اور ہم نے بعد ازاں ان کے نقوش پر عیسیٰ بن مریم کو بھیجا تورات جو ان سے پہلے تھی اس کا مصدّق بنا کر اور ہم نے اُسے انجیل دی جس میں ہدایت اور نور تھا اور وہ بھی تصدیق کرنے والی تھی تورات کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھی اور تقویٰ داروں کے لیے اس میں بھی ہدایت اور نصیحت تھی''۔

انجیل کی تعریف

یہ آسمانی کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبارک دل پر نازل ہوئی۔ یہ احکام تورات ہی کے اوامر کا تتمّہ تھا۔ اس آیت نے مزید وضاحت کی کہ اس میں نور تھا، ہدایت کی روشنی تھی اور بلیغ اور مؤثر وعظ اور نصیحت کا رسالہ مشمولہ تھا۔ اس میں پہلی کتابوں کی تصدیق تھی اور آنے والے خاتم النبیّین ﷺ کی جلوہ گری کی نوید تھی۔ انجیل لفظ پر لغوی تحقیق سورۂ آل عمران کی تفسیر ''تبصرہ'' میں ملاحظہ ہو (133)۔

ایک جملہ اپنے حسن کے ساتھ

آیت وضاحت کرتی ہے کہ انبیاء اور مرسلین جتنے بھی مبعوث ہوئے ان کی دعوات باہم مربوط ہوتی ہیں۔ ہر آنے ولا پہلوں کی تصدیق کرتا ہے اور ہر جانے والا آنے والوں کی شناخت کرواتا ہے۔ ہاں صرف ہمارے آقا ﷺ ایسے رہبر تھے کہ تمام پہلوں نے ان کی ولادت اور بعثت کی خوشخبری سنائی اور ہمارے آقا ﷺ نے بھی کرم کا فیض بانٹا اور ہر گزر جانے والے رسول کی تصدیق کی، ان کی سچائیوں کی خوشبو کی تعریف فرمائی۔

ہاں البتہ!!! ہر ایک نے اعتراف کیا کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیّین ہیں۔

ایک حقیقت جو روح میں اترے

آیت پڑھ کر انسانی وجدان قرآنی لفظوں کو چومنے لگ جاتا ہے۔ ایمان کا اُجالا ذہنوں اور روحوں میں جھومنے کے مزے لینے شروع کر دیتا ہے۔ آیت اعلان کرتی ہے کہ جیسے تمام موجودات اپنی زندگی کے تسلسل کے لیے نور کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح تکاملِ روحانی کے لیے بھی روشنی، ضیا اور نور ضروری ہوتا ہے، خیال ہے آسمانی جتنے صحیفے ہوتے ہیں اور آسمانی جتنی قیادتیں ہوتی ہیں وہ

مفردات

وَقَفَّيْنَا: اور پیچھے بھیجا ہم نے
عَلٰٓى: پر
اٰثَارِهِمْ: ان کے نقوش قدم
بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ: عیسیٰ بیٹے مریم کے
مُصَدِّقًا: تصدیق کنندہ
لِّمَا: ان کے لیے
بَيْنَ يَدَيْهِ: جو اس کے سامنے ہے
مِنَ: سے
التَّوْرٰىةِ: تورات
وَاٰتَيْنٰهُ: اور دی ہم نے ان کو
الْاِنْجِيْلَ: انجیل
فِيْهِ: اس میں
هُدًى: ہدایت
وَّنُوْرٌ: اور نور ہے
وَّمُصَدِّقًا: اور تصدیق کرنے والا
لِّمَا: اس کو جو
بَيْنَ يَدَيْهِ: اس کے سامنے ہے
مِنَ التَّوْرٰىةِ: تورات سے
وَهُدًى: اور ہدایت
وَّ: اور
مَوْعِظَةً: نصیحت
لِّلْمُتَّقِيْنَ: تقویٰ والوں کے لیے

سب ''نور'' کا جلوہ رکھتی ہیں۔حرنوں کے دائروں،شوشوں،زبروں اور زیروں میں نکہتِ گُل کی کشش تو ہوتی ہی ہے۔آیت بتاتی ہے کلماتِ وحی جو کردار پیدا کرتے ہیں صبا کی شہزادیاں بھی ان سے محوِ تکلم ہونا چاہتی ہیں۔قرآن مجید کا اعجاز سمجھانے کی خاطر اس آیت نے ماضی کے تمام دلنشیں روحانی نغمے اور گیت تازہ کیے۔اصل مقصود آیت تو اس احساس کا احیا ہے کہ تہذیب زندگی ممکن بنائی جائے یہی وہ روحانی اور قرآنی نیرنگیاں ہیں جہاں امامانِ دانش دم بخود ہو جاتے ہیں اور عقل و عشق کے خضر عظمت قرآن تسلیم کر لیتے ہیں۔قرآن مجید کی یہ آیت آخر میں متقی لوگوں کی بات کرتی ہے۔یہ وہ با فضیلت، باکمال، بارحمت اور بابرکت لوگ ہیں جن کے خوبصورت قرآنی اخلاق کی شمعوں کو کوئی بادِ شمال مٹا نہیں سکتی۔یہ سرمدی رنگ و بو کے مسرور گلستان ہیں اصل میں ان کی تلاش اور ان کا فہم مقصود و مطلوب ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ﴿۴۸﴾

(47) اور انجیل والوں کو فیصلہ اس کے مطابق کرنا ضروری تھا جو اللہ نے اس میں نازل کیا تھا تو وہ جو اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ نافرمان ہیں

(48) اور ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کی تعلیمات کی محافظ تو ان کے درمیان فیصلہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فرمایئے اور اے سامع قرآن! ان کی خواہشات کا تابع نہ ہو اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت مقرر کی اور واضح راستہ اور اللہ اگر چاہتا تو تم سب کو اُمتِ واحدہ بنا دیتا لیکن اس نے تمہیں جو دیا اس میں تمہارا امتحان لے گا تو نیکیاں حاصل کرنے کے لیے آگے آگے ہی رہو تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے تو وہ تمہیں حقیقت الامر بتا دے گا جن باتوں میں تمہارا اختلاف ہے

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷

''اور انجیل والوں کو فیصلہ اس کے مطابق کرنا ضروری تھا جو اللہ نے اس میں نازل کیا تھا تو وہ جو اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ نافرمان ہیں''۔

سمجھو جو اللہ نے اتارا

آیت کا عمود اللہ کے نازل کردہ احکام پر یقین، ایمان اور اعتماد ہے۔ حکم کے مطابق ماننا یہ بھی یقین ہے اور حکم کے مطابق چھوڑنا یہ بھی ایمان ہی کی ایک صورت ہے۔ اوامر اور تصدیقات کی روح اللہ کی بات ماننا ہے۔ ایک تنکا برابر حکم عدولی آسمان کو گرا سکتی ہے اور زمین کا محور ہلا سکتی ہے اور ایک شمہ برابر خلوص عرشِ رحمت تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

سورۃ المائدہ کا یہ آیات صدر اور قلب ہیں۔ ان میں حتمی فیصلہ سنا دیا گیا کہ خدائی حکم کے مطابق فیصلے نہ کرنا تین ظلمتوں تک جا پہنچاتا ہے: ''کفر تک، فسق تک اور ظلم تک''۔ یہ حقیقت روح میں اتاری جا رہی ہے کہ خلاف تنزیل فیصلہ اگر انکار کی ضد رکھتا ہو تو یہ کفر ہوتا ہے، اگر یہ فیصلہ عملی انحراف کی حیثیت میں ہو تو یہ فسق ہوتا ہے اور اگر اس انحراف اور فسق سے اہل حق کا حق زائل ہوتا ہو تو پھر یہ ظلم ہوتا ہے۔

آیت کھل کر حق اور باطل ہونے کا معیار دیتی ہے اور یہ میزان اور معیار اللہ کی طرف سے نزول احکام کا تسلیم کرنا ہے اور انحراف اور ظلم سے خود کو بچانا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸ۙ

''اور ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کی تعلیمات کی محافظ تو ان کے درمیان فیصلہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فرمائیے اور اے سامع قرآن! ان کی خواہشات کا تابع نہ ہو اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت مقرر کی اور واضح راستہ اور اللہ اگر چاہتا تو تم سب کو اُمتِ واحدہ

مفردات

وَلْيَحْكُمْ: اور فیصلہ کریں
اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ: انجیل والے
بِمَآ: اس سے جو
اَنْزَلَ: اتارا
اللّٰهُ: اللہ
فِيْهِ: اس میں
وَمَنْ: اور جو، اور جس
لَّمْ يَحْكُمْ: فیصلہ نہ کیا
بِمَآ: اس کے ساتھ جو
اَنْزَلَ: اتارا
اللّٰهُ: اللہ
فَاُولٰٓئِكَ: تو یہی لوگ ہیں
هُمُ: وہ
الْفٰسِقُوْنَ: فسق کا ارتکاب کرنے والے

وَاَنْزَلْنَآ: اور اتاری ہم نے
اِلَيْكَ: آپ کی طرف
الْكِتٰبَ: کتاب
بِالْحَقِّ: حق کے ساتھ
مُصَدِّقًا: سچا کرنے والی
لِّمَا: اس کے لیے جو
بَيْنَ يَدَيْهِ: اس کے پہلے ہیں
مِنَ: سے
الْكِتٰبِ: کتاب
وَمُهَيْمِنًا: اور حفاظت کرنے والی
عَلَيْهِ: اس پر
فَاحْكُمْ: سو فیصلہ فرمائیے
بَيْنَهُمْ: ان کے درمیان
بِمَآ: ساتھ اس کے
اَنْزَلَ: اتارا

بنا دیتا لیکن اس نے تمہیں جو دیا اس میں تمہارا امتحان لے گا تو نیکیاں حاصل کرنے کے لیے آگے آگے ہی رہو تم سب نے اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے تو وہ تمہیں حقیقت الامر بتا دے گا جن باتوں میں تمہارا اختلاف ہے''۔

❁ **شعاع اول**

یہود و نصاریٰ چونکہ حضور ﷺ کی نبوت اور قرآنی معجزات کے سخت منکر تھے اس لیے اسلوب کلام تحقیقی رکھا جس میں تاکیدات اور تعبیرات یقین ساز محسوس ہو رہی ہیں۔

❁ **شعاع ثانیہ**

''اِلَیْکَ'' کہہ کر نزول قرآن کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا اس لیے کہ نزول کی شان بلند اور مفخم محسوس ہو، اس میں حضور ﷺ کی شان اور فضیلت کی قاطع دلیل ہے۔

❁ **شعاع ثالثہ**

قرآن کی صفات لائی گئیں:

(1) قرآن منزّل من اللہ ہے

(2) قرآن حضرت محمد ﷺ کے قلب منیر پر نازل ہوا

(3) قرآن حق ہے

(4) قرآن سچ ہے اور سچا کرنے والا صحیفہ ہے

(5) قرآن تعلیمات حقہ کی حفاظت کرنے والا ہے

(6) قرآن سب کے لیے چلنے والی حکمت مآب راہ ہے۔

(7) قرآنی راستہ وسعت رکھتا ہے اس میں تنگی نہیں۔ قرآنی دعوت آزمائش اور ابتلا ہے سو نیکیوں میں سبقت لے جاؤ، اس پر عمل میں سستی نہ کرو۔

❁ **شعاع رابعہ**

قرآن مجید کی یہ آیت وضاحت کرتی ہے کہ انسان ارتقاء پذیر ہے اور ہر ارتقائی مرحلہ کے لیے ایک دستور حیات ضروری ہوتا ہے۔

❁ **شعاع خامسہ**

امور شریعت پر عمل پیرا ہونے میں سبقت لے جانا ہی مقصد زندگی ہے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

اللّٰهُ: اللہ نے
وَلَا تَتَّبِعْ: اور پیروی نہ کیجیے
اَهْوَآءَهُمْ: ان کی خواہشات کی
عَمَّا: اس سے جو
جَآءَكَ: آیا آپ کے پاس
مِنَ الْحَقِّ: حق سے
لِكُلٍّ: ہر ایک کے لیے
جَعَلْنَا: ہم نے بنایا
مِنْكُمْ: تم میں سے
شِرْعَةً: شرع کا راستہ
وَّمِنْهَاجًا: اور وسیع راستہ
وَلَوْ: اور اگر
شَآءَ: چاہتا
اللّٰهُ: اللہ
لَجَعَلَكُمْ: ضرور وہ بنا تا
اُمَّةً وَّاحِدَةً: ایک ہی امت
وَّلٰكِنْ: اور لیکن
لِّيَبْلُوَكُمْ: تا کہ آزمائے وہ تم کو
فِيْ مَآ: اس میں جو
اٰتٰىكُمْ: دیا تمہیں
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ: تو نیکیوں میں سبقت لے جاؤ
اِلَى اللّٰهِ: اللہ کی طرف
مَرْجِعُكُمْ: تم سب کے لوٹنے کی جگہ
جَمِيْعًا: سب کے سب
فَيُنَبِّئُكُمْ: سو وہ خبر دے گا تم کو
بِمَا كُنْتُمْ: اس میں کہ تم ہو
فِيْهِ: اس میں
تَخْتَلِفُوْنَ: تم اختلاف کرتے تھے

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

(49) اور ان کے درمیان فیصلہ اللہ کی نازل شدہ کتاب کے مطابق کر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر اور ان سے محتاط رہ کہ تمہیں آزمائش میں نہ ڈال دیں بعض احکام میں جو آپ کی طرف اللہ نے اتارے پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا پہنچائے اور بے شک لوگوں کی بعض اکثریت نافرمانوں کی ہے

(50) کیا وہ جاہلیت کا حکم تلاش کر رہے ہیں یقین والی قوم کے لیے اللہ کے حکم سے اچھا کس کا حکم ہوگا

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

''اور ان کے درمیان فیصلہ اللہ کی نازل شدہ کتاب کے مطابق کر اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر اور ان سے محتاط رہ کہ تمہیں آزمائش میں نہ ڈال دیں بعض احکام میں جو آپ کی طرف اللہ نے اتارے پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا پہنچائے اور بے شک لوگوں کی بعض اکثریت نافرمانوں کی ہے''۔

علامہ فخر الدین رازی کا عندیہ

کعب بن امیہ، ابن صوریا اور شاس ابن قیس نے باہم مل کر فیصلہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلتے ہیں اور انہیں آئینے میں اتار کر اسلام کی مضبوطی سے انہیں پھسلاتے ہیں چنانچہ وہ دوں فطرت لوگ آئے اور یاوہ گوئی کی کہ ہم بڑے باوقار لوگ ہیں اگر آپ ہماری ایک بات مان لیں تو ہمارے مسلمان ہونے سے جزیرہ ایمان کی شعاعوں سے چمک اٹھے گا۔ ہمارا کام یہ ہے کہ فلاں قوم سے ہمارا جھگڑا ہے آپ اگر ہمارے ثالث بن کر فیصلہ ہمارے حق میں دے دیں تو وہ لوگ فیصلے پر راضی ہو جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرما دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (134)۔

تعبیر و تاویل

آیت میں خطابات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں مگر تربیت حکّام کی کی جا رہی ہے عدل اتنی پاکیزہ اور فضیلت مآب ذمہ داری ہے کہ اس میں حمایت کسی مذہب، عصبیت یا دولت کی نہیں کی جاتی ''حق'' کی کی جاتی ہے اور فیصلہ کی روح ''بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' سے جوڑی جاتی ہے۔

کسی کی خواہشات کو حاکم نہ بنائیں

زندگی ہلکا پھلکا ہو کر گزارنی چاہیے۔ دل پر کسی کی خواہشات کا آسیب مستولی نہ ہونا چاہیے۔ ''سچ بولو گرچہ ہو تمہارے ہی خلاف''، لبِ آبجو جو لالہ ہو وہ سرخروش ہوتا ہے۔ آیت میں یہ جرأت اور بہادری ملفوف ہے کہ کسی دھوکہ باز، مکار اور فسوں ساز کی خواہش پر عمل نہ ہونے پائے۔ سب سے حسین، سب سے خوبصورت اور سب سے روشن وہ ہی ستارہ ہوتا ہے جو بلندی پر چمکتا ہے اور اپنے عزائم اور فیصلوں کو میلی آنکھوں والوں کی اغراض کو چھونے سے منع رکھتا ہے۔

مفردات

وَ: اور
اَنِ: یہ کہ
احْكُمْ: حکم کرو
بَيْنَهُمْ: درمیان ان کے
بِمَآ: ساتھ اس کے جو
اَنْزَلَ: اتارا
اللّٰهُ: اللہ نے
وَلَا تَتَّبِعْ: اور پیروی نہ کرو
اَهْوَآءَهُمْ: ان کی خواہشات کی
وَاحْذَرْهُمْ: اور ان کے معاملہ میں محتاط رہو
اَنْ يَّفْتِنُوْكَ: کہ فتنہ میں ڈال دیں آپ کو
عَنْۢ بَعْضِ: بعض سے
مَآ: جو
اَنْزَلَ: اتارا
اللّٰهُ: اللہ
اِلَيْكَ: آپ کی طرف
فَاِنْ تَوَلَّوْا: پھر وہ رخ پھیریں
فَاعْلَمْ: تو جان لو
اَنَّمَا: نہیں سوا اس کے
يُرِيْدُ: ارادہ کرتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
اَنْ يُّصِيْبَهُمْ: کہ پہنچائے ان کو
بِبَعْضِ: بعض کی وجہ سے
ذُنُوْبِهِمْ: ان کے گناہوں
وَ اِنَّ: اور بے شک
كَثِيْرًا: بہت سے
مِّنَ النَّاسِ: لوگوں میں سے
لَفٰسِقُوْنَ: بدکار ہیں

مفردات

ایک اہم قابل غور بات

قرآن مجید کی یہ آیت تربیت کا کتنا خوبصورت ماحول دیتی ہے کہ قرآنی راہوں پر چلنے والوں کو احتیاط کرنی چاہیے کہ کہیں کوئی فسوں ساز امتحان میں نہ ڈال دے۔ یہ چکنی مٹی مسلمانوں کو اس فریب میں مبتلا کرسکتی ہے کہ یہ چھوٹا سا ہی تو اعتراف ہے ''سینکڑوں لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں''۔ آیت یہ تربیت کرتی ہے کہ کردار کا اُجالا اور منزّل احکام کی حرمت کئی لوگوں کے مسلمان ہونے سے بہتر ہے، گنتی کے مسلمان زیادہ بھی ہو گئے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ شبنم اپنا دل کانٹوں کی سوئیوں سے زخمی کروالیتی ہے لیکن اپنے تقدس کا بھرم ضرور رکھتی ہے۔ شمعیں ضوبار ہونی چاہییں، پروانے کسی کونے گوشے سے فدا ہونے کا وظیفہ پورا کرنے کے لیے حاضر ہو ہی جاتے ہیں۔

سوسائٹی کے گناہ سوسائٹی کو پکڑتے ہیں

قرآن مجید اعلان کرتا ہے۔ اس قرآنی اعلان پر کسی کو معذرت خواہانہ لہجہ اپنانے کی ضرورت کیا ہے؟ وہ لوگ جو سورج کی موجودگی میں دیے جلانے کی سعی کریں ان کی حماقت صریحہ ہوتی ہے۔ حیلہ گریاں اور دھوکوں کی چکور بازیاں گناہوں کا دھواں اگلتی ہیں اور دیکھتے دیکھتے یہ ظلمتیں ماحول کو اپنی آلودگی کا شکار بنالیتی ہیں۔ قرآن مجید اعتماد کے ساتھ بات کرتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت فریبوں کی ظلمت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ مفاد پرست ٹولہ، اقتدار پرست افراد اور توہمات کا جنوں رکھنے والے ہمیشہ لوگوں کو انحراف کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں۔ فریبی لوگوں کی ملہار سنجیاں کوئی دلکشی نہیں رکھتیں، لوگوں کو قرآن پڑھنا چاہیے اسی میں فکر ونظر کے بلند تر ہفت آسمان دیکھے جاسکتے ہیں۔ واللہ اعلم

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

''کیا وہ جاہلیت کا حکم تلاش کر رہے ہیں یقین والی قوم کے لیے اللہ کے حکم سے اچھا کس کا حکم ہوگا''۔

شان نزول

حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں بنوقریظہ اور بنونضیر کا ایک مقدمہ پیش ہوا جو ایک قتل کے بارے میں تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مقتول سب برابر ہیں اور خون کا حکم تمام قوموں کے لیے یکساں ہے۔ بنونضیر کو قریظہ پر کوئی فوقیت حاصل نہیں فلہٰذا ایک جان کے بدلہ میں ایک ہی جان لی جاسکتی ہے''۔ نضیری بُرا مناگئے کہ ہمارے درمیان جو چیز صدیوں سے مسلّمہ چلی آرہی ہے آپ اسے ختم کر رہے ہیں، اس لیے ہم آپ کے فیصلے پر راضی نہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کیوں؟ یہ جاہلیت کے حکم پر دیوانے ہو رہے ہیں انہیں اللہ کا حکم اچھا نہیں لگ رہا (135)۔

اَفَحُكْمَ: کیا پس حکم
الْجَاهِلِيَّةِ: جاہلیت
يَبْغُوْنَ: وہ تلاش کرتے ہیں
وَمَنْ: اور کون
اَحْسَنُ: اچھا ہوسکتا ہے
مِنَ اللّٰهِ: اللہ سے
حُكْمًا: از روئے حکم
لِّقَوْمٍ: قوم کے لیے
يُّوْقِنُوْنَ: وہ جو یقین رکھتے ہیں

تفسیر وتعبیر

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں:

''آیت کا اسلوب استفہام کا ہے یعنی ایک سوال سے بات اٹھائی جارہی ہے اور سوال کے مقاصد کثیر ہوتے ہیں، پوچھنا، اقرار کرنا، انکار کرنا، تعجب کرنا اور تعجب کرانا۔ یہاں استفہام آخری مقصد کے لیے ہے یعنی مخلوق یا قرآن پڑھنے والے کو تعجب میں ڈالنا اس لیے کہ جو شخص بے موسم یا بے موقع کام کرے تو لوگ اس پر تعجب بھی کرتے ہیں اور اسے احمق بھی کہتے ہیں۔ دن کی دھوپ میں چراغ لے کر پڑھنا شروع کر دے یا بارش میں چھتری بغل میں رکھ لے لوگ ایسے شخص پر ہنستے ہیں، اسے دیوانہ کہتے ہیں۔ جب سورج نبوت کا روشن ہو گیا ہر شئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر گئی۔ اب جاہلیت کی رسوم کا جو دیوانہ ہو اس پر تعجب ہی کیا جا سکتا ہے'' (136)۔

حسنِ حکم کے مراجع

حسنِ حکم کا تعلق علم اتم اور علم اکمل سے ہوتا ہے۔ وہی ذات احکام حسینہ کا مرجع ہو سکتی ہے جو انسان کے تمام اسرار و احوال کا علم رکھتی ہو۔ قانون بھی وہی عمیق اور مؤثر ہو سکتا ہے جو تمام احوال اور واقعات کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہو۔

حسنِ حکم کا اطلاق ادھر ہی ہو سکتا ہے جہاں مفادات ناقصہ کی حفاظت نہ کی جائے اور فیصلہ کرنے والا سہو، غلطی اور تعمّد خطائی سے محفوظ ہو۔ ایسا حکم اللہ ہی کا ہو سکتا ہے۔ حسنِ تحکم کی یہ خاصیت ہوتی ہے وہ کسی زور آور سے ڈرتا نہیں اور کسی نفسیاتی یا مادی طاقت کے سامنے جھکتا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خدائی قانون اور حکم ہے جس میں جاہلیت کی ظلمت نہیں ہوتی اور نور و سرور احکام الٰہیہ کی تقدیر ہوتی ہے۔

آیت کی تربیت

یہ آیت تربیت کرتی ہے کہ انسان ہوا و ہوس سے دور رہے، عدالت کے نظام کو سفلہ کاریوں سے محفوظ رکھے۔ ذاتی اغراض کے پہاڑ توڑ دے اور خوف، لالچ، جہالت، بے علمی اور فسق فکری اور خیال سخی کو دین اور ایمان کی راہ میں حائل نہ ہونے دے۔ یہ مقدس اور عظیم کام یقین اور ایمان کی طاقت اور برکت ہی سے ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ بشری قوانین انسان کو پیس کر رکھ دیتے ہیں جبکہ خدائی قوانین انسان کو طاہر اور مطہر بنا کر عظمتوں اور تقدیس کا عرش نصیب کر دیتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾
فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ؕ

(51) اے ایمان والو! یہود اور نصٰریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ بعض بعضوں کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا سو وہ ان ہی میں سے ہوگا بے شک اللہ ظالم قوم کو راہ یاب نہیں فرماتا

(52) تو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ وہ ان کی جانب دوڑتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش آجائے تو قریب ہے کہ اللہ کوئی فتح لائے یا اپنی طرف سے کوئی حکم تو وہ اُس پر نادم ہوں جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھے ہیں

مفردات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

''اے ایمان والو! یہود اور نصریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ بعض بعضوں کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا سو وہ ان ہی میں سے ہوگا بے شک اللہ ظالم قوم کو راہ یاب نہیں فرماتا''۔

شان نزول

محفل میں حضور ﷺ کی رحمتیں اور برکتیں فیض بار ہو رہی تھیں، عنوان دوستی اور وفا تھی، ظاہر ہے اشارات کا حصار یہودی اور منافقین تھے۔ عبادہ ابن الصامت اٹھے اور یہودیوں کی دوستی سے دست برداری کا اعلان کر دیا مگر ہوا یہ کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اٹھ کر اس نے فلسفہ بگھارنا شروع کر دیا کہ ان لوگوں سے ترک ولایت مصائب کو دعوت دینا ہے اور یہ عندیہ بھی دیا کہ وہ تو ان کی دوستی پر قائم ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (137)۔

یہود اور نصاریٰ معتمد نہیں

ایک ایسی قوم جس کی زندگی غیر منقطع سعی و عمل کا نام ہو اور اس نے اپنے آقا ﷺ سے توجہ اور تربیت کی خیرات لی ہو اس کا عزم کوہ شکن ہوتا ہے اور اس کے مخلصانہ رویے متحمل نہیں ہوتے کہ غیر معتبر، غیر معتمد اور ذلت و پستی میں زندگی گزارنے والوں سے وہ دوستی جوڑیں، ان کے نقوش پر چلیں، مشکل وقت میں ان سے مدد کی اُمید رکھیں اور انہیں اپنی مسیحائی کے لیے منتخب کریں۔

گندے اور اندھے کنویں سے صاف پانی الچنے کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔

عزت اور توقیر رحمت ہوتی ہے یہ گندی قوموں سے دوستی میں حاصل کی جانے والی دولت نہیں ہے، اس لیے ایمان والوں کی تربیت کی جا رہی ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے دوستی ہرگز نہ جوڑیں، اگر کوئی افلاطون مصر ہو کہ ہم ان قوموں سے دور نہیں رہ سکتے تو مسلمانوں کو یہ سمجھنے میں سستی نہیں کرنی چاہیے کہ ایسے لوگ خُو بُو کے لحاظ سے انہی میں سے ہوتے ہیں اس لیے ایسے ظالمین مسلمانوں کے وفادار کبھی نہیں ہو سکتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ: اے وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
لَا تَتَّخِذُوا: نہ بناؤ
الْيَهُوْدَ: یہود
وَالنَّصٰرٰى: اور عیسائیوں کو
اَوْلِيَآءَ: دوست
بَعْضُهُمْ: بعض ان کے
اَوْلِيَآءُ: دوست ہیں
بَعْضٍ: بعض کے
وَمَنْ: اور جو
يَّتَوَلَّهُمْ: دوست بنائے گا انہیں
مِّنْكُمْ: تم میں سے
فَاِنَّهٗ: تو بے شک وہ
مِنْهُمْ: انہی میں سے ہوگا
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
لَا يَهْدِى: ہدایت نہیں دیتا
الْقَوْمَ: قوم
الظّٰلِمِيْنَ: ظلم کرنے والے

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

''تو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ وہ ان کی جانب دوڑتے ہیں کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش آ جائے تو قریب ہے کہ اللہ کوئی فتح لائے یا اپنی طرف سے کوئی حکم تو وہ اُس پر نادم ہوں جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھے ہیں''۔

قرآن مجید نے پہلے جو باتیں پردے میں رکھ کر کی جا رہی تھیں ان سب باتوں کو بے حجاب کر دیا ہے اور یہود و نصاریٰ اور منافقین ظالمین کی دسیسہ کاریاں قرآن پڑھنے والوں پر واضح کر دیں اور بتایا کہ دوستی کے سٹیج پر بڑا زہریلا، گھناؤنا اور خوفناک ڈرامہ رچایا جا رہا ہے۔ دوستیوں کا شہد چاٹنے والے اصل میں چاہتے یہ ہیں کہ اسلام کی تحریک کو کمزور کیا جائے۔ یہاں پل بنانے کے لیے منصوبہ بندی نہیں کی جا رہی، پل توڑنے کے حیلے کیے جا رہے ہیں۔ کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے یہ خطرناک لوگ فسادی ہیں ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے۔ انہوں نے مکر تو یہ کر رکھا ہے کہ یہ بڑے دانشمند اور بابصیرت لوگ ہیں اور انسانیت کا ان کے دلوں میں بڑا درد ہے اور وہ بڑی تیزی سے متحرک اس لیے ہیں کہ دنیا وبال سے بچ جائے حالانکہ سوچا جائے تو یہ وبال کی ظلمت تو خود ہیں۔

''دَآئِرَةٌ'' سے مراد کیا ہے؟

''دَآئِرَةٌ'' کا مطلب مصیبت، تکلیف اور گردشِ احوال ہے، منافق لوگ جس دورنگی چال کا شکار تھے قرآن حکیم نے اس کی تصویر کشی کی ہے۔ وہ ڈرتے تھے کہ مسلمان اگر کسی مصیبت کا شکار ہو جاتے ہیں تو منافق یہودیوں سے مفادات کا اناج کیسے اٹھا سکتے ہیں؟ اس لیے وہ اپنی وفاداری کے غبارے میں ہوا بھرتے اور مسلمانوں کو اور اسلامی تحریک کو کوستے، انہیں نحوست کا صحرا گردانتے اور ہر برائی کا انتساب مسلمانوں کی طرف کرتے۔ اس آیت نے ایسے شیش گھر میں برہنہ بدن منافقوں کو جھنجوڑا اور کہا کہ یقین کر لو کہ فتح مسلمانوں کے قدم چومنے والی ہے اور اللہ کا کوئی دوسرا حکم بھی آ سکتا ہے، اشارہ یہود کی جلاوطنی کی طرف ہے۔ قبل اس کے کہ یہودیوں کو ندامت اٹھانی پڑے اور منافقت اور دورنگی کی ہر منصوبہ بندی آشکار ہو جائے انہیں توبہ کر لینی چاہیے۔ کھلی بات قرآن نے آشکار لہجہ میں کی، یہود کی ذلت کے ساتھ ساتھ منافقو تم بھی ذلیل ہونے والے ہو۔

❁❁❁❁❁

مفردات

فَتَرَى: پس تم دیکھو گے
الَّذِيْنَ: ان کو جو
فِيْ: بیچ
قُلُوْبِهِمْ: ان کے دلوں
مَّرَضٌ: بیماری
يُّسَارِعُوْنَ: جلدی کرتے ہیں
فِيْهِمْ: ان میں
يَقُوْلُوْنَ: کہتے ہیں
نَخْشٰى: خوف کھاتے ہیں ہم
اَنْ: یہ کہ
تُصِيْبَنَا: پہنچے ہم کو
دَآئِرَةٌ: کوئی گردش، مصیبت یا تکلیف
فَعَسَى: پس قریب ہے
اللّٰهُ: اللہ
اَنْ يَّاْتِيَ: لائے وہ
بِالْفَتْحِ: فتح مندی
اَوْ: یا
اَمْرٍ: کوئی امر
مِّنْ عِنْدِهٖ: اپنی طرف سے
فَيُصْبِحُوْا: تو ہو جائیں وہ
عَلٰى مَآ: اوپر اس کے جو
اَسَرُّوْا: چھپایا انہوں نے
فِيْٓ: بیچ
اَنْفُسِهِمْ: نفسوں میں
نٰدِمِيْنَ: دلوں میں شرمندہ ہونے والے

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ
اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ
بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى
الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

(53) اور ایمان والے کہتے ہیں کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے نام پر بھاری قسم کی قسمیں اٹھاتے تھے کہ بے شک وہ تمہارے ساتھ ہیں، ضائع ہو گئے ان کے اعمال تو خسارہ ان کا مقدر ٹھہرا

(54) اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لائے گا کہ وہ اُن سے محبت فرمائے گا اور وہ اُس سے محبت کریں گے، مومنوں کے لیے نرم کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈریں گے نہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ وسیع علم والا ہے

مفردات

وَيَقُوْلُ: اور کہیں گے وہ
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْٓا: ایمان لائے
اَهٰٓؤُلَآءِ: کیا یہ لوگ؟
الَّذِيْنَ: وہ جو
اَقْسَمُوْا: قسم کھا گئے تھے
بِاللّٰهِ: اللہ کی
جَهْدَ: بھاری
اَيْمَانِهِمْ: قسمیں
اِنَّهُمْ: بے شک وہ
لَمَعَكُمْ: البتہ تمہارے ساتھ ہی
حَبِطَتْ: ختم ہو گئے، ضائع ہو گئے
اَعْمَالُهُمْ: اعمال ان کے
فَاَصْبَحُوْا: پس ہو گئے وہ
خٰسِرِيْنَ: خسارہ اٹھانے والے، نقصان اٹھانے والے

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

''اور ایمان والے کہتے ہیں کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے نام پر بھاری قسم کی قسمیں اٹھاتے تھے کہ بے شک وہ تمہارے ساتھ ہیں، ضائع ہو گئے ان کے اعمال تو خسارہ ان کا مقدر ٹھہرا''۔

قرآن مجید اس آیت میں ایمان والوں کا انداز فکر بیان کرتا ہے۔ ان کی سوچوں کی عکاسی کی جاتی ہے۔ ان کا مقصدیت کے ساتھ تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی نظر کے زاویے اپنے قاری کے سامنے لاتا ہے۔

یہ نور کی آیت، رحمت کی آیت، علم کی آیت اور برکت کی آیت اعلان کرتی ہے کہ منافق کچھ بھی نہیں ہوتا، اس کے پاس صرف کالا دل اور کوّے کی زبان ہوتی ہے، وہ ہر معاملے میں نام اللہ کا استعمال کرتا ہے، قسمیں کرتا ہے بھاری بھاری اور مسلمانوں کے ساتھ ہونے کے یقین دلاتا رہتا ہے لیکن اس کی زندگی موت کی تلچھٹ ہوتی ہے۔

اس کے اعمال اور کوششیں اکارت اور نابود ہوتی ہیں اور وہ خسارے کے سودے کرتا رہتا ہے جبکہ مسلمان اور صاحب ایمان اپنی کامیابی، حسن انجام اور حسن منزل کے جھنڈے گاڑتا رہتا ہے۔ مومن اپنی آنکھ کے پردے کے اندر بھی اور باہر بھی واقعیت کے معجزے دیکھتا ہے جبکہ منافق کی آنکھ ظلمت میں آلودہ ہوتی ہے، وہ نہ باہر اور نہ اندر حقیقت دیکھ ہی نہیں سکتی۔

ظلمت ظلمت سے مل بھی جائے تو ظلمت ہی کی تہوں میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے یہودی اور منافق مل بھی جائیں تو ظلمت ہی بچتی ہے، آلودگی ہی پھیلتی ہے، گند ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ خاسرین کے یہ ٹولے ازلی بدبخت ہیں ان کی بدنصیبی کا اعلان خود قرآن کرتا ہے۔

منافقوں یا یہودیوں کا یہ کہہ دینا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں کوئی معنیٰ نہیں رکھتا لیکن اللہ کا ساتھ ہونا، اس کی معیت کا ''مصدر'' پتہ چل جانا، چشمۂ حیات کا مل جانا ہے۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ایمان اور اسلام آبِ حیات کے چشمے ہیں جہاں پر خضرِ محبت اور ساقیٔ عشق زندگی کا سودا بیچتے رہتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

''اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لائے گا کہ وہ اُن سے محبت فرمائے گا اور وہ اُس سے محبت کریں گے، مومنوں کے لیے نرم کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈریں گے نہیں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ وسیع علم والا ہے''۔

ایمان والوں کی روحی تربیت

آیت میں اہم نکتہ ارتداد کا وبال بتانا ہے کہ ایسا شخص جو اعتقادی لحاظ سے، روحانی نقطۂ نظر سے اور عملی اعتبار سے دین سے برگشتہ ہو جاتا ہے اس کو انجام کی تباہی کس طرح اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔

ایمان والوں کو یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ احتمال اور اعتبار کی تاریخ کو اچھی طرح جان لیں کہ رحمت کے پر بچھانے والے شمشیر آرا بھی ہو سکتے ہیں اور دشمنی کے بارود پھٹانے والے موجۂ گل کی طرح خوشبوؤں کے امین بھی بن سکتے ہیں۔ بابصیرت راہبر ارتداد کی تاریخ اور خطرے سے آگاہ ہوتا ہے اور اسے آگاہ رہنا بھی چاہیے۔

ارتداد کی سنگین سزا

قرآن مجید کہتا ہے کہ تم نے اگر یہ تباہ کن فیصلہ کر لیا کہ تم نے دین سے روگردانی کرنی ہے تو پھر یاد رکھو کہ اللہ ایک ایسی قوم اسلام کے دامن سے وابستہ کر دے گا جس کی خُو بُو میں محبت ہوگی۔

قرآن مجید کی تعریض کتنی خوبصورت ہے کہ فلسفیوں کی کوتاہیوں پر تو گرفت ہو سکتی ہے لیکن محبت کرنے والوں کی معمولی غلطیاں معاف کی جا سکتی ہیں انہیں اسلام کا پرچم تھمایا جا سکتا ہے۔ محبت ایسی آتش ہے جسے آسانی سے بجھایا نہیں جا سکتا، محب اور عاشق محبوب کو چھوڑ نہیں سکتا اسے لوگوں کی ہلڑ بازی کی پرواہ نہیں ہوتی وہ گھٹن اور تنگ ماحول کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا۔

اس کی ترجیحات محبوب کی ترجیحات کو اپنانا ہوتا ہے۔ اسے کسی ملامت گر کی ملامت سے سروکار نہیں ہوتا وہ معبود اور محبوب کے راستے میں قطعیت اور قاطعیت کا مسلک رکھتا ہے۔ محب کے لیے

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ لوگو
اٰمَنُوْا: جو ایمان لائے
مَنْ: جو
يَّرْتَدَّ: برگشتہ ہو گیا، مرتد ہو گیا، پیچھے مڑ گیا
مِنْكُمْ: تم میں سے
عَنْ: سے
دِيْنِهٖ: اپنے دین
فَسَوْفَ: تو عنقریب
يَاْتِي: لے آئے گا
اللّٰهُ: اللہ
بِقَوْمٍ: ایک قوم
يُّحِبُّهُمْ: محبت رکھتا ہے
وَيُحِبُّوْنَهٗٓ: وہ اس سے محبت کرتے ہیں
اَذِلَّةٍ: پست ہے
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ: اوپر مسلمانوں کے
اَعِزَّةٍ: بھاری، غالب
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: اوپر کافروں کے
يُجَاهِدُوْنَ: جہاد کرتے ہیں
فِيْ: میں
سَبِيْلِ: راہ
اللّٰهِ: اللہ
وَلَا يَخَافُوْنَ: اور ڈرتے نہیں
لَوْمَةَ: ملامت
لَآئِمٍ: ملامت کرنے والا
ذٰلِكَ: یہ
فَضْلُ اللّٰهِ: اللہ کا فضل ہے
يُؤْتِيْهِ: دیتا ہے

مفردات

مَنْ یَّشَآءُ: جسے چاہتا ہے
وَاللّٰہُ: اور اللہ
وَاسِعٌ: وسعت والا
عَلِیْمٌ: علم والا

محبوب کی تعریف کرنے والے اور اس کے حسن کی ہٹّی پر بک جانے والے نرم رویے کے مستحق ہوتے ہیں اور کافرانہ مزاج کے حاملین سے اڑ جانا مومنین کا شعار محبت ہوتا ہے۔

محبت کا تحفہ کسے ملتا ہے؟

آیت اعلان کرتی ہے کہ محبت کی تمام سوغاتیں اسی شخص کو مل سکتی ہیں جس کے دل، روح، ذہن اور باطن میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت رچی بسی ہو، ایسا عاشق مزاج شخص ہی فضلی آدمی کہلا سکتا ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے مزاج کے حاملین کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا رخ انور اسلامی فوج کی طرف پھیر دیا اور فرمایا(138):

> ''بخدا کل میں پرچم اسلام ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں، وہ کرار ہے، دشمنوں پر بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے ولا ہے، اس نے کبھی جنگ میں پشت نہیں دی، وہ دیکھنا فتح کی خوشیاں لے کر ہی واپس پلٹے گا''۔

علامہ ثعلبی نے لکھا کہ یہ عظیم شخص اور رفیع المرتبت مجاہد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔

بلا شبہ عظمتوں اور فضیلتوں کے مصادیق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام عاشق صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کی قربانیوں ہی سے گلستان دین کی خوشبوئیں پھیلیں۔

واللہ اعلم

محبت والوں کی باتیں

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کب جانتا ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرنے والوں کی صف میں شامل ہے؟

آپ نے فرمایا:

اس کی پہچان چار چیزوں سے کی جاسکتی ہے:

(1) جو راحت اور سکون کو خیر باد کہہ دے

(2) جو سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دینے کا جذبہ رکھتا ہو

(3) جسے محبوب ہو کہ اس سے دنیوی مقام اور مرتبہ چھن جائے

(4) اور جس کی نظر میں تعریف اور مذمّت ایک ہی حیثیت رکھتے ہوں (139)۔

حضرت سید علی ہجویری رضی اللہ عنہ کا قول ہے (140):

''محبت اور دوستی میں اپنے ارادے اور خواہش کا ہونا ہی محبت اور دوستی کی نفی ہوتی ہے''۔

سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں (141):

''محبت الٰہیہ کا اصل راز اطاعت رسول ہے''۔

حضرت فضیل فرماتے ہیں:

''جب تم سے پوچھا جائے اللہ سے محبت رکھتے ہو تو چپ رہو اس لیے کہ اگر زبان سے ''نہ'' کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اور ہاں کرو گے تو تمہاری حالت مجنونوں والی نہیں ہو گی اس سے جھوٹے لگو گے'' (142)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

(55) نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے دوست ہیں وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں درانحالیکہ وہ رکوع کرنے والے ہوتے ہیں

(56) اور جو دوست بناتا ہے اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو تو بے شک اللہ والوں کی جماعت ہی غالب آنے والی ہوتی ہے

(57) اے ایمان والو! وہ لوگ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں اور کافروں میں سے جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں انہیں دوست مت بناؤ اور ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو

مفردات

اِنَّمَا: نہیں ہے سوائے اس کے
وَلِيُّكُمُ: ولی تمہارے
اللّٰهُ: اللہ
وَرَسُوْلُهٗ: اور اس کا رسول
وَالَّذِيْنَ: اور وہ جو
اٰمَنُوا: ایمان لائے
الَّذِيْنَ: وہ جو
يُقِيْمُوْنَ: قائم کرتے ہیں
الصَّلٰوةَ: نماز
وَيُؤْتُوْنَ: اور دیتے ہیں
الزَّكٰوةَ: زکوۃ
وَهُمْ: درآں حالیکہ وہ
رٰكِعُوْنَ: رکوع کرنے والے

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

''نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے دوست ہیں وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں درآنحالیکہ وہ رکوع کرنے والے ہوتے ہیں''۔

آیت میں حصر ہے

گنجینۂ رحمت اور آیت ولایت کلمۂ حصر سے شروع ہوتی ہے ''اِنَّمَا'' کا لفظ لغت عرب میں حصر و انحصار کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے (143)۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ تمہارے ولی تمہارے سرپرست اور تمہارے امور کے پاسبان اللہ، اس کا رسول اور کردار کے جلوے رکھنے والے مومنین ہیں۔ بات نظریاتی کی جا رہی ہے کہ دوستی اور موالات کا مرجع اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں۔ جو نماز قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں ان کی دوستیوں اور وفا شعاریوں کی علامت یہ ہے کہ وہ رکوع کی کیفیت میں رہتے ہیں۔ یہ آیت اسلام کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان مکمل مفارقت کا اعلان ہے اور ''دوستی اور ولایت'' کی کامل پہچان ہے۔

ولایت کا لغوی اور تفسیری مفہوم

''ولی'' اللہ کے پاکیزہ ناموں میں سے ایک ہے۔ اس کا ایک معنیٰ قریب ترین ہونا ہوتا ہے اور امور کائنات چلانے والے ''والی'' کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ''ولی'' کا معنیٰ تاج العروس نے ''الناصر'' مددگار بھی لکھا ہے۔ ''ولایت'' کا معنیٰ تمام اشیاء کا مالک ہونا بھی لکھا گیا ہے۔ ''اولیٰ'' لفظ بھی اسی مادہ سے ہے جس کا معنیٰ زیادہ قریب، زیادہ حق دار اور پیار کا زیادہ مستحق ہے۔ ''مولیٰ اور ولیٰ'' ایک ہی مادۂ لفظی رکھتے ہیں۔ ''ولی الیتیم'' وہ ہوتا ہے جو یتیم کے امور کو چلائے۔ تمام اہل لغت نے ''ولی'' کے یہ معانی رقم کیے ہیں (144)۔

یادوں کے نفحاتِ خلود

عبداللہ ابن عباس ارشاد فرماتے ہیں، کم و بیش ایک سو مفسرین نے اس حدیث کرم کو رقم فرمایا ہے (145):

''ایک روز میں چاہ زمزم پر بیٹھا تھا اور لوگ مجھ سے
حدیث سماعی میں مشغول تھے اچانک ایک وجیہہ شخص

میرے قریب آیا اس کے سر پر عمامہ اس کی شخصی عظمت کا
امین محسوس ہوتا تھا اور چہرہ اگر چہ اس کا پردے میں تھا
لیکن معاملہ حیرتوں میں الجھا تھا کہ میں جب عرض کرتا
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو وہ بھی ایسا ہی تابندہ لہجہ
محفل بار کر دیتا اور کہتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حیرت ناک انکشاف کی گلی میں داخل ہو گیا اور اصرار ہوا کہ چہرے سے پردہ ہٹاؤ اور بتاؤ تم کون ہو؟
ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ متکلم نے حلقۂ باب تھام لیا اور کہا!!!!!
جو شخص مجھے نہیں جانتا جان لے کہ میں ''ابوذر غفاری'' ہوں، میں جو کچھ بیان کرنے لگا ہوں
وہ خود میرے کانوں نے سنا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا!!!

''علی نیک لوگوں اور کافروں کے ختم کرنے والوں کے
قائد ہیں۔ جو ان کی نصرت میں نکلے گا اللہ اس کا مددگار رہو
گا اور جو شخص ان کی مدد سے ہاتھ کھینچے گا اللہ بھی اس کی مدد
سے ہاتھ کھینچ لے گا''۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
لوگو!

ایک دن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل مسجد میں داخل ہوا اور لوگوں سے مدد طلب کی لیکن کسی نے اس کو کچھ نہ دیا تو اس نے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہا اے اللہ! تو خود گواہ ہے کہ میں نے تیرے رسول کی مسجد میں مدد طلب کی لیکن کسی نے مجھ کو کچھ نہ دیا۔ اس پر حضرت نے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کی طرف سے ''عمل قلیل'' سے اشارہ کیا تو سائل نے انگوٹھی اتار لی۔ نماز ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا:
اگلے لفظ فخر الدین رازی کے ہیں:
''اے اللہ! میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا میرے ربّ میرا سینہ کھول دے۔
میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری
باتیں سمجھ جائیں اور میرے کنبے میں ایک میرا وزیر بنا دے میرے بھائی ہارون کو اسے میرا

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

پشت پناہ بنا دے اور اسے میرے امر میں شریک کرتا کہ ہم تیری خوب تسبیح کریں اور تو ہمارے حال پر خوب نظر رکھتا ہے۔ اے اللہ! موسیٰ کو ان کی مراد دے دی گئی، پروردگار میں تیرا بندہ اور نبی ہوں میرا بھی سینہ کشادہ کر دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میرے گھر والوں میں میرا ایک وزیر بنا دے، میرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو اسے میرا پشت پناہ بنا دے''۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابھی پیغمبر کی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ جبرائیل یہ آیت لے کر تشریف فرما ہوئے۔ یہ روایت جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کا خلاصہ ہے:

روایت سے نتائج مستنبط کرنا اور اپنا مطلب نص کی پیشانی پر تھوپ دینا ایک مشکل امر ہے البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یادوں کے نفحات خلود مومنین کے سینوں کو مولا کی محبت سے بھر دیتے ہیں اور شریعت کا مقصود یہی ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے خوبصورت اشعار

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ان اشعار کو آلوسی نے روح المعانی میں نقل کیا ہے(146):

فانت الذی اعطیت اذ کنت راکعاً
زکا ۃ فد تک النفس یا خیر راکع
فا نزل فیک اللہ خیر ولا یۃ
وبینھا فی محکما ت الشرائع

''علی! آپ وہ ہیں جنہوں نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی۔ اے بہترین رکوع کرنے والے آپ پر جان فدا ہو جائے، پھر یہ بھی ہوا ولایت کی اعلیٰ ترین قسم اللہ نے آپ کے لیے قرآن میں نازل کر دی اور شریعتوں کے محکم اصولوں میں اس حقیقت کو ثبت کر دیا''۔

چند فنی باتیں

دوستی کے لیے لفظ ''ولی'' مفرد لایا گیا ہے جب کہ ولایت کا انتساب اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کی طرف ہے۔

مفردات

زمخشری نے الکشاف میں لکھا:

''ولایت اصالۃً اللہ ہی کے لیے ہے، ایمان والوں کا
تذکرہ تبعاً ہے اصالۃً نہیں اس لیے ''اولیاء'' نہیں کہا گیا
''ولی'' کہا گیا ہے''(147)۔

''الدرالمصنون'' میں ایک دوسرا احتمال بھی لکھا گیا ہے کہ ''ولی'' فعیل کے وزن پر ہے اور اہل زبان یہ مادہ جمع کے لیے بھی واحد ہی لاتے ہیں بلکہ مؤنث اور مذکر کا خیال بھی نہیں کرتے صیغہ مفرد ہی استعمال کرتے ہیں(148)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (149) آیت کو یوں بھی پڑھ لیتے تھے ''انما مولاکم اللہ'' اس قرأت پر تو بات اور کھل جاتی ہے کہ جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولا ہیں۔ اللہ بغض کا ستیاناس کرے آج سیدہ زہرہ پاک سلام اللہ علیہا کا دن ہے تین رمضان المبارک کو یہ سطریں لکھی گئی ہیں، معلوم ہوا کہ شہر میں چند لوگوں نے (150) اہل بیت سے بغض کا اظہار کیا ہے۔ ایک عرصہ سے بدکر دار احداث نے خاندان رسالت کے خلاف طوفان بدتمیزی اٹھا رکھا ہے۔ اصل میں یہ کسی مسلک کے لوگ نہیں شیطانی ست اور تخم ہیں، اللہ ان کی شرارتوں سے اُمت کو محفوظ رکھے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

''اور جو دوست بناتا ہے اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو تو بے شک اللہ والوں کی جماعت ہی غالب آنے والی ہوتی ہے''۔

یہ آیت گزشتہ آیت سے مربوط ہے۔ بات ولایت کی ہو رہی ہے۔ ولایت سے وابستگی کے عنوان کو ابھارا جا رہا ہے اور مسلمانوں کے مزاج کی عکاسی کی جا رہی ہے کہ وہ اوصاف حمیدہ کی مالک قوم، وہ نمازوں کے قلعے میں رہنے والے، زکوٰۃ سے اموال کو صاف رکھنے والے اور عجز، نیازمندی اور رکوع کی کیفیات میں مستاں زندگی گزارنے والے اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کی دوستی، سرپرستی اور قرب کی خوشبو کو قبول کرتے ہوئے اس جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں جو دراصل اللہ کی جماعت ہوتی ہے۔

اسلام کے پرچم دار دنیا میں جہاں بھی ہوں اور جس رنگ اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں وہ سب ''حزب اللہ'' میں شامل ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ایمان کو مضبوط کرے، اپنی جماعت کو پہچانے اور صالحین کا انداز اپنا کر اقدار ایمانیہ کے لیے مدد اور سرپرستی کا قلعہ بن جائے۔

وَ: اور
مَنْ: جو لوگ
يَّتَوَلَّ: ولایت قبول کرلیں
اللّٰهَ: اللہ
وَرَسُوْلَهٗ: اور اس کے رسول
وَالَّذِيْنَ: اور وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
فَاِنَّ: تو بے شک
حِزْبَ: پارٹی، جماعت، پلاٹون، گروہ
اللّٰهِ: اللہ کی
هُمُ: وہی
الْغٰلِبُوْنَ: غالب آنے ولے، کامیابی پانے والے

مفردات

آیت اپنے اندر ایک سکون، اطمینان اور اعتماد کو سموئے ہوئے ہے۔ وہ اعتماد، سکون اور اطمینان کامیابی اور غلبہ پانے کا اطمینان ہے۔ آیت میں مادی اور روحانی کامیابیوں کی طرف جامع اور مکمل اشارہ پایا جاتا ہے۔ آج اگر مسلمان اپنی صفوں میں کمزوری محسوس کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ کامیابی کے ساماں محکم ایمان، تقویٰ، عمل صالح، باہمی اعتماد اور دوسروں کی فکر ایسے معاملات سے مسلمان لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ شان نزول کی روشنی میں مسلمانوں کی حالت دیکھیں کہ غریب نوازی پر بحث شروع کر دی ہے۔ میرے خیال میں آیت یہ موقع نہیں دیتی کہ ہم تفرقہ کا دھواں معاشرے میں چھوڑیں۔ آیت مدد کرتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی طرح تم سب بھی قیامت تک ایک دوسرے کی مدد کرو کیوں نہ تم حالتِ نماز میں ہو۔ نمازوں کی قضا ممکن ہوتی ہے لیکن ٹوٹے دلوں کی بحالی مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۵۷

''اے ایمان والو! وہ لوگ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں اور کافروں میں سے جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں انہیں دوست مت بناؤ اور ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو''۔

یٰۤاَیُّهَا: اے
الَّذِیْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے ہو
لَا تَتَّخِذُوا: نہ بناؤ
الَّذِیْنَ: انہیں جو
اتَّخَذُوْا: جنہوں نے بنایا
دِیْنَكُمْ: تمہارے دین کو
هُزُوًا: مذاق
وَّلَعِبًا: اور کھیل
مِّنَ: سے
الَّذِیْنَ: وہ جو
اُوْتُوْا: دیے گئے
الْكِتٰبَ: کتاب
مِنْ قَبْلِكُمْ: تم سے پہلے
وَالْكُفَّارَ: اور منکرین
اَوْلِیَآءَ: دوست اور سرپرست
وَاتَّقُوْا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
اِنْ كُنْتُمْ: ہو اگر تم
مُّؤْمِنِیْنَ: ایمان رکھنے والے

شان نزول

علامہ آلوسی اور فخر الدین رازی لکھتے ہیں (151):

''رفاعہ اور سوید مشرکین میں سے تھے البتہ بظاہر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے۔ اپنی چرب زبانی سے مسلمانوں کے حلقہ میں منافقانہ محبت کی رسیاں پھینکتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے بعض سادہ دل لوگ ان سے متاثر ہو جاتے، تربیت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسلمانوں کو مطلقاً منع کر دیا گیا کہ ایسے سیاہ دل لوگوں سے راہ و رسم رکھے جائیں''۔

ایمان دی گل ہور اے

آسمان عظمت پر لاکھوں ستارے چمک رہے ہیں کچھ چھوٹے ہیں اور کچھ بڑے، ہر ایک اپنے مقام

پر منور بھی ہے اور روشن بھی۔ ایک سے ایک بڑھ کر چمک رہا ہے لیکن ایمان والوں کی عظمت اور فضیلت کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ان کی روشنی نسبت کی روشنی ہے، ان کی چمک عمل کی روشنی ہے۔ ان کا اعزاز یہ ہے کہ جتنے جتنے یہ قدم نبی کے نیچے آتے جاتے ہیں ان کی چمک دمک میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں تربیت اور سبق یہی دیا جا رہا ہے کہ دوستی کا معیار درست کیا جائے۔ ''ولایت'' کچی شاخوں سے چھپر کھٹ نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کبوتری کے انڈوں کا نام ہے، ولایت اللہ سے دوستی کا پرتو ہونا ہے۔ تقدس کی یہ خوشبو ان لوگوں کی کانچ قاروروں میں محفوظ نہیں ہونی چاہیے جنہیں کافر کہا جاتا ہے یا وہ مسلمانوں کے دین کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ کتاب والے اپنے آپ کو سپر شئی سمجھتے ہیں حالانکہ فضیلت کا معیار تو تقویٰ ہے اور اللہ سے محبت کا ارتباط ہے، مومنین کو اسی جوہر کی حفاظت کرنی چاہیے۔

جو آپ کے دین کو مذاق سمجھے

آیت کا عمود ایک معاشرتی تجزیہ ہے کہ وہ شخص جو زندگی گزارنے کے لیے قرآنی پھولوں کی خوشبو سونگھتا رہتا ہے اسے اپنے ارد گرد بسنے والے لوگوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ کون ہیں؟ کیا ہیں اور ان کی فکر کا تعمق کتنا ہے؟ وہ مسلمانوں کے دین کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ ایسے سیاہ باطن اور کریہہ رو لوگ جو اسلام کو اور مسلمانوں کے دین کو مذاق اور کھیل تصور کرتے ہوں وہ مسلمانوں کے لیے عبث چیز ہوتے ہیں۔ ان کی ولایت اور دوستی کھوٹے سکّوں کی طرح بے کار ہوتی ہے۔ وہ ڈھیروں پر گھومنے والی چھپکلی کی مانند ہوتے ہیں۔ ہاں قیمتی دوستی ان لوگوں کی ہوتی ہے جو جادۂ حق کی طلب میں دیوانگی کی منزل پا چکے ہوتے ہیں۔ وہ بولیں تو روحِ علی جھومتی ہے، وہ سوچیں تو زبان حسن عرش فکر کی مہکار ان کے طرز فکر کی نذر کرتی ہے۔ وہ دوستوں میں ہوں تو تابش خورشید کی طرح دمکتے ہیں اور وہ خلوت میں جائیں تو ان کے گلہائے محبت ان کی مستیِ عشق کی دلیل پر حسن مستور کو چھونے کے لیے تڑپ رہے ہوتے ہیں۔

اقلیم محبت کے یہ شہزادے محبت اور دوستی کے ہر مفہوم کو سمجھتے ہیں اور آسمانِ عشق کا گوشہ گوشہ ان کے لیے منور ہوتا ہے۔ وہ کسی چھچھورے، کم ظرف اور کمینے کی دین دشمنی کی شوخی اور شرارت کو اپنے کوچۂ ولایت میں قدم بھی نہیں رکھنے دیتے۔ دین کے سچے عاشقوں کا عشق سدا سلامت رہے۔ ایسے لوگوں کی قابل رشک زندگی ہی دوستی کا معیار بلند کرتی ہے۔ یہ آیت تقویٰ کی تعریف بھی نئے انداز سے قاریٔ قرآن کو سمجھاتی ہے کہ دوستی کا انتخاب اور دشمن کی پہچان حقیقی تقویٰ یہی ہے۔ یہ بات مومن ہی سمجھ سکتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

(58) اور جب تم نماز کے لیے صدائے اذان بلند کرو وہ لوگ اسے بھی مذاق اور کھیل سمجھتے ہیں ایسا اس لیے ہے کہ وہ عقل نہ رکھنے والی قوم ہیں

(59) آپ فرمادیں اے اہل کتاب! تم ہم سے کس چیز کا انتقام لینا چاہتے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور ہم سے پہلے اتارا گیا اور یقینا تمہاری اکثریت فاسق ہے

(60) آپ فرمادیں کہ کیا میں تمہیں اللہ کے نزدیک جزا کے اعتبار سے اس سے بھی بدتر لوگ بتادوں، وہ جسے اللہ اپنی رحمت سے دور کردے اور اس کا غضب ہو جس پر اور اس نے ایسوں میں سے بہت سوں کو بندر اور خنزیر بنادیا اور شیطان کا پجاری، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ بہت برُا ہے اور سیدھی راہ سے انتہائی بھٹکے ہوئے لوگ ہیں

مفردات

وَ اِذَا: اور جب
نَادَیۡتُمۡ: پکارتے ہو تم
اِلَی: کی طرف
الصَّلٰوۃِ: نماز
اتَّخَذُوۡھَا: وہ اسے بنا لیتے ہیں
ھُزُوًا: ٹھٹھہ اور مذاق
وَّ لَعِبًا: اور کھیل کود
ذٰلِکَ: یہ
بِاَنَّھُمۡ: سبب یہ ہے کہ یہ لوگ
قَوۡمٌ: ایک قوم ہیں
لَّا یَعۡقِلُوۡنَ: عقل نہیں رکھتے

وَ اِذَا نَادَیۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوۡھَا ھُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۸﴾

''اور جب تم نماز کے لیے صدائے اذان بلند کرو وہ لوگ اسے بھی مذاق اور کھیل سمجھتے ہیں ایسا اس لیے ہے کہ وہ عقل نہ رکھنے والی قوم ہیں''۔

شان نزول

تفسیر خازن اور تفسیر کبیر اور دیگر مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں تین روایات نقل کی ہیں (152):

پہلی روایت

ابن جریر نے سدّی سے روایت کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عیسائی رہتا تھا جب وہ سنتا کہ مؤذن اذان میں حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہا ہے تو وہ کہتا جھوٹا ہے جل جائے، ہوا یہ کہ ایک رات اس کا خادم گھر کی آگ بجھانا بھول گیا اور سب گھر والے سو گئے۔ آگ کی چنگاری اڑی جس سے گھر میں آگ لگ گئی اور سب گھر سمیت جل کر راکھ ہو گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (153)۔

دوسری روایت

منافقین مدینہ جب اذان کی آواز سنتے تو آتش حسد میں جل جاتے۔ ایک دن یہ لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ہرزہ سرائی کرنے لگے کہ آپ نے یہ اذان ایسی چیز ایجاد کی جو کسی بھی دین میں نہ تھی۔ آپ دعویٰ نبوت کرتے ہیں مگر سارے نبیوں کی مخالفت کرتے ہیں اگر اذان اچھی چیز ہوتی تو دوسرے نبی بھی اسے رائج کرتے، یہ اونٹ کی سی آواز میں مرغ کی سی آواز ہے۔ ان لوگوں کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی (154)۔

تیسری روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب اذان دی جاتی اور مسلمان نماز کے لیے مسجد کی طرف جاتے تو یہودی کہتے ''قاموا لا قاموا'' یعنی یہ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے خدا کرے یہ لوگ اٹھنے کے لائق نہ رہیں اور مسلمان نماز پڑھتے تو یہ نماز کا مذاق اڑاتے دیکھو سر نیچا کیے ہوئے ہیں اور پیچھے سے اوپر اٹھے ہوئے ہیں ایسی دلخراش باتوں کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی (155)۔

اذان کی دلربائی

علامہ رشید رضا تفسیر المنار میں ندائے حق، صدائے حق اور اذانِ حق کی منطق اور روحانیت پر گفتگو کرتے ہیں (156):

''اقوام اور ملل اپنی بقا، شناخت اور تاریخیت کے برہانین اور شعائر ہی سے اپنے فکری اہداف تک رسائی حاصل کرتی ہیں۔ احساسات اور جذبات کی تربیت شعائر کی بقا ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ اذان اسلام میں ممتاز، منفرد اور مؤثر شعائر میں سے ہے۔ اس کی تاثیر اور تفرد ہی کی بنا پر یہودی، عیسائی اور منافق اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کلیسا میں ناقوس کی چبھنے والی آواز ان کے ناموزوں کلچر کی عکاس ہے۔ بگل بجنے سے دل ڈوبنے لگ جاتے ہیں جبکہ اذان میں کلمات کا خروش اسلام کی معنوی زندگی کا ترجمان دکھائی دیتا ہے۔ لفظوں کا زیر و بم، معانی کا تعمق، دعوت کا جوش، جذبوں کی رم جھم، سماعتوں پر روحانی شہنائیوں کی دستک، نماز کی محبوبیت میں حسن طلبی کا رقصاں ہونا سب کچھ اذان سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک عیسائی مؤلف نے ٹھیک لکھا جب تک نام محمد گلدستۂ اذان میں محفوظ ہے، کعبہ اپنی جگہ قائم ہے، قرآن مسلمانوں کا پیشوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دلوں میں دھڑکتی ہے اسلام کے پرچم کو سرنگوں نہیں کیا جا سکتا''۔

بے عقل کون ہے؟

قرآن حکیم ہر اس ''بوالہوس'' کو بے عقل قرار دیتا ہے جو ''مذہبِ حق'' کے شعائر کو نشانۂ طنز قرار دیتا ہے۔ وہ شخص جسے غرورِ حکمت جہالت کی گلی میں شوخا کر کے گھسیٹے وہ شعائرِ اسلام کو کھیل کود تصوّر کرتا ہے۔ اللہ جنہیں عقل کے گوہر سے مالا مال کرتا ہے وہ توحید کے دلائل کے سامنے آج بھی چشمِ نرگس کی طرح حیران رہتے ہیں۔ بوترابی تقدیر کا مالک ''حق'' سے بہرہ یاب ہونے کے لیے آنکھوں سے جوئے خوں جاری کر لیتا ہے لیکن جاہل بے عقل اور محرومِ محبت کسی کو عزت اور تکریم سے نوازنے کو سولی پر قدم رکھنے کے مترادف تصور کرتا ہے۔

قرآن حکیم کی عطا دیکھیں کہ وہ کسی کے بے عقل رہنے کا عذاب دیکھ نہیں سکتا اس لیے وہ ہر بے طینت یہودی، ہر احمق منافق اور ہر گستاخ عیسائی کی تردید کرتا ہے کہ وہ اسلام اور دین کے شعائر کا مذاق نہ اڑائیں اور خود کو بحرِ حماقت میں ڈبونے کی خودکشی نہ کریں۔ بے عقل گستاخوں کو ان کی ناقص سوچ سربازار رسوا کرتی ہے اور عاشق سولی پر بھی اللہ کے نام کی مالا جپتا رہتا ہے۔

قرآن حکیم کی باتوں اور لہجوں کو خالد کی زبان میں یوں خراجِ عشق پیش کیا جا سکتا ہے:

اس نے دنیائے سخن کو رفعت افلاک دی
کہکشاں خواہش کرے میں اس کے ماتھے پر سجوں

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

''آپ فرمادیں اے اہل کتاب! تم ہم سے کس چیز کا انتقام لینا چاہتے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور ہم سے پہلے اتارا گیا اور یقیناً تمہاری اکثریت فاسق ہے''۔

نقمت کیا ہے؟

''تَنْقِمُوْنَ'' 'نقمۃ'' سے ماخوذ ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ انکار کرنا ہوتا ہے۔ انکار زبان سے ہو یا رویے سے ہو ''نقمت'' ہی ہوتا ہے۔ زبیدی حنفی نے یہ معنیٰ بھی لکھا کہ سخت بُرا جاننا۔ سزا دینا بھی مجازاً اس مادہ کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ ''انتقام'' کا مادہ بھی یہ لفظ ہے۔ بدلہ دینا یا بدلہ لینا ''انتقام'' ہی ہوتا ہے (157)۔

مفہوم تفسیری

اہل کتاب کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ تم لوگ جو مسلمانوں کو برا بھلا کہنے میں دوڑ لگائے ہوئے ہو تمہیں مسلمانوں میں کوئی چیز بری نہیں لگتی بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے ہیں، ان کے دل عشقِ رسالت کے امین بن چکے ہیں۔ مسلمانوں کے ایمان کی تفصیل بھی آیت نے کھل کر بیان کر دی کہ:

- وہ اللہ کی توحید کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں۔ شرک سے نفرت مسلمانوں کی تربیت میں شامل ہے۔
- وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ منزل من اللہ کتاب ہے۔ اصل میں مسلمان یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے ربّ کی طرف سے جو بھی نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے۔
- مسلمانوں کی تربیت میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ پہلی غیر محرف کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

''آپ فرمادیں کہ کیا میں تمہیں اللہ کے نزدیک جزا کے اعتبار سے اس سے بھی بدتر لوگ

مفردات

قُلْ: فرمادو
يٰٓاَهْلَ: اے اہل
الْكِتٰبِ: کتاب
هَلْ: کیا یا نہیں
تَنْقِمُوْنَ: ناراض ہوتے ہو تم
مِنَّآ: ہم سے
اِلَّآ: مگر
اَنْ: اس لیے کہ
اٰمَنَّا: ہم ایمان لائے
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَمَآ اُنْزِلَ: اور جو اترا
اِلَيْنَا: ہماری طرف
وَمَآ: اور جو
اُنْزِلَ: اترا
مِنْ قَبْلُ: پہلے سے
وَاَنَّ: اور بے شک
اَكْثَرَكُمْ: تمہاری اکثریت
فٰسِقُوْنَ: بدکار ہیں، بے حکم، فاسق ہیں

قُلْ: فرمادو
هَلْ: کیا
اُنَبِّئُكُمْ: خبر دوں میں تم کو
بِشَرٍّ: شرّ کی
مِّنْ ذٰلِكَ: اس سے زیادہ
مَثُوْبَةً: لوٹنے کے لحاظ سے
عِنْدَ اللّٰهِ: اللہ کے نزدیک
مَنْ: وہ جو
لَّعَنَهُ: لعنت کی اسے

بتادوں، وہ جسے اللہ اپنی رحمت سے دور کردے اور اس کا غضب ہو جس پر اور اس نے ایسوں میں سے بہت سوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا اور شیطان کا پجاری، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ بہت بُرا ہے اور سیدھی راہ سے انتہائی بھٹکے ہوئے لوگ ہیں''۔

آیت میں بلاغت کی نفیس لہجہ میں گفتگو کی گئی ہے ایسے جیسے کوئی گندہ شخص پاکیزہ شخصیت پر تنقید کرے تو وہ آگے سے جواباً اسے گرفت میں لے لے اور کہے کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ گندہ کون ہے اور صاف کون ہے؟ آیت میں حضور ﷺ سے کہا گیا کہ محبوب آپ غلیظ لہجوں کے پاسداروں سے صاف کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ''مکان شر'' میں گرفتار کون ہے؟ بھٹکی ہوئی تاریخ کس کی ہے؟ اور سیدھے راستے سے محروم کون ہے؟

تباہیوں کی آیت مذکورہ نے کڑک دار لفظوں میں گھنٹی بجا دی۔ خدائی غضب اور لعنت کا جو لوگ شکار ہوئے، وہ جن کو بندر بنایا گیا اور بعضوں کو تو مسخ کے عذاب میں سور بنا دیا گیا۔ یہ تاریخ کتب ماسبق میں موجود ہے۔ عصر رسالت اور عصر دعوت میں موجود لوگوں کو یہود و نصاریٰ کی گندی تاریخ سے آگاہ کرنے کے بعد سیدھے راستے کا حسن اور اہمیت قاریٔ قرآن پر واضح کی گئی تاکہ لوگوں میں اس امر حق کی آرزو اور جستجو زندہ رہے۔ ضمنی طور پر آیت نے عمل کے خنزیروں اور روحانیت کے بھگوڑوں کا شرّ مکاں میں ہونا بھی واضح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریمِ اکبر ہمیشہ صراط مستقیم پر چلنا مقدر بنا دے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

اللّٰهُ: اللہ نے
وَغَضِبَ: اور غضب کیا
عَلَيْهِ: اس پر
وَجَعَلَ: اور کیا، اور بنایا
مِنْهُمُ: ان میں سے
الْقِرَدَةَ: بندر
وَالْخَنَازِيْرَ: اور سور بہت سے، جمع
وَعَبَدَ: اور پجاری
الطَّاغُوْتَ: شیطان کے
أُولٰٓئِكَ: یہی ہیں
شَرٌّ: بہت ہی بری
مَّكَانًا: جگہ میں
وَّأَضَلُّ: اور زیادہ گمراہ
عَنْ: سے
سَوَآءِ: سیدھے، برابر
السَّبِيْلِ: راستہ

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖ وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾
وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾
لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

(61) اور جب آپ کے پاس حاضر ہوں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ داخل بھی کفر کے ساتھ ہوتے ہیں اور جاتے بھی کفر ہی کے ساتھ ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں

(62) اور ان میں سے اکثر کو آپ دیکھیں گے کہ گناہوں اور زیادتی اور حرام خوری والے کاموں میں دوڑ لگائی ہوتی ہے بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں

(63) ان کے مربی اور علماء انہیں گناہ کے کاموں اور حرام خوری سے منع کیوں نہیں کرتے بہت بُرا وہ کر رہے ہیں

وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

''اور جب آپ کے پاس حاضر ہوں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ داخل بھی کفر کے ساتھ ہوتے ہیں اور جاتے بھی کفر ہی کے ساتھ ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں''۔

منافقین کی مجلسِ رسول میں آنے کی کیفیت قرآن حکیم نے بیان کی ہے کہ جس وقت یہ شوخ اور گستاخ لوگ آپ کی محفل میں آتے ہیں ان کے دل کفر سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ اپنے دل کے روحانی راستے ڈھٹائی اور منافقت سے بند کر لیتے ہیں تا کہ حضور کی توجہ کوئی اثر نہ دکھا دے۔ ان کی منافقت ان کو ظلمت میں جکڑ لیتی ہے اس لیے یہ جیسے آتے ہیں ویسے ہی محفل سے نکل جاتے ہیں۔ ان کی ہر بات ریا کارانہ ہوتی ہے۔ ان کے چہرے دو قسم کے تاثر رکھتے ہیں۔ یہ اپنی نظر بازی سے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ آیت کا زور اللہ کے کامل اور لامتناہی علم پر ہے کہ کوئی کتنا بھی پردہ نشین ہو اور اپنے دیوث کردار کو چھپا لے وہ اللہ سے چھپ کر نہیں رہ سکتا، اللہ ''اَعْلَمُ'' ہے، سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے دل میں یہ یقین جما دینا چاہیے کہ منطقی استدلال اور روحانی طاقت صاف دل لوگوں پر اثر اور تاثر کی کیفیت چھوڑ دیتی ہے۔

وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

''اور ان میں سے اکثر کو آپ دیکھیں گے کہ گناہوں اور زیادتی اور حرام خوری والے کاموں میں دوڑ لگائی ہوتی ہے بے شک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں''۔

تشریح

اس آیت میں منافقوں کی تین مزید نشانیاں قرآن حکیم نے بیان فرمائی ہیں:

- پہلی نشانی گناہوں میں ان کا استغراق ہے۔ قرآن مجید نے ''اَلْاِثْمِ'' کا لفظ کفر کے لیے بھی استعمال کیا ہے اور ہر قسم کے گناہ کو بھی ''اثم'' کہا ہے چونکہ یہاں ''عدوان'' کے مقابلے میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس لیے اس سے مراد ایسے گناہ ہیں جو کرنے والے کو نقصان پہنچاتے ہیں اور شخصیت کے ظاہر اور باطن دونوں کو مسخ کر دیتے ہیں۔

مفردات

وَ اِذَا: اور جب
جَآءُوْكُمْ: آتے ہیں آپ کے پاس
قَالُوْٓا: کہتے ہیں
اٰمَنَّا: ہم ایمان لے آئے
وَ: حالانکہ
قَدْ دَّخَلُوْا: وہ داخل ہو چکے ہیں
بِالْكُفْرِ: کفر کے ساتھ
وَ هُمْ: اور وہ
قَدْ خَرَجُوْا: بے شک نکلے ہیں
بِهٖ: اسی کفر کے ساتھ
وَ اللّٰهُ: اور اللہ
اَعْلَمُ: زیادہ جاننے والا ہے
بِمَا: اُسے جو
كَانُوْا: وہ تھے
يَكْتُمُوْنَ: چھپاتے

وَ تَرٰى: اور تم دیکھو گے
كَثِيْرًا: اکثریت کو
مِّنْهُمْ: ان میں سے
يُسَارِعُوْنَ: جلدی میں پڑے ہوتے ہیں
فِي: میں
الْاِثْمِ: گناہ
وَ الْعُدْوَانِ: زیادتی اور ظلم
وَ اَكْلِهِمُ: اور ان کے کھانے کی عادت
السُّحْتَ: حرام
لَبِئْسَ: بہت برا ہے
مَا كَانُوْا: جو کہ تھے وہ
يَعْمَلُوْنَ: کرتے

مفردات

❁ دوسری نشانی عدوان، زیادتی اور ظلم ہے جو اپنے علاوہ دوسروں کو اجاڑنے والے اعمال ہیں۔

❁ تیسری نشانی حرام خوری ہے۔ شاید اس سے اشارہ رشوت خوری اور اس قسم کے قومی اور ملی گناہ ہیں۔

گناہوں کی تینوں اقسام تباہ کن ہیں لیکن آیت میں ''یُسَارِعُوْنَ'' کا لفظ منافقوں کی طبیعت اور عادت کے مسخ ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ حرص زادے اور طمع زادے یہ گناہ جلدی جلدی کرتے ہیں تاکہ دوزخ یا کوئی انگارہ ان کے علاوہ کسی اور کی طرف نہ بڑھ جائے۔ قرآن مجید کہتا ہے منافقوں کے اعمال بہت برے ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

''ان کے مربی اور علماء انہیں گناہ کے کاموں اور حرام خوری سے منع کیوں نہیں کرتے بہت بُرا وہ کر رہے ہیں''۔

لَوْلَا: کیوں نہیں
يَنْهٰهُمُ: منع کرتے ان کو
الرَّبّٰنِيُّوْنَ: ربّ والے لوگ
وَالْاَحْبَارُ: اور علماء
عَنْ قَوْلِهِمُ: ان کے قول سے
الْاِثْمَ: گناہ آلود باتیں
وَاَكْلِهِمُ: اور ان کے کھانے سے
السُّحْتَ: حرام
لَبِئْسَ: بہت برا ہوا
مَا كَانُوْا: جو وہ تھے
يَصْنَعُوْنَ: وہ کرتے

اللہ والوں اور صاحبان علم وحکمت کی ذمہ داریاں

''ربانیون' ربانی'' کی جمع ہے اور یہ لفظ ربّ ہی کی طرف نسبت کی روشنی ہے۔ مراد ایسے لوگ ہیں جو علم وحکمت اور ذکر وعبادت کے جلوؤں میں لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ پرانی کتابوں میں یہ سابقہ اُمتوں کے نیک لوگوں کو کہا جاتا تھا خصوصاً عیسائی لوگ نیک اور صالحین کو ربّانی کہتے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سارے ہی اللہ والے ربّانی ہوتے ہیں۔

''احبار' حبر'' کی جمع ہے۔ اس سے مراد ایسے علمأ ہیں جو معاشرے پر اچھا اثر چھوڑیں لیکن زیادہ تر یہ لفظ یہودی علمأ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لفظی اعتبار سے بڑا عالم جو لکھ سکتا ہے وہ ''حبر'' ہوتا ہے۔ ہمارے درس نظامی پڑھنے پڑھانے والے بڑے عالم کو ''حبر النحریر'' کہہ دیتے ہیں۔

آیت نے مذہبی لوگوں، علم کے پاسداروں اور خدا سے محبت کے دعویداروں کی ذمہ داریاں بتائی ہیں کہ گھناؤنے جرائم اور گناہوں میں مستغرق لوگوں کو یہ علم والے منع کیوں نہ کرتے کہ وہ حرام خوری چھوڑ دیں اور کالے، گھمبیر اور سیاہ کرتوتوں کے مرتکب نہ ہوں۔

پہلی آیت اور اس آیت میں جو عمود ''نتیجی'' دیا گیا ہے وہ دلچسپ ہے کہ عام لوگوں کی ظلم پرستیوں کو بُرا عمل قرار دیا گیا ہے لیکن علماء مولویوں کی سستیوں، غفلتوں اور مذہب فروشیوں کو بری صنعت قرار دیا گیا ہے۔ ائمہ لغت نے لکھا ہے کہ ''یَعْمَلُوْنَ'' اور ''یَصْنَعُوْنَ'' میں فرق یہ ہے کہ صانع

اپنے تجربے، منصوبہ بندی اور مہارت کے ساتھ سب کچھ کرتا ہے (158) اشارہ اس طرف ہے کہ ناداں لوگ گناہ کرتے ہیں تو اس میں بے علمی اور بے سمجھی بھی ہوتی ہے لیکن علماء مولویوں کے کاموں میں تھوڑی استادی اور مہارت بھی ہوتی ہے اس لیے ان سے احتساب بھی کڑا رکھا گیا ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ
بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا
اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ
لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

(64) اور یہود نے کہا اللہ کا ہاتھ خالی ہے ان کے ہاتھ باندھ دیے گئے اور وہ رحمت سے دور ہوئے اس سبب سے جو انہوں نے کہا بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ اور بھرے ہوئے ہیں وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے اُن میں سے زیادہ تر لوگ تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا اس سے سرکشی اور کفر میں بڑھتے ہی جائیں گے اور ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیا تا بہ قیامت جب کبھی بھی وہ آتشِ جنگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد ہی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا

(65) اور یقیناً اہل کتاب اگر ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان سے ضرور ان کی بُرائیاں دور کر دیتے اور انہیں فردوسِ اَبد آباد میں ضرور داخل کر دیتے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

''اور یہود نے کہا اللہ کا ہاتھ خالی ہے ان کے ہاتھ باندھ دیے گئے اور وہ رحمت سے دور ہوئے اس سبب سے جو انہوں نے کہا بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کشادہ اور بھرے ہوئے ہیں وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے اُن میں سے زیادہ تر لوگ تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا اس سے سرکشی اور کفر میں بڑھتے ہی جائیں گے اور ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیا تا بہ قیامت جب کبھی بھی وہ آتش جنگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد ہی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا''۔

فہم آیت کا تاریخی پس منظر

یہود کی گناہ آلود تاریخ سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ یہ وہ شوخ و شریر قوم ہے جس کے ہفوات اور خرافات قلم کی نوک پر لانا بھی ایک مشکل امر ہے۔ یہ ٹھیک بات ہے کہ ماضی میں یہ کبھی اوجِ عظمت کے تابندہ ستارے بھی رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا تفوق، اقتدار اور طاقت اس کی پُرفضیلت مثالیں ہیں لیکن دردناک حقیقت ہے کہ انبیاء و صالحین کا قتل اور تہذیب و تمدن کی تباہیاں بھی ان کی تاریخی ظلمتیں ہیں۔

ظہورِ اسلام کے بعد ایک مرتبہ تو فطرت کے طاقتور ہاتھ نے ان کی ریشہ دوانیوں کے سلسلوں کی کڑیاں بکھیر دیں۔ بنونضیر، قریضہ اور خیبر کے یہودی کمزور پڑ گئے لیکن ان کے لہجوں کی گندگیاں ختم نہ ہوئیں۔ یہ ازراہِ مذاق ہفوات بکتے کہ اللہ کا ہاتھ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، اب وہ ہمیں نوازنے سے رہ گیا ہے۔ اس قسم کی باتیں کرنے والے فخاص بن عاذورا، بناش بن قیس اور دوسرے گندے لوگ تھے، ایسے بدقماش لوگوں کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت میں ''یَدُ اللّٰہِ'' سے مراد

آیت میں بلاغت دیکھیے کہ ''یَد'' مفرد ''یداہ'' تثنیہ اور ''اَیْدِیْھِمْ'' جمع لایا گیا ہے۔ اسی آیت

مفردات

وَقَالَتِ: اور کہا
الْيَهُوْدُ: یہود نے
يَدُ اللّٰهِ: ہاتھ اللہ کا
مَغْلُوْلَةٌ: بندھا ہے
غُلَّتْ: بندھے ہوئے ہیں
اَيْدِيْهِمْ: ان لوگوں کے اپنے ہاتھ
وَلُعِنُوْا: اور وہ لعنت کیے گئے
بِمَا: بسبب اس کے جو
قَالُوْا: کہا انہوں نے
بَلْ: بلکہ
يَدٰهُ: اس کے دونوں ہاتھ
مَبْسُوْطَتٰنِ: کھلے ہیں، وسیع ہیں
يُنْفِقُ: وہ خرچ کرتا ہے
كَيْفَ يَشَآءُ: جیسے وہ چاہتا ہے
وَلَيَزِيْدَنَّ: اور وہ ضرور زیادہ کرے گا
كَثِيْرًا: بہت سے لوگ
مِّنْهُمْ: ان میں سے
مَّآ اُنْزِلَ: جو اتارا گیا
اِلَيْكَ: تیری طرف
مِنْ رَّبِّكَ: تیرے ربّ کی طرف سے
طُغْيَانًا: سرکشی
وَّكُفْرًا: اور کفر
وَاَلْقَيْنَا: اور ڈالی ہم نے
بَيْنَهُمُ: درمیان ان کے
الْعَدَاوَةَ: دشمنی
وَالْبَغْضَآءَ: اور بغض
اِلٰى: تک
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ: قیامت کے دن

میں ہاتھ کا زنجیروں میں کسا ہوا ہونا مذکور ہے۔ اللہ کے دونوں ہاتھوں کا کھلا ہونا بھی ذکر کیا گیا ہے اور ان کے ہاتھوں کا مغلول ہونا بھی مذکور ہے۔ یہاں گوشت، ہڈی اور پوست والا ہاتھ مراد نہیں اس صورت میں سوال یہ ہے کہ ''یَدُ اللّٰہِ'' سے مراد کیا ہے، مفسرین نے ''یَد'' کے جو معانی مذکور ہیں علی الترتیب مختلف مقامات پر نقل کیے ہیں (159):

(1) ہاتھ
(2) نعمت
(3) قدرت
(4) طاقت اور مدد
(5) سلطنت اور حکومت
(6) تسلط
(7) شفقت اور رحمت
(8) جود و کرم
(9) خاص توجہ
(10) قرب وغیرہ

تردید کا احسن انداز

یہود کی تردید کرتے ہوئے آیت کہتی ہے کہ بے سروپا باتیں سبب ہیں ان یہودیوں کی پھٹکار اور لعنت کا، یہ ایسی بدکار قوم ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی کرنے سے باز نہیں آتی۔ ان کم ظرف لوگوں کی بدطینتی بیان کرنے کے بعد قرآن کہتا ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اور جس پر چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اس کا ارادہ ہر ایک پر نافذ ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

عداوت اور بغض کی سنگ باری

یہود ایک ایسی قوم ہے جس کے خصائل مذمومہ کی بنا پر لعنت، عداوت اور بغض ان کی تاریخ کے ساتھ چپکا دیا گیا۔ یہ لوگ ہمیشہ پراگندہ رہے، ان کے افکار منتشر رہے، عزم اور ارادہ کا ان کے ہاں فقدان رہا۔ یہ منافقتوں کی آڑ میں قوموں کو اجاڑتے رہے، قتل و غارت ان کی سازشوں کا ہمیشہ اہم ہدف رہا، مال و ثروت کی بنیاد پر یہ ہمیشہ دوسری قوموں میں اپنے آلۂ کار تلاش کرتے رہے۔ پاکستان میں ان کی معنوی اولاد مرزا غلام احمد گرداسپوری کی صورت میں پنپتی رہی، اعلیٰ مناصب تک یہ رسائی

مفردات

کُلَّمَآ: جب کبھی بھی
اَوْقَدُوْا: جلائی انہوں نے
نَارًا: آگ
لِّلْحَرْبِ: جنگ کے لیے
اَطْفَاَھَا: بجھادی اسے
اللّٰہُ: اللہ
وَیَسْعَوْنَ: اور کوشاں ہوئے ہیں
فِی الْاَرْضِ: زمین میں
فَسَادًا: فساد کے لیے
وَاللّٰہُ: اور اللہ
لَا یُحِبُّ: پسند نہیں کرتا
الْمُفْسِدِیْنَ: فسادیوں کو

پا گئے۔ خدانخواستہ خاکم بدہن اگر اس ملک کو کچھ ہو گیا تو یہ یہودیوں ہی کا منطقی جال ہو گا جس کا سُوت احمدیوں نے کاتا، یہ اعلیٰ منصبوں پر پہنچنے والے لوگوں میں اپنی خوبرو لڑکیوں کے ذریعے رشتے استوار کرنے میں کامیابی پا گئے، اللہ نے ہمیشہ ان کی بھڑکائی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ منطقہ حجاز میں اللہ نے ان کا زور توڑ کر انہیں ذلیل کیا اور قرآن پڑھنے والوں کو حوصلہ دیا، ہمت دی خصوصاً یہ آیت پڑھ کر مسلمانوں کے دل میں اعلیٰ وارفع جذبات جاگ اٹھتے ہیں۔

وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۶۶﴾

''اور یقیناً اہل کتاب اگر ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان سے ضرور ان کی بُرائیاں دور کر دیتے اور انہیں فردوسِ اَبد آباد میں ضرور داخل کر دیتے''۔

قرآن حکیم کتابِ انسانیت ہے۔ یہ ایک ایسا ''سدا فیض'' چشمہ ہے جس سے ہر مذہب مستفیض ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم ایمان کے بنیاد پر تقویٰ کی صورت میں ایک مبسوط کردار دیتا ہے جو جس جسم اور روح میں داخل ہو وہیں خوشبو پیدا کرتا ہے۔ ''اہل الکتاب'' متعصب قومیں ہیں وہ روشنی نہیں دیکھتیں، دیکھتی ہیں کسی مذہب کا دیا کس کمہار نے بنایا ہے۔ ان کے متعصّبانہ رویے انہیں ذلت کی دلدل میں دبا لیتے ہیں۔ قرآن حکیم کی آواز مصلحانہ ہے کہ وہ ایمان اور تقویٰ کی طرف ہیں تا کہ مقصدِ انسانیت کی تکمیل ہو۔ آج بھی انسانیت سوز کرتوتوں کی جڑیں یہودیوں کی زمینوں میں اُگتی ہیں اور قافلۂ انسانیت تباہی کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

وَلَوۡ: اور اگر
اَنَّ: تحقیق
اَهۡلَ الۡكِتٰبِ: کتاب والے
اٰمَنُوۡا: ایمان لے آتے
وَاتَّقَوۡا: اور پرہیزگار ہو جاتے
لَكَفَّرۡنَا: البتہ مٹا دیتے ہم
عَنۡهُمۡ: ان سے
سَيِّاٰتِهِمۡ: گناہ ان کے
وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ: اور البتہ داخل کرتے ہم ان کو
جَنّٰتِ: باغوں میں
النَّعِيۡمِ: نعمت والے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

(66) اور اگر وہ تورات اور انجیل پر قائم رہتے اور اس پر جو ان کے ربّ کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا تو وہ ضرور کھاتے اُوپر سے بھی اور پاؤں کے نیچے سے بھی، ان میں سے ایک گروہ معتدل ہے جبکہ ان کی اکثریت بُرے کام کر رہی ہے

(67) اے رسول! پہنچا دیجیے جو نازل کیا گیا آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا پیغامات الٰہیہ کی تبلیغ نہ کی اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا بے شک اللہ ڈھیٹ منکروں کو ہدایت نہیں فرماتا

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾

''اور اگر وہ تورات اور انجیل پر قائم رہتے اور اس پر جو ان کے ربّ کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا تو وہ ضرور کھاتے اُوپر سے بھی اور پاؤں کے نیچے سے بھی، ان میں سے ایک گروہ معتدل ہے جبکہ ان کی اکثریت بُرے کام کر رہی ہے''۔

آیت مذکورہ میں آیات بینات پر عمل پیرا ہونے کی روحانی اور مادی برکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ لوگ اگر نظم کائنات کی علت کو سمجھ کر مقصد تخلیق کا فہم حاصل کر لیتے تو روحانی قیادتوں کی دعوات سے اعراض نہ برتتے، بے رخی نہ کرتے، تورات کو تورات سمجھتے اور انجیل کو انجیل مانتے اور ان کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوتے تو برکات کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے اور اوپر نیچے سے ان کی روزی کے ذرائع ان کی خوشیوں اور مسرتوں کی ضمانت دیتے، ان پر رزق کی وسعت اور کشائش ہوتی۔

مفسرین نے لکھا اوپر سے نوازش ہونے کا مطلب بارانِ رحمت کا نازل ہونا ہے یا درختوں پر پھلوں کا خوب اترنا ہے۔ نیچے سے کھانے کا مطلب زمین سے نباتات کا خوب اُگنا ہے(160)۔

یہاں تورات اور انجیل پر قائم ہونا اس طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے منزل ہونے کی خبریں بھی پہنچی تھیں اور ان سے یہ عہد بھی لیا گیا تھا کہ حضور ﷺ کی بعثت پر ان سب کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ ہی سے وابستہ ہونے کا عہد پورا کرنا ہوگا۔ اقامت تورات اور اقامت انجیل کا یہی روحانی معنیٰ ہے جو اقوام عالم کی توجہ چاہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

''اے رسول! پہنچا دیجیے جو نازل کیا گیا آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا پیغامات الٰہیہ کی تبلیغ نہ کی اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا، بے شک اللہ ڈھیٹ منکروں کو ہدایت نہیں فرماتا''۔

شان نزول

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں:

مفردات

وَلَوْ: اور اگر
اَنَّهُمْ: تحقیق وہ لوگ
اَقَامُوا: قائم کر لیتے
التَّوْرٰىةَ: تورات
وَالْاِنْجِيْلَ: اور انجیل
وَمَآ: اور جو
اُنْزِلَ: اتارا گیا
اِلَيْهِمْ: ان کی طرف
مِّنْ رَّبِّهِمْ: ان کے پروردگار کی طرف سے
لَاَكَلُوْا: البتہ وہ کھاتے
مِنْ: سے
فَوْقِهِمْ: ان کے اوپر سے
وَمِنْ: اور سے
تَحْتِ: نیچے سے
اَرْجُلِهِمْ: ان کے پاؤں
مِنْهُمْ: ان میں سے
اُمَّةٌ: ایک گروہ ہے
مُّقْتَصِدَةٌ: درمیانی
وَكَثِيْرٌ: اور زیادہ
مِّنْهُمْ: ان میں سے
سَآءَ: برے ہیں
مَا يَعْمَلُوْنَ: جو وہ کام کرتے ہیں

يٰٓاَيُّهَا: اے
الرَّسُوْلُ: رسول معظم
بَلِّغْ: تبلیغ فرمائیے
مَآ اُنْزِلَ: جو اتارا گیا
اِلَيْكَ: آپ کی طرف

''یہودِ مدینہ نے جب دیکھا کہ قافلۂ اسلام بڑی تیزی سے منزل کی طرف گامزن ہے لیکن منافقین نے کمزور لوگوں میں کم ہمتی پیدا کرنا چاہی اور دھمکیاں عام کر دیں کہ وقت نزدیک ہے جب یہود مسلمانوں کو قتل کر دیں گے۔ ہاں اگر مسلمان تبلیغ سے باز آجائیں تو ان کے اموال مسلمانوں کی معیشت پر بے دریغ خرچ کیے جائیں گے۔ اس قسم کی باتیں جب عام ہوگئیں تو سو آدمیوں کی مضبوط جماعت حضور ﷺ کی حفاظت کے لیے ساتھ ساتھ رہنے لگی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ کی حفاظت جب اللہ نے اپنے ذمہ لے لی تو آپ ﷺ نے حفاظتی دستہ کو امر کیا کہ وہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں''(161)۔

شانِ نزول کی شاندار روایت

علامہ واحدی نیشاپوری، فخر الدین رازی، رشید رضا، جلال الدین سیوطی، قاضی شوکانی، ابن صباغ مالکی، بدر الدین عینی اور ابن عساکر شافعی نے یہ روایت نقل کی، الفاظ اگرچہ سب کے اپنے اپنے ہیں لیکن مفہوم واحد ہے، سب کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے(162)۔

رسول اکرم ﷺ اپنی ظاہری حیات مبارکہ کے آخری حصہ میں تھے۔ آپ نے ''حجۃ الوداع'' کے ارکان ادا کیے آپ کا قافلہ باشکوہ تھا۔ آپ کے ساتھیوں کے دل اور روحیں روحانی خوشی سے سرشار تھیں۔ آپ کی ہمراہی کا اعزاز اس مرتبہ تقریباً تمام بلاد و امصار میں سے آئے ہوئے مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ ایک مفسر نے درست لکھا کہ سرزمین حجاز کا سورج درّوں اور پہاڑوں پر آگ برسا رہا تھا لیکن اس سفر کی بے نظیر روحانی مٹھاس تمام تکلیفوں کو حیرت ناک خوشیوں میں تبدیل کیے ہوئی تھی۔ زوال کا وقت نزدیک تھا آہستہ آہستہ ہوا یہ کہ جحفہ کی سرزمین اور اس کے بعد خشک اور جلا نے والے ''غدیر خم'' کے بیابان نظر آنے لگے۔

جمعرات کا دن تھا اور ہجرت کا دسواں سال، عید قربان کے بعد آٹھ دن گزر چکے تھے۔ اچانک آواز بلند ہوئی اور منادی نے تمام لوگوں کو چوراہے میں روک لیا۔ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے ساتھ نماز ظہر ادا کی، حضور ﷺ بعد ازاں ایک عارضی سائبان کے نیچے سادہ سی اونچی جگہ کھڑے ہوئے جسے منبر کہا جاسکتا ہے اور آپ نے اللہ کی حمد بیان کی اور لوگوں سے ایک سوال پوچھا:

''لوگو! اگر میں تمہارے درمیان سے اللہ کی دعوت پر
لبیک کہہ دوں تو تم میرے بارے میں کیا گواہی دو گے''؟

مفردات

مِنْ: سے
رَّبِّكَ: آپ کے ربّ کی طرف سے
وَاِنْ: اور اگر
لَّمْ تَفْعَلْ: آپ نہ کر سکے
فَمَا: تو نہیں
بَلَّغْتَ: تبلیغ فرمائیے
رِسَالَتَهٗ: اپنے پیغامات کی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يَعْصِمُكَ: بچائے گا آپ کو
مِنَ: سے
النَّاسِ: لوگوں
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا يَهْدِي: ہدایت نہیں دیتا
الْقَوْمَ: قوم
الْكٰفِرِيْنَ: منکر لوگ

لوگوں نے بلند آواز میں کہا:
ہماری گواہی آپ کے صدق کی ہوگی کہ آپ نے فریضۂ
رسالت انجام دے دیا، ہماری ہدایت کے لیے کوشاں ہوئے
اسی موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:
''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں: پہلی چیز تو اللہ
کی کتاب ہے اور دوسری چیز میری عترت ہے۔ یہ دونوں
کبھی آپس میں سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ
جنت میں مجھ سے آملیں''۔

خطبے کا ملخص یہ کہ آپ نے اسی مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اتنا بلند کیا کہ دونوں کی بغلوں کے نیچے کی سفیدی نظر آنے لگ گئی، پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

''لوگو!
خدا میرا مولا اور رہبر ہے!!!!!
اور میں تمام مومنوں کا مولا ہوں!!!!!
اور یاد رکھو!!!!!
جس کا میں مولا ہوں یہ علی بھی ان کے مولا ہیں!!!!!
آسمان کی طرف دیکھ کر پھر دعا فرمائی:
اے اللہ!
جو اسے دوست رکھے تُو اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تُو اس سے دشمنی رکھ
اے اللہ!
تو اُسے محبت دے جو اس سے محبت رکھے اور اُس کے ساتھ بغض رکھ جو علی کے ساتھ بغض رکھے
اے اللہ!
جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اس کی مخالفت کرے تُو بھی اسے ذلیل کر
''اے اللہ!
جدھر علی پھرے تو حق کو بھی ادھر پھیر دے''۔

روایت سے مسالک اور مذاہب کے اثبات کی کوہ کنی اگر نہ کی جائے اور اس عظیم اور فضیلت مآب

روایت کو علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے ساتھ ہی جوڑا جائے تو مسلمانوں کا فائدہ ہوسکتا ہے اور ان بدبخت روحوں کو شئوم سے بچایا جاسکتا ہے جو بغض علی کی ظلمت میں الجھے ہوئے ہیں۔ محبت والوں کے لیے تو روشنی ہی روشنی ہے۔

حریم محبت میں بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے:

دل مٹے بھی تو تیری گلی میں
خاک ہو تو تیری خاکِ پا ہو
اس کا نام و نشان پوچھنا کیا
جو تیری راہ میں مٹ گیا ہو
میری مشکل کو آسان کر دو
یا علی رضی اللہ عنہ آپ مشکل کشا ہو

روایت کو ضعیف کہنے کی مالا جپنے والوں سے اتنی ہی عرض کی جاسکتی ہے:

محفل میں تو شوخی سے کیے قتل ہزاروں
خلوت میں جو آئے ہیں تو شرمائے ہوئے ہیں
اس پر بھی وہ ملتے ہیں تو ایمان ہے ان کا
غیروں سے جو ملنے کی قسم کھائے ہوئے ہیں (بے دل)

آیت میں خطاب

آیت محبت کے سمندر میں عقیدتوں اور اطاعتوں کے مدوجزر پیدا کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب اظہار کرم ہے، عزت افزائی کا معجز بیان ہے، آپ کو نام لے کر نہیں پکارا گیا، ''اے رسول معظم'' کہا گیا۔ اس میں محبت کا قرب اور مدد دونوں عظیم تر محسوس ہوتے ہیں اور یوں اس دلربائی اور اعزاز افزائی کے ماحول میں ذمہ داریوں کا تعین بھی کر دیا گیا ہے اور کہا گیا کہ آپ تبلیغ فرمائیں اور قرآن حکیم کو نصاب تبلیغ بنا کر امت کو دماغ پرستی سے چھٹکارا دیں اور بتائیں کہ قرآن ہی مشعل ہدایت ہے، نورِ مبین ہے اور صحیفۂ نجات ہے۔ اس سے جو کچھ ہٹ کر اختیار کیا جائے وہ گمراہی ہے۔

ایک جملہ کی عجیب تشریح

اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو تبلیغ رسالت کا سارا کام ادھورا رہ جائے گا سو آپ کو پورے زور سے تبلیغ قرآن کا کام کر کے تبلیغ رسالت کا فیض مکمل کر دینا چاہیے۔ تبلیغِ قرآن اور تبلیغِ رسالت دو الگ

الگ کام نہیں، دونوں اظہار کے اپنے اپنے رنگ اور جلوے ہیں جو دونوں گلاب اور عرقِ گلاب کی آمیزش رکھتے ہیں۔ اس راہ میں کوئی خوف، اندیشہ، وسوسہ اور غیر قرآنی فکر سدِّ راہ اور سدِّ عمل نہ بننے پائے، آپ کی حفاظت کا ذمہ دار اللہ ہے۔

قرآن کی آیت اپنے بلاغت بھرے اسلوب کے ساتھ واضح ہے۔ زور سارا ''تبلیغ ما انزل'' پر ہے یعنی آپ اے محبوب! یہودیوں اور منافقوں کو اٹھا کر صحرا میں پھینکیں، یہ مشیران بے وفا قرآنی راہوں کو مسدود کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن تو ایک شجرِ مقدس ہے جس کی جڑیں زمین میں اور شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس شجرِ مقدس پر اگر کوئی اپنے افکار کی اکاس بیل پھینک دے گا تو یہ درخت ''برومند'' نہیں ہو سکے گا۔ اس درخت کے ثمرات سے لذت یابی کے لیے ضروری ہے کہ اسے ہی تبلیغ کا نصاب بنایا جائے، باقی اسلوب کا تناؤ ''محبوبِ مخاطب'' کے لیے نہیں ہے ان لوگوں کے لیے ہے جو قرآن کو تبلیغ کے نصاب سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں۔

نصِ قرآن کو کسی عظیم ہستی کی جانشینی سے جوڑنا عجیب تر ہے۔ علم و حکمت کے اس مخزن کو کسی قوم یا گروہ کی رسم تاجپوشی کی ضرورت نہیں، وہ عظیم ہستیاں خود اپنی ذات ہی میں عظیم تھیں۔ شان نزول کی روایات سے یہ معنیٰ پوری طرح ہم آہنگ ہے کہ حضور ﷺ نے اسی ہستی کا ہاتھ بلند کر کے اسے قرآن کے ساتھ جوڑا جس کی آواز نے قیامت تک تمام انسانی حلقوں میں جرأت کے ساتھ پہنچنا تھا اور ضرورت بھی علی رضی اللہ عنہ ہی کی تھی اس لیے کہ یہودی واحد اسی ہستی کے ذاتی دشمن بن چکے تھے اور ویسے بھی ہر گھر میں علی رضی اللہ عنہ کا کوئی مارا موجود تھا، ضرورت تھی کہ حضور ﷺ علی رضی اللہ عنہ سے اپنی محبتوں کا تجزیہ کرتے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾

(68) فرما دیجیے! اے اہل کتاب تم کچھ نہ پا سکو گے جب تک کہ تورات اور انجیل اور تمہارے ربّ کی نازل کردہ دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو اور بڑا یقینی اور ضروری امر ہے کہ آپ پر نازل شدہ ہدایت نامہ ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار میں اضافہ ہی کرے گا پس منکر قوم کا غم نہ کھایئے

(69) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہوئے اور صابی اور عیسائی جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا بے شک ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

''فرما دیجیے! اے اہل کتاب تم کچھ نہ پا سکو گے جب تک کہ تورات اور انجیل اور تمہارے ربّ کی نازل کردہ دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو اور بڑا یقینی اور ضروری امر ہے کہ آپ پر نازل شدہ ہدایت نامہ ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار میں اضافہ ہی کرے گا پس منکر قوم کا غم نہ کھایئے''۔

قرآن کی آیات ایسے برس رہی ہیں جیسے بارانِ رحمت برس رہی ہے۔ ماحول دہل رہا ہے اور ہر شئ نکھری ہوئی نظر آ رہی ہے۔ حضور ﷺ اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایک واضح لہجہ اور اسلوب میں یہود و نصاریٰ کو حقیقی دین کے خدوخال سے آگاہ فرما رہے ہیں۔ دعوت میں تشویق ہے، شباب ہے اور اظہار کا تیز بہاؤ ہے۔ لفظ ''قُلْ'' آشکار کرتا ہے کہ محبوب کی زبان میں صداقت کی گل افشانی سے یہودیوں کو سمجھایا گیا کہ تمہاری تحریکی چلت پھرت کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی تمہاری باتیں ٹھوس حقیقت پر مبنی ہیں۔ تمہارا ہر دعویٰ باطل ہے، تمہارا ضمیر تمہیں اس بات پر بھی راضی نہ کر سکا کہ تم تورات اور انجیل کو قائم کر لیتے۔ ادیان لفظوں کی مالا جپنے کا نام نہیں ہوتا اور نہ ہی آیتوں کی قوالی کوئی معنیٰ رکھتی ہے اور یہ بھی کہ مذہب ترکہ اور وراثت کی تقسیم کا نام بھی نہیں ہوتا۔ ٹھوس اور فضیلت مآب دین کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ ستھرے اور سچے نظریوں سے روشناس کراتا ہے۔ ان میں نظام بندگی مذہب کے راسخ ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ آیت اپنے ''مافی الباطن'' کو پوری طرح کھول دیتی ہے کہ اہل کتاب جب تک دینِ محمد ﷺ پر وثوق اور رسوخ سے عمل پیرا نہ ہو جائیں وہ تورات اور انجیل کی اقامت کے دعوے میں درست نہیں ہو سکتے (163)۔

اصولی تعلیمات کا جب قرآن نے چراغاں کیا تو من وجہ مسلمانوں کو بھی سمجھا دیا گیا کہ جو کچھ محمد ﷺ کے مبارک دل پر اتارا گیا اہل کتاب اور مسلمان خلوص سے اس کی اقامت کی سعی کریں۔

آیت میں قرآن کا گہرا تجزیاتی مطالعہ اور جائزہ بھی موجود ہے کہ اہل کتاب کی دینی حیثیت کو جب فیصلہ کن اور دوٹوک انداز میں چیلنج کیا جائے گا تو وہ طغیان، سرکشی، بے دینی، بدعملی، فسق اور کفر میں مزید آگے بڑھیں گے۔ حسد اور عناد کی آگ میں جلیں گے، ان کی کج بحثیوں میں اضافہ ہوگا لیکن حضور ﷺ

مفردات

قُلْ: فرما دو
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ: اے اہل کتاب
لَسْتُمْ: تم نہیں ہو
عَلٰى: پر
شَيْءٍ: کسی چیز
حَتّٰى: یہاں تک کہ
تُقِيْمُوا: تم قائم ہو جاؤ
التَّوْرٰىةَ: تورات پر
وَالْاِنْجِيْلَ: اور انجیل پر
وَمَآ: اور جو
اُنْزِلَ: اتارا گیا
اِلَيْكُمْ: تمہاری طرف
مِّنْ رَّبِّكُمْ: تمہارے ربّ کی طرف سے
وَلَيَزِيْدَنَّ: اور البتہ وہ اور زیادہ آگے بڑھیں گے
كَثِيْرًا: بہت سا
مِّنْهُمْ: ان میں سے
مَّآ: جو
اُنْزِلَ: اتارا گیا
اِلَيْكَ: آپ کی طرف
مِنْ رَّبِّكَ: تیرے ربّ کی جانب سے
طُغْيَانًا: سرکشی میں
وَّكُفْرًا: اور کفر میں
فَلَا: تو نہیں
تَاْسَ: کوئی افسوس
عَلَى: پر
الْقَوْمِ: قوم
الْكٰفِرِيْنَ: کفر کرنے والے

کو حکم دیا گیا آپ اعلانِ حق کر ہی دیں اور یہودیوں اور کافروں کی سرکشی کی پرواہ نہ کریں اور اس حکمت کا شعور عام کر دیں کہ اعلان حق بہ انگ دہل کیا جا رہا ہے، جو ہونا ہے بس ہو جائے قومِ کافر کی کیا پرواہ کہ وہ کیا کرتے ہیں، بات تو سچ کی ہے۔

سید قطب کے الفاظ خوبصورت ہیں (164):

''اللہ کا دین کسی جھنڈے کا نام نہیں اور اس کی کوئی خاص یونیفارم بھی نہیں، یہ کسی وراثت اور ترکہ کا نام بھی نہیں، اس کی سچائیاں تو دل اور روح میں بیٹھتی ہیں اور پھر زندگی کے مختلف گوشوں میں نمودار ہوتی ہیں۔ دین اگر زندگی میں کاملۃً نہ اتارا جائے تو اس کی جو بھی صورت ہوگی وہ ضمیروں کا فریب ہوگا اور تحرکات کا دھوکہ ہوگا اور مسلمان بہرحال فریب میں نہیں آسکتے''۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَ النَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہوئے اور صابی اور عیسائی جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا بے شک ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

آیت میں فہم کی خوشبو

آیت میں ''الَّذِیْنَ'' سے مراد مسلمان ہیں ''الَّذِیْنَ هَادُوْا'' سے مراد یہودی ہیں اور ''الصّٰبِـُٔوْنَ'' سے مراد وہ طبقہ ہے جو کسی زمانہ میں توحید کے عقیدہ پر تو رہا ہو لیکن انحراف کی باقی بدتمیزیاں ان میں موجود ہوں لیکن وہ خود کو حضور ﷺ کے زمانے میں معدوم کر بیٹھے تھے۔ بعض قدیم تحریروں میں ان کی ستارہ پرستی کی باتیں بھی سامنے آئی ہیں۔ ہو نہ ہو آسمانی سائنسی علوم میں وہ لوگ جو زیادہ دلچسپی رکھتے ہوں لیکن انبیاء کی باتوں کو کچھ نہ سمجھتے ہوں وہ حضور ﷺ کے مبارک زمانے سے پہلے صابی کہلاتے ہوں۔

قرآن مجید نے تاریخی تناظر میں دو مرتبہ ان کا ذکر کیا ہے لیکن آیت کا مدعا یہ ہے کہ سمجھ لیا جائے کہ یہودی ہوں یا عیسائی یا صابی دہریے ہوں یا وہ نام کے مسلمان بھی ہوں حضور ﷺ سے پہلے جو بھی

مفردات

اِنَّ: بے شک
الَّذِیْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
وَالَّذِیْنَ: اور وہ جو
هَادُوْا: یہودی ہوئے
وَالصّٰبِـُٔوْنَ: اور صابی ہوئے، وہ لوگ جو کسی آسمانی دین کو مانتے ہوں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ان میں انحراف آ گیا ہو، ان لوگوں کی بدلی ہوئی شکل شرک تک جا پہنچی تھی
وَالنَّصٰرٰی: اور نصرانی، عیسائی
مَنْ اٰمَنَ: جو بھی ایمان لایا
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ: اور پچھلے دن پر
وَعَمِلَ: اور عمل کیا
صَالِحًا: اچھا
فَلَا خَوْفٌ: تو خوف نہ ہوگا
عَلَیْهِمْ: ان پر
وَلَا هُمْ: اور نہ وہ
یَحْزَنُوْنَ: غمگین ہوں گے

ہوں اور ان کے مذہبی اطلاقات جس بھی قسم کی رسمیت رکھتے ہوں اب عقائدِ حقہ، ایمانیاتِ راسخہ اور اعمالِ صالحہ کی خوشبو حضور ﷺ کے دامن سے سونگھنی ہوگی اور سچائی کا درس قرآن کے معلم سے سننا ہو گا۔ آیت کا معنیٰ یہ نہیں کہ خاتم النبیّین ﷺ کو چھوڑ کر بس صرف توحید مان لی جائے اور آخرت پر یقین کر لیا جائے تو کام چل سکتا ہے، معنیٰ یہ ہے کہ جنت نگر میں آنے کے لیے ضروری نہیں کہ بندہ کی جم پل بھی اسلام میں ہوئی ہو، کسی بھی مذہب کا کوئی بھی شخص اپنے پرانے کرتوتوں سے تائب ہو کر دامن محمد یہ میں پناہ لے سکتا ہے اور جنت کی بے خوف، پُرامن اور پُرسکون دنیا کی لذتوں سے ہمکنار ہونے کی منزل پا سکتا ہے۔ صلحِ کلی کے حامی اس آیت سے بہت کچھ مفاد پرستیوں نے مطلب لینا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے درس بس اس میں ہے کہ وہ مان لیں کہ سارے نبی حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیّین ہونے پر متفق ہیں، مذہب ان ہی کا درست ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ پورے قرآن کی ہزاروں آیتیں جو کہتی ہیں اس واحد آیت کا معنیٰ بھی وہی ہے جو ان آیتوں میں موجود ہے۔

تیسرا یہ کہ آیت کمال ایمان کی بات کرتی ہے زوال ایمان کی بات نہیں کرتی۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱

(70) ہم نے اولادِ یعقوب سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھیجے مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی عظیم المرتبت رسول تشریف فرما ہوئے کوئی ایسا پیغام لے کر جو ان کے نفس کو پسند نہ آیا تو ایک گروہ کی تکذیب کی اور بعض دوسروں کے قتل کے درپے ہو گئے

(71) اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی فتنہ رونما نہ ہوگا تو وہ اندھے بن گئے اور بہرے پھر اللہ نے رجوع رحمت فرمایا پھر وہ بہت سی تعداد میں اندھے اور بہرے بن گئے اور اللہ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝

''ہم نے اولادِ یعقوب سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھیجے مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی عظیم المرتبت رسول تشریف فرما ہوئے کوئی ایسا پیغام لے کر جو ان کے نفس کو پسند نہ آیا تو ایک گروہ کی تکذیب کی اور بعض دوسروں کے قتل کے درپے ہو گئے''۔

آیت متلو میں پانچ چیزیں غور وفکر کا تقاضا کرتی ہیں:

- پہلی چیز بنی اسرائیل کے میثاق کی تاریخ ہے۔ اس عہد کی بار بار یاد دہانی حضور ﷺ کی تصدیق، ان کی اطاعت اور ان سے وابستگی کا عزم نو دیتی ہے تاکہ حسد اور بغض کا غبار چھٹ جائے اور یہود و نصاریٰ اپنی حقیقی اصلاح کی طرف آسکیں۔
- دوسری چیز بنی اسرائیل کی اصلاح اور ہدایت کے لیے انہیں ان کی تاریخ یاد کرانا ہے گویا انحرافات کا ایک جنگل ہے جو اہل کتاب کی تاریخ میں نظر آتا ہے۔ ان کی روحانی آبادی انحرافات سے ان کی سچی توبہ میں مضمر ہے۔
- تیسری چیز رسولوں کی بعثت پر قوموں کا انفرادی اور اجتماعی رویہ ہے۔ آیت کہتی ہے کہ یہود اور عیسائی شہوات میں پڑ گئے۔ ان کے میلانات منفی ہو گئے۔ وہ عہد و وعد کے بھلانے والے بن گئے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ تفرقہ بازی کے نشہ میں مبتلا ہو گئے۔
- چوتھی چیز یہ کہ ''بنو اسرائیل'' کا مائینڈ سیٹ تباہ ہو گیا، وہ شر کو خیر سمجھنے لگ گئے اور نفوس کی غلامی اور پرستش ان کا دین بن گیا۔ اشیاء کو پرکھنے کی کسوٹی ہی اگر تباہ ہو جائے تو اصلاح و ہدایت کی نسیم صبح خنکی اور خوشگواری کہاں سے بانٹے گی۔
- اور پانچویں چیز حقائق کی تکذیب ہے۔ تکذیب کے کنبے کے تمام افراد بدماش اور بدمعاش ہوتے ہیں، کسی میں بھی شرافت نہیں ہوتی اور قتل مقاتلے کا بھی یہی حال ہے۔ یہ دونوں ام امراض ہیں، اللہ قوموں کو ان منحوس چیزوں سے محفوظ رکھے۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

''اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی فتنہ رونما نہ ہوگا تو وہ اندھے بن گئے اور بہرے پھر اللہ نے رجوع رحمت فرمایا

مفردات

لَقَدْ: بے شک
اَخَذْنَا: لیا ہے ہم نے
مِيْثَاقَ: پختہ عہد
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: بنی اسرائیل سے
وَاَرْسَلْنَآ: اور بھیجے ہم نے
اِلَيْهِمْ: ان کی طرف
رُسُلًا: بہت رسول
كُلَّمَا: جب کبھی
جَآءَهُمْ: آئے ان کے پاس
رَسُوْلٌ: کوئی عظمت والے رسول
بِمَا: ساتھ اس کے جو
لَا تَهْوٰٓى: پسند نہ آئے، ان کی خواہشات اور میلانات کے خلاف
اَنْفُسُهُمْ: ان کے نفسوں کو
فَرِيْقًا: ایک گروہ کو
كَذَّبُوْا: جھٹلا دیا انہوں نے
وَفَرِيْقًا: اور ایک فریق کو
يَّقْتُلُوْنَ: قتل کرنے لگ گئے

وَحَسِبُوْٓا: اور گمان کیا انہوں نے
اَلَّا: یہ کہ نہ
تَكُوْنَ: ہو
فِتْنَةٌ: فتنہ
فَعَمُوْا: تو ہو گئے اندھے

پھر وہ بہت سی تعداد میں اندھے اور بہرے بن گئے اور اللہ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے''۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی تاریخی آزمائشیں قرآن حکیم ذکر کر رہا ہے۔ ''فِتْنَةٌ'' اگر احتساب اور شدید پکڑ کے معنوں میں ہو تو پھر ان قوموں کا اندھا بہرا بن کر قانون حق سے اِبا اور انکار ہے، جس طرح ان لوگوں نے طوفان بدتمیزی اختیار کر کے اعراض کی روش اختیار کی، کتاب کو بدلنے کا جرم کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتشار عقیدہ کا شکار ہوئے وہ فتنہ ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار رحمت نوازی کی لیکن یہ لوگ اپنی توبہ اور مراجعت پر قائم نہ رہ سکے تاریخ متزلزل رہی۔ بگاڑ کی تاریخ کا ایک مرقع قرآن حکیم کے قارئین کے نام کیا جاتا ہے۔

یہ باتیں ان کے عقیدہ کے مطابق ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھا لیے گئے۔

ایک انسائیکلو پیڈیا طوفان بے ادبی کا نقشہ یوں کھینچتا ہے (165):

> ''عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان لوگوں نے پہلی میٹنگ تین سو تیئس (323) عیسوی میں کی اور اعلان کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں۔ اس فیصلے کا انہوں نے نام رکھا نیکین کریٹ (NAKIONKRITE) صاف کہہ دیا کہ یسوع خدا ہیں۔ آگے جا کے بحث پیدا ہوگئی کہ ان میں خدا ہونے اور انسان ہونے کی نسبت کیا ہے۔ سو دو سو سال تک یہ الجھے رہے، بڑی مشکل سے ایک دوسری میٹنگ طے پائی، یہ اجلاس چار سو اکاون (451) عیسوی میں ہوا۔ اس دوسری میٹنگ کا نام انہوں نے کالی ڈان رکھا۔ اس میں طے پایا کہ عیسیٰ علیہ السلام میں دونوں کیفیات موجود ہیں یعنی پچاس فی صد آپ انسان ہیں اور پچاس فی صد خدا ہیں۔ اس سے ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا کہ انسانی خواہشات اور خدائی آرزوئیں الگ الگ ہوتی ہیں، ان میں تطبیق کون دیتا ہے۔ تیسری سٹیج کی میٹنگ ہوئی اور یہ چھے سو اسی (680) عیسوی میں ہوئی

مفردات

وَصَمُّوْا: اور بہرے
ثُمَّ: پھر
تَابَ اللّٰهُ: اللہ نے توجہ فرمائی
عَلَيْهِمْ: ان پر
ثُمَّ: پھر
عَمُوْا: اندھے ہوئے
وَصَمُّوْا: اور بہرے ہوئے
كَثِيْرٌ: بہت سے
مِّنْهُمْ: ان میں سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
بَصِيْرٌ: دیکھنے والا
بِمَا: جو
يَعْمَلُوْنَ: وہ کرتے

مقام قسطنطنیہ تھا۔ یہاں اعلان کیا گیا کہ خدا اور عیسیٰ ماہیت، مرضی اور مشیت میں الگ الگ ہیں لیکن یہ ساری چیزیں جناب عیسیٰ میں جمع ہوگئی ہیں۔ چوتھی میٹنگ (1958ء) میں ہوئی، فیصلہ ہوا کہ عیسائیوں نے یہودیوں کو عیسیٰ کا قتل معاف کر دیا ہے اور ہوا یہ کہ عیسیٰ کو قتل کیا گیا ہے لیکن مارنے کے بعد انہیں آسمانوں پر اٹھا دیا گیا''۔

آیت کا مطالعہ کرنے والے شائقین!

یہ طوطا کہانی تفسیر میں لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں بات اتنی ذہن میں ڈال لینا ہے کہ قومیں جب تباہ ہوتی ہیں تو وہ خدا کے دیے گئے اتفاقاتِ اصلاح سے مستفید نہیں ہوتیں۔ وہ اندھے اور بہرے بن کر مذہبی جرائم کا ارتکاب کرتے جاتے ہیں، کم از کم مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ طبقہ کوئی بھی ہو ان کے کرتوتوں کو دیکھنے والا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان لوگوں کی ان دو تباہیوں کی طرف اشارہ ہو جو شاہ اسود اور شاہ بابل کے مظالم کی صورت میں ہوئیں۔ سورۂ بنی اسرائیل نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے (166)۔

واللہ اعلم

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ
اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾
اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

(72) بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا اے اولادِ یعقوب! اللہ کی عبادت کرو جو میرا ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے یقیناً جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنّم ہوتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا

(73) بے شک کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا اللہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ ایک معبود کے سوا کوئی الٰہ نہیں اگر یہ لوگ اپنے پراپیگنڈے سے باز نہ آئے تو ان میں سے انکارِ حق کرنے والوں کو ضرور دردناک عذاب پہنچ کر رہے گا

(74) کیا یہ لوگ اللہ کی طرف نہیں مڑیں گے اور اس سے معافی طلب نہ کریں گے اور اللہ معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

''بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا اے اولادِ یعقوب! اللہ کی عبادت کرو جو میرا ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے یقیناً جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنّم ہوتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا''۔

شانِ نزول

نجران کے عیسائیوں کا ایک سردار تھا اس کا نام عاقب تھا۔ اس کے پیروکاروں کا یہ دعویٰ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہیں البتہ مریم نے انہیں اپنے پیٹ سے جنا۔ یہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ربّ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کیا ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی (167)۔

تفسیری فوائد

- عیسائی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کا عقیدہ دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ عقیدہ جسے قرآن حکیم نے رد کیا ہے یہ عقیدہ یعقوبیہ اور ملکانیہ کا نظریہ ہے۔ دوسرے عقیدہ کی تردید اگلی آیت میں ہوئی ہے۔
- دوسری بات جو آیت سے سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ کفر اور شرک الگ چیزیں ہیں۔ اصل میں قرآن حکیم ان دونوں کو وہاں مترادف استعمال کرتا ہے جہاں شرک اور کفر انتہائی شدید ہوتے ہیں۔
- تیسری چیز جو قابل غور ہے کہ یہاں ''قَالُوْٓا'' زبان کا قول نہیں بلکہ ان کے دلوں کا خیال ہے جسے قول سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔
- چوتھی چیز جس آدمی کے بارے لوگوں کا عقیدہ خراب ہو ان کی زبان سے ان بہکے ہوئے لوگوں کی مذمت زیادہ مؤکد ہوتی ہے۔ یہاں عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے مشرکین کی تردید ہو رہی ہے۔
- پانچویں چیز مشرکین کی سزائیں ہیں جو آیت نے بیان کی ہیں:

مفردات

لَقَدْ: البتہ، تحقیق، بے شک
كَفَرَ: کفر کیا
الَّذِيْنَ: وہ جو
قَالُوْٓا: کہا جنہوں نے
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
هُوَ: وہی، وہ
الْمَسِيْحُ: مسیح ہیں
ابْنُ: بیٹا
مَرْيَمَ: مریم
وَ: یہاں حالیہ ہے معنیٰ ہوگا حالانکہ
قَالَ: کہا
الْمَسِيْحُ: مسیح نے
يٰبَنِيْٓ: اے اولاد
اِسْرَآءِيْلَ: یعقوب
اعْبُدُوا: تم سب عبادت کرو
اللّٰهَ: اللہ کی
رَبِّيْ: میرا ربّ
وَ: اور
رَبَّكُمْ: تمہارا ربّ
اِنَّهٗ: تحقیق وہ
مَنْ: جس اور جو
يُّشْرِكْ: شرک کرتا ہے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
فَقَدْ: تو بے شک
حَرَّمَ اللّٰهُ: حرام کر دیا اللہ نے
عَلَيْهِ: اس پر
الْجَنَّةَ: جنت

(1) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جنت حرام کر دی ہے۔

(2) دوسری سزا یہ ہے کہ دوزخ کا ایندھن ہیں، آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے۔

(3) تیسری سزا اس آیت میں یہ بیان ہوئی ہے کہ ایسے مشرکین کا قیامت کے دن کوئی مددگار نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ آیت میں ''مِنْ'' استغراقیہ ہے یعنی اشارہ اس طرف کیا گیا ہے ان کی سخاوت اور پیغمبر کی شفاعت اور اور فلاحی کام کچھ بھی ان کے لیے مددگار نہ ہوگا۔

- چھٹا تفسیری نکتہ آیت میں یہ ہے کہ جناب مسیح کا اصل نام عیسیٰ ہے۔ مسیح ان کا لقب ہے۔ مسیح، مسح سے ماخوذ ہے۔ آپ باذن اللہ چھو کر مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور اشارہ بیماروں کو صحت سے نواز دینے کی طرف بھی ہے۔
- ساتواں تفسیری نکتہ آیت میں یہ ہے کہ آیت بتلاتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ ایک خاص قوم کے روحانی امام تھے جمیع انسانیت کی امامت ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے۔
- آٹھواں تفسیری نکتہ یہ ہے کہ کسی کافر یا مشرک کو جنتی کہنا حرام ہے، الفاظ کے استعمال میں احتیاط رہے۔
- نواں تفسیری سبق یاد رہے کہ کفر اور شرک سے دامن بچانا چاہیے، بال برابر شرک بھی جنت سے محروم کر دیتا ہے۔
- دسویں بات ذہن میں رہے کہ مسلمان اور مومن کو قیامت کے دن انبیاء، اولیاء، سادات کی محبت، قرآن حکیم، چھوٹے بچے، کعبہ معظّمہ اور رمضان کا مہینہ اور ان ایسی درجنوں چیزیں کام آئیں گی۔ ایک مفسر کا تعصب دیکھیں کہ عیسائیوں کے سردار کو بھی سید عاقب لکھ دیا حالانکہ سیّد تو حسن اور حسین کی اولاد یں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تعصب سے بچائے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾
اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾

''بے شک کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا اللہ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ ایک معبود کے سوا کوئی الٰہ نہیں اگر یہ لوگ اپنے پراپیگنڈے سے باز نہ آئے تو ان میں سے انکارِ حق

مفردات

وَمَاْوٰىهُ: اور ٹھکانہ اس کا
النَّارُ: آگ ہے
وَمَا: اور نہیں
لِلظّٰلِمِيْنَ: ظالموں کے لیے
مِنْ: کوئی
اَنْصَارٍ: مددگار

لَقَدْ: البتہ، تحقیق
كَفَرَ: کفر کیا
الَّذِيْنَ: وہ جنہوں نے
قَالُوْٓا: کہا
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
ثَالِثُ: تیسرا
ثَلٰثَةٍ: تین میں سے
وَمَا: اور نہیں
مِنْ: سے
اِلٰهٍ: معبود
اِلَّآ: مگر، سوا
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: معبود ایک ہی
وَاِنْ لَّمْ: اور اگر نہ
يَنْتَهُوْا: باز آئے وہ
عَمَّا: اُس سے
يَقُوْلُوْنَ: جو کہتے ہیں
لَيَمَسَّنَّ: تو ضرور بالضرور پکڑ لے گا
الَّذِيْنَ: انہیں

کرنے والوں کو ضرور دردناک عذاب پہنچ کر رہے گا، کیا یہ لوگ اللہ کی طرف نہیں مڑیں گے اور اس سے معافی طلب نہ کریں گے اور اللہ معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔

قرآن مجید نے عقیدۂ توحید کی بات کی ہے اور شرک کا وبال مثال دے کر بیان فرمایا ہے۔ عیسائی فرقہ مرقوسیہ اور نسطوریہ اس قسم کے کفریات بکتے تھے۔ اللہ ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اگر ان کی کتابوں سے تفصیل جانی جائے تو وہ چار قسم کے لوگ بنتے ہیں۔ ان کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ الٰہ مستقل تین ہیں۔ دوسرا فرقہ یہ قول کرتا ہے کہ الٰہ تین کا مجموعہ ہے اس میں الوہیت کی اجزا میں تقسیم کی جاتی ہے۔ تیسرا فرقہ کہتا ہے ذات الٰہ ایک ہے دو اس کی صفتیں ہیں ان کا مجموعہ ایک خدا ہے۔ چوتھے فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ ذات دو ہیں اور ایک صفت ہے ان تین کا مجموعہ الٰہ ہے۔ اگلا اختلاف یہ ہے کہ وہ تین کون ہیں؟ یہ قول مشہور ہے کہ وہ تین اللہ، عیسیٰ علیہ السلام اور مریم ہیں۔ تفسیر صاوی کے مطابق وہ تین اللہ، عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس ہیں ان کے مطابق جوہر ایک ہے باقی اقنوم ہیں جیسے سورج ایک ہے لیکن سورج اس کی ٹکیہ اور گرمی تین ہیں (168)۔

اصل میں زور قرآن حکیم کا تسلیم توحید پر ہے اور دوسری چیز کفریہ عقیدہ سے باز رہنے کی ہے۔

دوسری آیت بابِ توبہ کھولتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے وہ کسی کو زبردستی خواہ مخواہ نذرِ جہنم نہیں کرتا، وہ احساس دلاتا ہے کہ اُس کی رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور اُس کا کرم منتظر رہتا ہے کہ کب کوئی توبہ کرتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں جھک جاتا ہے اللہ تعالیٰ تو معاف کرنے والا ہے، اُس کے غفور اور مہربان ہونے میں کیا شک ہے۔

قرآن مجید میں بخشنے کے لحاظ سے صفات توحید یہ آئی ہیں: اللہ غافر ہے، غفار ہے اور غفور ہے یعنی خدا اس لحاظ سے غافر ہے کہ وہ گناہ بخشتا ہے، غفار کا مطلب ہے وہ زیادہ بہت بخشنے والا ہے اور غفور کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ بخشنے والا ہے، ہر طرح بخشنے والا اور ہر بہانے معاف کرنے والا ہے۔

مفتی احمد یار خان بدایونی نے اچھا لکھا:

> ''بعض لوگ گناہ گار ہیں ان کے لیے اللہ غافر ہے اور بعض کبائر کا ارتکاب کرنے والے ہیں ان کے لیے اللہ غفار ہے اور عادی مجرموں کو جب وہ معاف فرمائے تو وہ غفور ہے''(169)۔

❁❁❁❁❁

مفردات

کَفَرُوْا: جنہوں نے کفر کیا
مِنْھُمْ: خاص کر انہی میں سے
عَذَابٌ اَلِیْمٌ: دردناک عذاب
اَفَلَا: تو کیا نہیں
یَتُوْبُوْنَ: رجوع کریں گے
اِلَی اللّٰہِ: اللہ کی طرف
وَیَسْتَغْفِرُوْنَہٗ: اور معافی نہیں مانگیں گے
وَاللّٰہُ: اور اللہ
غَفُوْرٌ: بہت زیادہ بخشنے والا
رَّحِیْمٌ: مہربان

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ
وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ
الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾
قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ
وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ
قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع

(75) مسیح ابن مریم نہیں مگر رسول ہیں بے شک ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور آپ کی والدہ انتہائی سچی خاتون تھیں اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھیے ہم کس طرح ان کے لیے نشانیاں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ کدھر اُلٹے پھرے جاتے ہیں

(76) فرمایئے! کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے مالک نہیں ہوتا کسی ضرر کا اور نہ نفع کا اور اللہ ہی خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے

(77) فرما دیجیے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور کسی قوم کی خواہشات کے تابع نہ بن جاؤ جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ کو چھوڑ بیٹھے

مفردات

مَا: نہیں
الْمَسِيْحُ: مسیح
ابْنُ: بیٹے
مَرْيَمَ: مریم کے
اِلَّا: مگر
رَسُوْلٌ: رسول
قَدْ: بے شک
خَلَتْ: گزر گئے
مِنْ: سے
قَبْلِهِ: ان سے پہلے
الرُّسُلُ: بہت سے پیغمبر
وَ: اور
اُمُّهٗ: ان کی والدہ
صِدِّيْقَةٌ: سچی ہیں
كَانَا: دونوں
يَاْكُلٰنِ: کھاتے تھے
الطَّعَامَ: کھانا
اُنْظُرْ: دیکھیے، غور کیجیے
كَيْفَ: کیسے
نُبَيِّنُ: بیان کرتے ہیں ہم
لَهُمُ: ان کے لیے
الْاٰيٰتِ: آیتیں
ثُمَّ: پھر
انْظُرْ: دیکھیے
اَنّٰى: کیسے، کیونکر
يُؤْفَكُوْنَ: پھرے جاتے ہیں

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

''مسیح ابن مریم نہیں مگر رسول ہیں بے شک ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور آپ کی والدہ انتہائی سچی خاتون تھیں اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھئے ہم کس طرح ان کے لیے نشانیاں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں پھر دیکھیے وہ کدھر اُلٹے پھرے جاتے ہیں''۔

آیت میں کلام باری دلوں، ذہنوں اور روحوں کو قریب سے چھوتا ہے اور ایک روحانی طرز کے استدلال سے منطق وحکمت باطن میں ودیعت کی جاتی ہے اور عیسائیوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں خدا یا شریکِ خدا سمجھتے ہو۔ مسیح خدا کے رسول ہی تھے اگر باقی انبیاء اور مرسلین خدا کے شریک نہیں تو مسیح علیہ السلام کیسے خدا کے شریک ہو سکتے ہیں؟ یہ بات سمجھانے کے بعد ذہنوں پر فطری سوالات چھوڑے جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے۔ بے شک ان کے سچا ہونے میں کوئی شک نہیں خصوصاً ان کی ماں صدیقہ تھیں، یہ بات کرنے سے ایک طرف تو مریم کی عظمت بیان کر دی گئی لیکن ساتھ ہی اشارہ اس طرف کر دیا گیا، ایسا شخص کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو جب وہ ماں کے پیٹ میں رہا۔ رحم مادر سے جنم لیا وہ پہلے نہ تھا بعد میں پیدا ہوا وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے اور پرورش میں وہ بہت ہی احتیاجات اور ضروریات رکھتا ہے، ایسی ذات کو خدا کا شریک کیسے مانا جا سکتا ہے؟ یہی حالت ان کی مادر محترمہ کی تھی کہ وہ باپ بھی رکھتی تھیں اور ماں بھی، ان کی پرورش کی محنت اٹھاتی رہیں یہ دونوں جی اللہ کے شریک نہیں ہو سکتے۔

آیت کے آخر میں غیر معتدل اور بے انصاف ذہنوں پر علمی اور منطقی گرفت ہے کہ منکرین کس قدر ہٹ دھرمی اور ضد پر اتر آتے ہیں کہ ان کے سامنے استدلال کا یہ حسن لایا جاتا ہے لیکن یہ کور ذوق لوگ حق قبول کرنے کی طرف نہیں آتے۔

''يُؤْفَكُوْنَ'' کا مادہ ''افک'' سے ہے۔ دراصل یہ کسی چیز سے منصرف ہونے کا معنیٰ دیتا ہے۔ ''مافوک'' وہ شخص ہوتا ہے جسے حق سے روک دیا گیا ہو۔ اس لیے الزام اور بہتان لگانے والے کی اس دبیز حرکت کو ''افک'' کہہ دیتے ہیں بہر سُو حق سے محروم ہونا اور حق کی دشمنی اس لفظ میں معناً مضمر ہوتی ہے (170)۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

''فرمایئے! کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے مالک نہیں ہوتا کسی ضرر کا اور نہ نفع کا اور اللہ ہی خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اس سے پہلی آیت میں شرک سے ممانعت ہے۔ شرک کی جن قسموں سے منع کیا گیا ہے وہ شرک فی الذات ہے، شرک بالصفات ہے، شرک فی الافعال ہے اور شرک فی التسمیہ ہے۔ ان سب میں اگر غور کیا جائے تو معبود حقیقی کا عدم عرفان ان کا سبب ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں مشرکین کو غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا گیا ہے۔ کہا گیا کیا تم اللہ کے سوا ان اشیاء، چیزوں اور اصنام اور اشخاص کو پوجتے ہو جو ذاتی طور پر نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے، اللہ تعالیٰ جو معبود حقیقی ہے وہ سننے والا بھی ہے اور علم والا بھی ہے، تمہارا کوئی فعل وعمل اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس میں بھی اشارہ ہے کہ ماسوا اللہ کے لوگوں نے جو شریک بنائے ہوئے ہیں وہ علم اور سماعت دونوں سے محروم ہوتے ہیں۔ اگر علم اور سماعت اللہ کسی کو دے بھی دے تو اُن کی یہ صفت عطائی ہوگی ذاتی نہ ہوگی اس لیے وہ معبود بھی نہ ہوں گے۔ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾

''فرما دیجیے اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور کسی قوم کی خواہشات کے تابع نہ بن جاؤ جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ کو چھوڑ بیٹھے''۔

آیت میں خطاب حضور ﷺ سے ہے اور اہل کتاب کو منع کیا جا رہا ہے کہ دین میں غلو نہ کرو۔ حضور ﷺ کے ذریعے اہل کتاب کو سمجھانا چند نکات ہیں جن کی وضاحت کر رہا ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضور ﷺ پر اعتماد کُلی پیدا کرنے کے لیے ایسا کہا گیا کہ خدا جو دیتا ہے اپنے محبوب کے ذریعے دیتا ہے اور لطف ولذت بھی اسی میں ہے (171)۔

''لا ورب العرش'' جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی (172)

مفتی احمد یار خان صاحب نے بڑی عمدہ بات لکھی (173):

''حضور ﷺ ربّ تعالیٰ کا دروازہ ہیں، دروازہ کے

مفردات

قُلْ: کہہ دیجیے
اَتَعْبُدُوْنَ: کیا تم عبادت کرتے ہو
مِنْ: سے
دُوْنِ: سوا
اللّٰهِ: اللہ
مَا: جو
لَا يَمْلِكُ: مالک نہیں ہے
لَكُمْ: تمہارے لیے
ضَرًّا: کسی نقصان
وَّ: اور
لَا: نہیں
نَفْعًا: نفع کا
وَ: اور
اللّٰهُ: اللہ
هُوَ: اور وہ
السَّمِيْعُ: بہت زیادہ سننے والا
الْعَلِيْمُ: جاننے والا

قُلْ: فرما دو
يٰۤاَهْلَ: اے اہلِ
الْكِتٰبِ: کتاب
لَا: نہ
تَغْلُوْا: غلو اور مبالغہ کرو
فِيْ: میں، بیچ
دِيْنِكُمْ: اپنے دین
غَيْرَ: نا
الْحَقِّ: حق
وَ: اور

راستہ اندر کی چیز باہر آتی ہے اور باہر کی چیز اندر جاتی ہے، لینا دینا دروازے سے ہی ہوتا ہے جب وہ بے نیاز غنی ہو کر اپنی بات کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب کرتا ہے تو پھر ایسے میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں''۔

غلو کا لغوی معنیٰ

''غلو'' کا لغوی معنیٰ حد سے بڑھ جانا ہوتا ہے۔ اس لفظ کا دوسرا معنیٰ زیادتی کرنا ہوتا ہے، زیادہ کر دینا مبالغہ کرنے کے معنوں میں بھی ''غلو'' استعمال ہوتا ہے۔ مہنگی چیز کو ''غالی'' کہہ دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے ''غلو'' کا لفظ زیادہ تر افراط اور تفریط کے معنوں میں استعمال کیا (174)۔

غلو کا مادہ اور زیر بحث آیت

عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کے بارے میں بڑے غلو سے کام لیا۔ انہیں صرف رسول معظم ماننے کی بجائے خدا کا شریک مان لیا اور من وجہ وہ خدا مان کر ان کے رسول ہونے کی صداقت سے بھی منہ موڑ بیٹھے۔ ''اہل کتاب'' سے خطاب کا معنیٰ وہ تمام قومیں اس غلو میں شریک تھیں جنہوں نے اپنے اپنے رہبر اور رہنما خدا بنا لیے خصوصاً قرآن مجید نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ بھی ان کے غلو کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے ''دِيۡنِكُمۡ'' سے اشارہ آسمانی دینوں کی طرف ہے۔ آیت مفسرۃ میں ''غلو فی الدین'' کا سبب بھی بیان کیا کہ وہ لوگ خواہشات کے پیچھے پڑ گئے تھے ان میں حق کی پیروی کا جذبہ مفقود ہو گیا تھا۔

آیت میں زور

قرآن مجید کی یہ آیت ایک ایسے راستے کی بات کرتی ہے جس میں آسانیاں ہیں، منزل کا تعین ہے، حق پرستی ہے، خواہشات کی پیروی نہیں کی جاتی۔ دوسروں کو گمراہ نہیں کیا جاتا۔ افراط اور تفریط سے بچا جاتا ہے۔ نفوس کا حسد نہیں ہوتا، تاریخ کا ملیامیٹ کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔ ہر چیز میں تاریخیت اور محفوظیت کی ضمانت مہیا کی جاتی ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ دنیا کی دانا قوموں نے اسلام کی برکات سے استفادہ کیا ہے لیکن یہود و نصاریٰ ہمیشہ بد بخت رہے ہیں اور اپنی گروہی انانیت اور قومی عصبیت کا شکار رہے اور اسلامی چشمۂ صافی سے مستفیض نہیں ہو سکے۔ اگر مذاہب کی حکمتوں میں غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اسلام واحد دین ہے جسے

مفردات

لَا: نہ
تَتَّبِعُوۡٓا: پیروی کرو
اَهۡوَآءَ: خواہشات
قَوۡمٍ: قوم
قَدۡ: بے شک
ضَلُّوۡا: وہ گمراہ ہو گئے
مِنۡ: سے
قَبۡلُ: پہلے
وَ: اور
اَضَلُّوۡا: گمراہ کیا انہوں نے
كَثِيۡرًا: بہت سے لوگوں کو
وَّ: اور
ضَلُّوۡا: بھٹکا یا انہوں نے
عَنۡ: سے
سَوَآءِ: سیدھے
السَّبِيۡلِ: راستے

سواء السبیل اور صراطِ مستقیم کہا جا سکتا ہے باقی ہر طرف تعصب ہی کی ظلمت مسلط نظر آتی ہے۔

واللہ اعلم

ابن عجیبہ الحسنی کی خوبصورت بات

غلو ہر جگہ مذموم ہے اس لیے کہ خیر الامور وہی ہوتے ہیں جہاں اعتدال ہو البتہ تین مقامات ہیں جہاں غلو غلو نہیں ہوتا معراج عشق ہوتا ہے۔

- ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح ہے لیکن یہ مبالغہ اُس وقت تک درست ہوگا جب تک فضائل بشریت اور محامد رسالت کے اندر ہو۔
- دوسرا مقام اپنے شیخ اور اولیائے کاملین کی تعریف اور محبت لیکن یہاں بھی احتیاط رہے کہ یہ بات ممکنات میں ہو اور دوسرے مشائخ کی توہین نہ ہو۔
- تیسرا مقام تعظیم الحق ہے۔ یہاں نہ کوئی حصر ہے اور نہ کوئی قید البتہ یہاں تنقیص نہ ہو بلکہ اللہ کے منزہ عن العیوب ہونے کا خیال رکھا جائے (175)۔

❁❁❁❁❁

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾
كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾
تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾
وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

(78) بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی اس لیے کہ وہ نافرمان ہو گئے تھے اور زیادتی کرتے تھے

(79) بُرے افعال کے مرتکبین کو وہ منع نہیں کرتے تھے، بہت بُرا تھا وہ جو وہ لوگ کیا کرتے تھے

(80) تم ان میں بہت سے لوگ ایسے دیکھو گے جو منکرینِ حق کی رفاقت اختیار کرتے ہیں بہت ہی بُرا ہے جو ان کے نفسوں نے آگے بھیجا ہے یہ کہ اللہ کا ایسے لوگوں پر غضب ہوا ہے اور وہ ہمیشگی کے عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں

(81) اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے اللہ اور رسول معظم پر اور اُس کتاب پر جو اس نبی پر نازل کی گئی تو کبھی منکرین سے دوستیاں نہ جوڑتے مگر ان میں سے اکثریت راہ گناہ اختیار کر چکی ہے

لُعِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ ﴿۷۸﴾

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی اس لیے کہ وہ نافرمان ہو گئے تھے اور زیادتی کرتے تھے''۔

یہ آیت بنی اسرائیل کے بدبخت منکرین پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے پھٹکار اور لعنت بھیجنے کا ذکر کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اِن دو ہی نبیوں کی زبان سے لعنت کا ذکر کیوں ہے اس کی کوئی خاص وجہ اور حکمت ہے۔ مفسرین نے لکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زیادہ معروف یہی دو نبی گزرے ہیں۔ بعض اہل تاویل نے یہ بیان کیا کہ اہل کتاب اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ داؤد علیہ السلام کی اولاد سے ہیں لیکن اس کے برعکس داؤد علیہ السلام کے افکار عالیہ بتائے گئے کہ وہ تو ان سیاہ کرتوتوں سے متنفر تھے۔ قرطبی وغیرہ مؤرخین نے لکھا کہ یہ دو تاریخی واقعات کی طرف اشارہ ہے کہ جس پر دونوں پیغمبر غضب ناک ہوئے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تو ساحلی شہر ابلہ کے ساکنین پر لعنت کی جب انہوں ہفتہ والے دن زیادتی کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ان لوگوں پر اس وقت لعنت کی جب المائدہ کے نزول کے بعد بھی انہوں نے انحراف کا راستہ نہ چھوڑا۔

آیت کے آخر میں اشارہ کیا کہ اصولی طور پر ان لوگوں نے نافرمانی کا راستہ اختیار کیا اور زیادتیوں اور سرکشیوں میں محصور ہو کر رہ گئے (176)۔

كَانُوۡا لَا يَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡكَرٍ فَعَلُوۡهُ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۹﴾

''بُرے افعال کے مرتکبین کو وہ منع نہیں کرتے تھے، بہت بُرا تھا وہ جو وہ لوگ کیا کرتے تھے''۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں (177):

''ابوسلمہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قسم اس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ میری اُمت کے بعض لوگ جب قبروں سے نکلیں گے تو ان کی صورتیں بندروں اور خنزیروں کی سی ہوں گی اس جرم میں کہ وہ بے دین قسم کے لوگوں کے پاس بیٹھیں گے لیکن اپنی زبان بند رکھیں گے اور منع کرنے کی طاقت کے باوجود خاموشی اختیار کریں گے''۔

تفسیر قرطبی میں اسی قسم کی اور روایت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے (178):

''تم ضرور نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے منع کیا کرو اور جاہل لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں حق کی

مفردات

لُعِنَ: لعنت کیے گئے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
كَفَرُوۡا: کافر ہوئے
مِنۡ: سے
بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ: اولاد یعقوب
عَلٰى: پر
لِسَانِ: زبان
دَاوٗدَ: داؤد علیہ السلام
عِيۡسَى: اور عیسیٰ علیہ السلام
ابۡنِ: بیٹے
مَرۡيَمَ: مریم کے
ذٰلِكَ: یہ
بِمَا: بسبب
عَصَوۡا: وہ نافرمان ہوئے
وَّكَانُوۡا: اور تھے وہ
يَعۡتَدُوۡنَ: وہ حد سے بڑھتے

كَانُوۡا: تھے
لَا: نہ
يَتَنَاهَوۡنَ: وہ روکتے
عَنۡ: سے
مُّنۡكَرٍ: بری باتوں
فَعَلُوۡهُ: جو کرتے تھے
لَبِئۡسَ: بہت برا ہے
مَا: جو
كَانُوۡا: وہ تھے
يَفۡعَلُوۡنَ: کرتے

طرف دعوت دو ورنہ خدا تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کی مانند کر دے گا اور تمہیں اپنی رحمت سے اس طرح دور کر دے گا جس طرح اُس نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا''۔

تفسیر البرہان میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا مبارک قول ہے (179):

''یہ گروہ جن کی اللہ مذمت کر رہا ہے ہرگز گناہ گاروں کی محفلوں میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے فقط ملاقات کے وقت ان کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان سے محبت کرتے تھے''۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

''تم ان میں بہت سے لوگ ایسے دیکھو گے جو منکرینِ حق کی رفاقت اختیار کرتے ہیں بہت ہی برا ہے جو ان کے نفسوں نے آگے بھیجا ہے یہ کہ اللہ کا ایسے لوگوں پر غضب ہوا ہے اور وہ ہمیشگی کے عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں''۔

یہاں پہلا نکتہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھنے کو بصیرتوں کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے اور اس سے استدلال کیا گیا کہ اے محبوب! یہ گھناؤنی سازشیں کر رہے تھے اور آپ ان کی چالیں اللہ کے دیے ہوئے علم سے دیکھ رہے تھے۔

دوسری چیز کفار سے دوستی کا معاملہ ہے۔ گندے پانی کے نالے سے گزرتے ہوئے پاؤں کو نجاست سے بچایا نہیں جا سکتا۔ آیت پہلے ان کے سازشی ذہن کو بے نقاب کرتی ہے، اس کے بعد غلط دوستیوں کا نوٹس لیتی ہے۔ عام دوستی یہاں زیرِ بحث نہیں لائی گئی اصل میں گناہوں سے مخلوط اور غلط اعمال و افکار کا شوق پیدا کرنے والی دوستی کو ہدف بنایا گیا۔ آیت کے آخر میں اس لیے یہ کہا گیا بہت برا ہے جو کچھ وہ آخرت کی طرف بھیج رہے ہیں یہی چیزیں تو خدائی غضب کا باعث ہوں گی اور وہ ہمیشہ کے لیے عذاب الٰہی میں گرفتار رہیں گے (180)۔

''الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'' سے مراد کون لوگ ہیں؟ بعض مفسرین نے کہا کہ مراد مشرکین مکہ ہیں جو یہودیوں کی پشت پناہی کرتے تھے اور بعض مفسرین نے کہا کہ مراد کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی ہیں جنہوں نے ابوسفیان سے مدد مانگی تھی لیکن ان کی سازش ناکام رہی (181)۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

''اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے اللہ اور رسول معظم پر اور اُس کتاب پر جو اس نبی پر نازل کی گئی تو

مفردات

تَرٰى: دیکھو گے تم
كَثِيْرًا: بہت سے لوگوں کو
مِّنْهُمْ: اُن میں سے
يَتَوَلَّوْنَ: دوستی کرتے ہیں
الَّذِيْنَ: اُن سے جو
كَفَرُوْا: کافر ہوئے
لَبِئْسَ: البتہ برا ہے
مَا: جو
قَدَّمَتْ: آگے بھیجا
لَهُمْ: واسطے اُن کے
اَنْفُسُهُمْ: اُن کے نفسوں نے
اَنْ: یہ کہ
سَخِطَ: ناراض ہوا
اللّٰهُ: اللہ
عَلَيْهِمْ: اُن پر
وَفِي: اور میں
الْعَذَابِ: عذاب
هُمْ: وہ
خٰلِدُوْنَ: ہمیشہ رہیں گے

وَ: اور
لَوْ: اگر
كَانُوْا: ہوتے وہ
يُؤْمِنُوْنَ: ایمان رکھتے
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَ: اور
النَّبِيِّ: نبی کے ساتھ

کبھی منکرین سے دوستیاں نہ جوڑتے مگر ان میں سے اکثریت راہ گناہ اختیار کر چکی ہے''۔

ایمان کے فطری تقاضے

ایمان جب یقین کا لباس پہن لیتا ہے تو دو چیزیں لازمی طور پر اس کا انعام بن جاتی ہیں: ایک تو اعتماد روحانی ہے۔ انسان کسی صورت میں راہ راست سے بھٹک نہیں سکتا اور دوسری چیز سوچوں اور اعمال اور روابط پر مکمل گرفت ہوتی ہے۔ یہاں منافقین اور ضمیر فروش کتابیوں کے ساتھ دوستیوں کا جو بازار گرم تھا قرآن مجید برملا اس پر گرفت کرتا ہے، دوستی کا معیار عطا کرتا ہے اور اعلانیہ کہتا ہے کہ اگر انہیں اللہ پر اور حضور ﷺ پر ایمان حاصل ہوتا یا کم از کم اپنے نبی پر تورات وغیرہ کتابیں نازل ہوئیں مانتے تو ان کا راستہ وہی ہوتا جو حضور ﷺ کا راستہ تھا، ان کی دوستیاں پائیدار، محکم اور احسن ہوتیں۔ قرآن مجید عدم ایمان، ڈھٹائی اور ضد کا سبب ایک اور چیز بھی قرار دیتا ہے کہ ان کی اکثریت گناہوں اور نافرمانیوں میں آلودہ رہ رہ کر صلاحیتیں کھو چکی ہے۔

یاد رہے کہ کبائر کا ارتکاب صلاحیت سوز ہوتا ہے ان کی موجودگی میں کوئی فیصلہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

ابو منصور ماتریدی لکھتے ہیں (182):

''آیت میں پہلی تاویل پر یہ بات منافقین کے بارے
میں کی گئی اور دوسری تاویل پر مراد یہود ہیں''۔

البحر المدید میں ابن عجیبہ الحسنی لکھتے ہیں (183):

بری خصلت پہ منافقین کیوں محل رد میں ذکر کیے گئے:

- پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ معاصی اور زیادتیوں میں منہمک تھے اور سرکشیوں پر انہیں انہماک حاصل تھا۔
- دوسری وجہ یہ تھی منکرین پر یہ نکیر اور نفرت کا انداز بھی نہیں رکھتے بلکہ ان سے میل جول اور محبت رکھتے۔
- تیسری وجہ منکرین اور فاسقین سے ان کی محبت، مودّت اور فاجرین کو یہ اپنا مولا سمجھتے تھے۔

صحیح بات یہ ہے کہ لوگ آج بھی علی کو مولا کہنے میں جھجکتے ہیں لیکن یہود و نصاریٰ ان کے مولا بنے ہوئے ہیں۔

❁❁❁❁❁

مفردات

وَ: اور
مَآ: اس پر جو
اُنۡزِلَ: اتارا گیا
اِلَيۡهِ: طرف اُن کے
مَا: نہ
اتَّخَذُوۡهُمۡ: بناتے وہ ان کو
اَوۡلِيَآءَ: دوست
وَ: اور
لٰكِنَّ: لیکن
كَثِيۡرًا: بہت سے
مِّنۡهُمۡ: اُن میں سے
فٰسِقُوۡنَ: بدکار ہیں

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

(82) ایمان والوں کی عداوت میں تم سب سے بڑھ کر سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور ایمان والوں کی محبت اور دوستی میں انہیں قریب تر پاؤ گے، جنہوں نے کہا تھا ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور خدا ترس درویش موجود ہیں اور یقیناً وہ تکبّر بھی نہیں کرتے

(83) اور جب وہ رسول پر نازل ہونے والا کلام سنتے ہیں تو تم ان کی آنکھیں دیکھو گے کہ حق کی پہچان پانے کی وجہ سے آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں کہتے ہیں ''اے ہمارے ربّ'' ہم ایمان لے آئے ہیں سو ہمیں گواہی دینے والوں میں شامل فرما لے

(84) اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اسے نہ مانیں جو حق ہمارے پاس آیا ہے اور ہماری انتہائی آرزو یہ ہے کہ ہمارا ربّ ہمیں صالح لوگوں میں شامل فرما لے

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

''ایمان والوں کی عداوت میں تم سب سے بڑھ کر سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور ایمان والوں کی محبت اور دوستی میں انہیں قریب تر پاؤ گے، جنہوں نے کہا تھا ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور خدا ترس درویش موجود ہیں اور یقیناً وہ تکبّر بھی نہیں کرتے''۔

نزول آیت کا تاریخی پس منظر

ام القریٰ میں مسلمانوں پر آزمائش کے بادل گھنے اور گہرے ہو گئے۔ انہیں اللہ کے حکم سے یہ فرمان موصول ہو گیا کہ زمین کی وسعتیں اپنا سینہ وا کیے ہوئے ہیں اگر کسی کو ہجرت میں آسودگی مل سکتی ہے تو حریم رسالت سے اسے اذن دیا جاتا ہے۔ یہ اعلان نبوت کا پانچواں سال تھا کہ حبشہ کی طرف ہجرت کا پہلا قافلہ تیار ہوا۔ اجتماعی سوچ یہی تھی کہ حبشہ کا والی انسانی اقدار کو قوت دینے والا ہے۔ یہ ماہ رجب تھا جب گیارہ مرد اور چار عورتیں مکہ معظّمہ سے حبشہ روانہ ہوئے (184)۔

مفسرین نے مردوں اور عورتوں کے نام بھی قلم بند کیے ہیں:

1- عثمان ابن عفان
2- زبیر ابن عوام
3- عبداللہ بن مسعود
4- عبدالرحمٰن بن عوف
5- ابوحذیفہ ابن عقبہ
6- مصعب ابن عمیر
7- ابوسلمہ ابن عبدالاسد
8- عثمان ابن مظعون
9- عامر ابن ربیعہ
10- حاطب ابن عمرو
11- سہیل ابن بیضا

مفردات

لَتَجِدَنَّ: البتہ ضرور پائیں گے آپ
اَشَدَّ: بہت سخت
النَّاسِ: لوگوں میں
عَدَاوَةً: دشمنی کے اعتبار سے
لِّلَّذِيْنَ: واسطے اُن کے جو
اٰمَنُوا: ایمان لائے
الْيَهُوْدَ: یہودیوں کو
وَالَّذِيْنَ: اور وہ لوگ
اَشْرَكُوْا: جنہوں نے شرک کیا
وَ: اور
لَتَجِدَنَّ: البتہ ضرور پاؤ گے تم
اَقْرَبَهُمْ: زیادہ قریب اُن میں سے
مَّوَدَّةً: محبت کے اعتبار سے
لِّلَّذِيْنَ: اُن لوگوں کے لیے
اٰمَنُوا: جو ایمان لائے
الَّذِيْنَ: وہ جو
قَالُوْٓا: کہا انہوں نے
اِنَّا: بے شک ہم
نَصٰرٰى: عیسائی ہیں
ذٰلِكَ: یہ اس وجہ سے ہے
بِاَنَّ: کہ بے شک
مِنْهُمْ: اُن میں
قِسِّيْسِيْنَ: ڈرنے والے عالم ہیں
وَرُهْبَانًا: اور راہب
وَّاَنَّهُمْ: اور بے شک وہ
لَا: نہیں
يَسْتَكْبِرُوْنَ: تکبر کرتے

قافلہ میں شامل چار عورتیں:

1- رقیہ بنت محمد

2- سہنہ بنت سہیل (ابوحذیفہ کی زوجہ)

3- ام سلمہ بنت اُمیہ (یہی خاتون بعد میں ام المؤمنین بنیں)

4- لیلی ابی خثیمہ

پندرہ مہاجرین کا یہ قافلہ سمندری راستہ سے حبشہ روانہ ہوا۔ انہوں نے آدھے دینار کی اجرت پر کشتی کرایہ پر لی اور حبشہ پہنچ گئے۔ جفاکشی کا عالم یہ تھا کہ راستے میں عورتیں بھی کشتی چلانے میں مردوں کی مدد کرتیں۔ ہجرت اولیٰ یہی کہلاتی ہے (185)۔

تھوڑا وقت ہی گزرا تھا حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی مسلمانوں کے دوسرے گروہ کے ساتھ حبشہ آ گئے، اب اسلامی جمعیت میں بیاسی مردوں کے علاوہ کافی تعداد میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔

مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے ان قافلوں کا حبشہ پہنچ جانا امن وسلامتی کا مورچہ پا لینا ہے۔ اگر انہیں سکون کے ساتھ حبشہ رہنے دیا گیا تو مسلمان ایک طاقتور جماعت بن جائیں گے چنانچہ مشرکین مکہ نے دو فعال اور ہوشیار آدمی عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید منتخب کیے کہ ہدیے لے کر حبشہ پہنچیں اور ہر قیمت پر نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں، چنانچہ یہ دونوں آدمی روانہ ہوئے، راستے میں کشتی کے اندر شراب پی کر ان کی لڑائی ہوگئی لیکن شیطان نے دونوں کو طفل تسلیاں دے کر مقصد کی لگن پر اکسایا۔ مؤرخین نے یہ بھی لکھا (186) نجاشی کو چمڑے کی مصنوعات سے بڑا پیار تھا۔ پہاڑی شہد کے ڈبے تقسیم ہوئے۔ نجاشی کے اہل کار انہوں نے ہاتھوں پر اتار لیے اور آسانی کے ساتھ یہ نجاشی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

عمرو بن العاص نجاشی سے مخاطب ہوئے ہمیں آپ کی طرف مکہ کے سرداروں نے بھیجا ہے۔ ہمارے درمیان کچھ کم عقل لوگوں نے علَم بغاوت بلند کر دیا ہے اور وہ اپنے بزرگوں کے دین سے پھر گئے ہیں اور ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ انہوں نے فتنہ وفساد برپا کر دیا ہے، لوگوں میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ آپ کے انسانیت نواز قوانین اور پُرامن ریاست سے انہوں نے غلط فائدہ اٹھایا ہے اور آپ کی پناہ کی چادر تلے آ گئے ہیں۔ ہمیں یہ ڈر ہے کہ یہ یہاں بھی وہ خلل انداز نہ ہوں، بہتر یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے سپرد کر دیں اور ہمارے عاجزانہ ہدیے قبول فرمائیں۔

نجاشی نے کہا: جب تک میں ان کے سرداروں سے بات نہیں کر لیتا میں آپ کو کوئی جواب نہیں

دے سکتا اور جب میں ان سے بات کروں گا تو تمہیں بلا کر اپنے پاس بٹھالوں گا۔

دوسرے دن ایک اہم اجلاس منعقد ہوا اس میں نجاشی کے مصاحب بھی تھے۔ عمرو بن العاص لوگ بھی تھے اور مسلمانوں کی نمائندگی ہاشمی روایات کے علم بردار جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ نجاشی نے قریشی عمائدین کی گفتگو سننے کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ پھیرا اور ان سے خواہش کی کہ فرمائیں وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے احترام سے نجاشی کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ ان سے پوچھیے کہ کیا ہم ان کے بھاگے ہوئے غلاموں میں سے ہیں؟

عمرو بن العاص بولا: نہیں، آپ آزاد ماں باپ کے آزاد بیٹے ہیں۔

جعفر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: ان سے پوچھ کر بتائیں کیا ان کا کوئی قرض ہمارے ذمہ ہے کہ وہ ہم سے لینے یہاں پہنچے ہیں۔

عمرو بن العاص: نہیں، ہمارا کوئی ایسا مطالبہ نہیں۔

جعفر رضی اللہ عنہ نے مزید بات کو آگے بڑھایا:

کیا ہم نے تمہارا کوئی قتل کیا ہے کہ تم اس کا بدلہ لینا چاہتے ہو۔

عمرو: نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔

جعفر رضی اللہ عنہ کی باتیں پھر خطبہ میں بدل گئیں آپ فرمانے لگے:

تُم ہم سے کیا چاہتے ہو؟ تم نے ہم پر سختیوں کو روا کیے رکھا؟ ہمارا اپنا ہی وطن رہنے کے لیے تم نے ہم پر تنگ کر دیا۔ آپ نے اپنا رخِ زیبا نجاشی کی طرف پھیر دیا اور پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ فرمانے لگ گئے: ''ہم جاہل اور نادان تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کا گوشت کھاتے تھے اور طرح طرح کے شرمناک کام انجام دیتے تھے۔ قطع رحمی پر ہم فخر کرتے تھے۔ ہمسائیوں سے بُرا سلوک کرتے تھے اور ہمارے طاقت ور کمزوروں کو ظلم کی چکی میں پیستے تھے لیکن اللہ نے ہم میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث کیے جنہوں نے روحانی منطق سے ہمیں سمجھایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور فحاشی سے باز آجاؤ، ظلم و ستم ترک کر دو، انہوں نے ہمیں پاکیزہ کیا، نماز کا حکم دیا، زکوٰۃ دینے کا شعار ہمارے سامنے رکھا اور کہا کہ عدل و احسان کرو اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں ان کی مدد کرو''۔

نجاشی نے کہا:

آمد مسیح کا مقصد بھی تو یہی تھا۔ اس کے بعد نجاشی کی خواہش پر آپ نے قرآن سنایا۔ تاریخ انتخاب آیات کی داد دیتی ہے کہ آپ نے رقت اور سوز کے ساتھ سورۂ مریم تلاوت کی۔ محفل کا رنگ بدل گیا، دل نرم پڑ گئے اور مسیح علمأ بھی رونے لگ گئے، آنکھیں تھیں کہ ابل پڑیں تھیں۔ نجاشی فرطِ اثر سے رو رہا تھا اور اس کی گردن زمین کی طرف جھکی جا رہی تھی۔ اس کیفیت میں اس نے اسلام کی صداقت کی گواہی دی۔

عمرو بن العاص نے بارِ دگر کچھ کہنا چاہا لیکن نجاشی نے زور سے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور ان کے ہدیے واپس کر دیے اور انہیں وطن سے نکلنے کا حکم دے دیا اور جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے کہا تم آرام سے میرے وطن میں زندگی بسر کرو۔ تاریخ میں یہ بھی مرقوم ہے کہ اس موقع پر حضرت عمرو بن العاص نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے۔

فتح خیبر کے سال چھ ہجری کو مہاجرین حبشہ دوبارہ ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ خاص خیبر کے دن پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں کہہ سکتا کہ آج مجھے خیبر کی فتح کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی خوشی زیادہ ہے۔ اس موقع پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یا کچھ دن بعد حبشہ کے عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں باسٹھ (62) حبشی تھے اور آٹھ شامی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سورۂ یٰسین پڑھ کر سنائی، یہ لوگ قرآن سن کر بہت روئے اور بولے کہ یہ کلام اُسی قسم کا ہے جیسے وحی عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتی تھی، یہ دو یا تین آیتیں اس موقع پر نازل ہوئیں (187)۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

قرآنی ضابطہ

آیت نے یہ ضابطہ دے دیا کہ ایمان والوں کے یہودی سخت اور زہریلے دشمن ہیں۔ لوگوں میں سے سب سے زیادہ نفرت اور عداوت مسلمانوں کے ساتھ یہودی کرتے ہیں البتہ عیسائی لوگوں کے دل مودّت اور دوستی کے لیے یہودیوں کی نسبت نرم ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی نے دونوں احتمال لکھے کہ یہاں تو آیت میں وہ عیسائی مراد ہیں جو نجاشی کی سوچ پر تھے اور مدینہ حاضر ہو کر قرآن سنا تھا اور روئے تھے یا یہ عام عیسائیوں کے بارے میں ہے، وہ یوں کہ نرمی اور ایذا نہ دینا ان کی کتابی تعلیم ہے اس لیے وہ انسانیت سے قریب ہیں۔ اصل میں دونوں قوموں کے رویے بیان کیے گئے ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ یہودی اب بھی مسلمان دشمنی پر پیسہ بہا رہے ہیں اور عیسائیوں کو بھڑکاتے ہیں لیکن عیسائیوں میں اب بھی انسانیت کے لیے سوچ گداز ہے، زہر کم ہو یا زہر زیادہ ہو حیات کش ہوتا ہے، مسلمانوں کی ترقی کا راستہ ان کے اپنے نبی کا ہے (188)۔

مفردات

''قِسِّیْسِیْنَ'' سے مراد کیا ہے؟

''قِسِّیْسِیْنَ'' بنا ہے ''قس'' سے اس لفظ کا اساسی معنیٰ رات کو کسی چیز کا تلاش کرنا ہوتا ہے عیسائی پادریوں کو ''قِسِّیْسِیْنَ'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ رات کو عبادات کے عادی ہوتے ہیں، وہ سوتے نہیں بعض نے یہ بھی لکھا کہ ''قس'' رومی زبان میں دینی علم جاننے والے کو کہتے ہیں۔ صرف علم تو کوئی چیز نہیں عبادت اور شوق دراصل اس کلمہ کی جان ہے۔

''رھبان'' کا معنیٰ خوف رکھنے والے اور ڈرنے والے اور دنیا کی آلائشوں سے خود کو دور رکھنے والے عیسائی کی تاریخ کا تیسرا پہلو یہ لکھا گیا کہ وہ تکبر اور غرور نہیں کرتے (189)۔

واللہ اعلم

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۳﴾

''اور جب وہ رسول پر نازل ہونے والا کلام سنتے ہیں تو تم ان کی آنکھیں دیکھو گے کہ حق کی پہچان پانے کی وجہ سے آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں کہتے ہیں ''اے ہمارے ربّ'' ہم ایمان لے آئے ہیں سو ہمیں گواہی دینے والوں میں شامل فرمالے''۔

اس آیت میں بعض کیفیات ہیں جو کتاب رحمت نے بیان کیں اور بعض عزائم، احساسات اور آرزوئیں ہیں جو قرآنی تصویر میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

کیفیات تو باطن کے منور ہونے کے بعد جذبات کا بے قابو ہو جانا ہے اور آنکھوں کی جھیل میں پانی اتر آنا ہے۔ یہ ایمانی کیفیت قرآن سننے کے بعد ان پر طاری ہوئی اور اس کا سبب بھی عرفانِ حق ہے۔ خوشی کے آنسوؤں اور غم کے آنسوؤں میں فرق پتہ چل جاتا ہے، آنکھوں کی جھیل میں جس وقت عشق کے کنول تیرتے ہیں تو تمنائیں خود منزل کا راستہ متعین کر دیتی ہیں۔

یہاں بھی جن لوگوں نے قرآن سنا تھا اب اُن کے عزم کو زبان مل گئی تھی وہ چاہتے تھے کہ انہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار و انصار قرار دے دیا جائے۔

کیفیات نعرے بن کر اس وقت گونجتی ہیں جس وقت سچ اور صدق نے بندے کو اندر سے گھائل کر دیا ہو، واقعۃً قرآن ہی وہ گوشۂ عافیت ہے جہاں روح مجروح نہیں ہوتی اور انسان ایک عجیب سکون کے پیڑ کے نیچے تمناؤں کا جہاں آباد کر رہا ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کمال رفعت پر جب پہنچ جاتا ہے اس کی رغبتیں وہ کچھ مانگتی ہیں جو انسان کو مانگنا چاہیے۔

وَ: اور
اِذَا: جب
سَمِعُوْا: سنا انہوں نے
مَآ: جو
اُنْزِلَ: اتارا گیا
اِلَی: کی طرف
الرَّسُوْلِ: رسول معظم
تَرٰٓی: آپ دیکھیں گے
اَعْیُنَهُمْ: ان کی آنکھیں
تَفِیْضُ: پھوٹ پڑیں
مِنَ: سے
الدَّمْعِ: آنسو
مِمَّا: اُس سے
عَرَفُوْا: جو انہوں نے پہچان لیا
مِنَ: سے
الْحَقِّ: حق
یَقُوْلُوْنَ: کہنے لگے
رَبَّنَآ: پروردگار ہمارے
اٰمَنَّا: ہم ایمان لائے
فَاكْتُبْنَا: سو ہمیں لکھ لے
مَعَ: ساتھ
الشّٰهِدِیْنَ: گواہیاں قائم کرنے والوں کے

مفردات

وَ: اور
مَا: کیا
لَنَا: ہے ہمیں
لَا: نہیں، نہ
نُؤْمِنُ: ہم ایمان لائے
بِاللّٰهِ: ساتھ اللہ کے
وَ: اور
مَا: اُس کے
جَآءَنَا: آیا ہمارے پاس
مِنَ: سے
الْحَقِّ: حق
وَ: اور
نَطْمَعُ: طمع کرتے ہم
اَنْ: یہ کہ
يُّدْخِلَنَا: داخل کریں ہمیں
رَبُّنَا: پروردگار ہمارا
مَعَ: ساتھ
الْقَوْمِ: قوم
الصّٰلِحِيْنَ: نیک

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اسے نہ مانیں جو حق ہمارے پاس آیا ہے اور ہماری انتہائی آرزو یہ ہے کہ ہمارا ربّ ہمیں صالح لوگوں میں شامل فرمالے''۔

علامہ بیضاوی رقم طراز ہوتے ہیں (190):

''ستر آدمیوں کا یہ قافلہ مدینہ حاضر ہوا، قرآن حکیم سنا دلوں نے سکون پکڑا، جب ایمان لانے کے بعد حبشہ پہنچے تو یہودی اور دیگر حاسدین انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے لگے اور کہنے لگے کہ تم نے اپنا جدی پشتی دین چھوڑ دیا اور نئی راہوں پر چلنے لگ گئے۔ اس آیت میں ان طعنہ لگانے والوں کو شاندار جواب دیا گیا، یہی جواب قرآن نے نقل کر دیا''۔

تفسیر خازن نے بھی یہی لکھا۔

تین چیزیں عظیم دولت ہوتی ہیں: زبان کا ذاکر ہونا اور حق اور سچ کے لیے تڑپنا اور دل کا بریاں ہونا اور مستقیم ہونا، اللہ نے یہ تینوں دولتیں اس عظیم قافلہ کو عطا کر دیں۔

''وَمَالَنَا'' سے علامہ آلوسی نے لکھا کہ یہ جملہ مستانفہ ہے (191) اس لیے واؤ ابتدائیہ ہے ''مَا'' تعجب سے استفہام کے لیے ہے۔ اصل میں ضمیر جس وقت ملکوتی فیض سے بھیگ جاتے ہیں تو وہ خود باتیں کرتے ہیں یہ کیفیت قافلہ والوں کے دلوں کی ہے، جو کچھ ان کے دلوں سے ابھرا قرآن حکیم نے اُس کی تصویر کشی کر دی۔

طمع دو طرح کی ہوتی ہے: ایک تو وہ طمع تھی جو یہود و نصاریٰ کو مادیت کے چنگل میں پھنسائے ہوئے تھی اور قدم قدم پر انحرافات انہیں تباہ رر ہے تھے اور دوسری طمع تشکیل کردار کی ہوتی ہے، یہاں اُسی طمع کا ذکر کیا گیا وہ چاہتے تھے کہ وہ قوم صالحین کا حصہ بن جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اصل روشنی یہی دینی طمع تھی جس کی خاطر انہوں نے سمندروں کے کلیجے چیرے اور صحراؤں کے سینہ پر شوق نوردی کے نقوش مرتسم کیے۔

یہودیوں کی حالت تو شعبدہ بازوں کی سی تھی جو کرتب پر کرتب دکھائے جا رہے تھے اور غلامانِ رسول پاکیزہ روحوں کے قافلہ کے ہم رکاب تھے جہاں خیر ہی خیر اور رحمت ہی رحمت ہے، اصل کشش تو ایمان اور اعمال صالحہ کی تھی۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾
وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾ ع
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾
وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

(85) تو ان کے اس دعویٰ اور آرزو کی بنا پر اللہ نے انہیں ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور یہ نیک لوگوں کی جزا ہے

(86) اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ ہیں جو جہنم والے ہیں

(87) اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں اور حدیں نہ توڑو بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

(88) اور کھاؤ اس سے جو حلال اور پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں اور ڈرو اللہ سے وہ جس پر تم ایمان لانے والے ہو

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۸۶﴾

''تو ان کے اس دعویٰ اور آرزو کی بنا پر اللہ نے انہیں ایسی جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور یہ نیک لوگوں کی جزا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ ہیں جو جہنم والے ہیں''۔

یہ آیت ملفوف حقائق کو قاریٔ قرآن کے سامنے کھول دیتی ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے عصرِ اول میں عرشِ ایمان کو چھوا ہے ان کی اور ان کے قول کی عظمت بیان ہو رہی ہے کہ انسان جس وقت اللہ کی بارگاہ میں باریاب ہو جاتا ہے تو وہ روحانیت کے زاویوں کا مرکز بن جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تصویر بہت خوبصورت ہے کہ وہ لوگ جو مرکز ایمان سے دور تھے ان کے وجود میں کمینگی بھری ہوئی تھی اور وہ لوگ جو اپنی ایمانی تمناؤں کی معراج پا گئے تھے، وہ عزتوں کا مرجع بن چکے تھے۔ آیت کھل کر ان کے اخلاص کو قبولیت کی سند دے رہی ہے۔

قرآن مجید مسلسل تین طبقات کی بات کرتا ہے:

- پہلا شاہدین
- دوسرا صالحین
- اور تیسرا محسنین

ایک مسلمان کے شعوری ایمان کے یہ تین مراحل ہیں: پہلے وہ سچائیوں کا گواہ بن جاتا ہے، اُس کا یہی عزم اُس میں صلاحیت کا نور بھر دیتا ہے اور یہ وثوق صرف مومن کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ آخرت کی فلاح کا دعوے دار ہوتا ہے۔

یہ آیات اعلان کرتی ہیں کہ تکذیب آیات ایک گھناؤنا جرم ہے، اس کی سزا کڑی اور سخت ہے۔ آیات کی تصدیق ہی انسانوں میں صلاحیت آفرین ہوتی ہے، گویا دوزخ انسان کے اپنے رویوں، سوچوں اور اعمال کا بدلہ ہوتا ہے۔

واللہ اعلم

مفردات

فَاَثَابَهُمُ: تو ثواب دیا اُن کو
اللّٰهُ: اللہ
بِمَا: بوجہ
قَالُوْا: کہا انہوں نے جو
جَنّٰتٍ: باغات
تَجْرِیْ: رواں دواں ہیں
مِنْ: سے
تَحْتِهَا: اُن کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ: نہریں
خٰلِدِیْنَ: ہمیشہ رہنے والے
فِیْهَا: اس میں
وَ: اور
ذٰلِكَ: یہ
جَزَآءُ: بدلہ ہے
الْمُحْسِنِیْنَ: نیکوکاروں کا
وَ: اور
الَّذِیْنَ: وہ جو
كَفَرُوْا: کافر ہوئے
وَكَذَّبُوْا: اور جھٹلایا
بِاٰیٰتِنَاۤ: ہماری آیتوں کو
اُولٰٓىِٕكَ: یہی لوگ ہیں
اَصْحٰبُ: مالک، اصحاب والے
الْجَحِیْمِ: دوزخ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝٨٧ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝٨٨

''اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہیں اور حدّیں نہ توڑو بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور کھاؤ اس سے جو حلال اور پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں اور ڈرو اللہ سے وہ جس پر تم ایمان لانے والے ہو''۔

شانِ نزول

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبانِ نور سے تکلم کا حسن بکھیرا۔ طبیعتیں مچل گئیں، وعظ کیا تھا نورِ سماوات کی ندی تھی جو بہہ رہی تھی۔ نفوس دھل رہے تھے اور دل اپنی دھڑکنوں کی موسیقی پر نغمات گنگنا رہے تھے۔ خوشیوں اور وعظ کی مسرتوں میں عزائم کی فصل اُگ رہی تھی۔ اللہ کے لیے وقف ہونے کے جذبے خاکی پیکروں میں رقص کناں تھے۔ اثر کے سیل رواں نے حضرت عثمان بن مظعون کے گھر کو چشمۂ حیات بنا دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، علی المرتضی رضی اللہ عنہ بھی شہیدِ عشق ٹھہرے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی کب براتِ محبت سے دور رہ سکتے تھے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وہاں کیسے نہ پہنچیں جہاں علی رضی اللہ عنہ آئے ہوں۔ مولیٰ ابی حذیفہ اور عبداللہ بن عمر ہم رکاب سعداء ٹھہرے، طاؤسِ روحانیت جب ارغوانی خلعت پہننے کا اہتمام کرنے لگا تو مقداد اور سلمان فارسی بھی شریک اجلاس ہو گئے۔ عزائم عبادت میں زندگی بسر کر دینے کے تھے، بستروں پر نہ سونے کے تھے، ٹاٹ کے لباس پہننے کے تھے، شادیاں نہ کرنے کی منزل روشن ہونے لگ گئی۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ دارِ عثمان بن مظعون میں جلوہ فروز ہو گئے لیکن اُس وقت وہاں آپ نے کوئی صاحب نہ پائے۔ حضرت عثمان کی بیوی ام حکیم عرض کرنے لگیں: حضور! جو آپ نے سنا وہ سچ ہے بعد ازاں عثمان نے خود تصدیق کر دی اور اقدامات کے بارے میں ارادہ خیر کا ذکر کیا (192)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیمانہ انداز میں اپنی سنت کا ذکر کیا اور اسوۂ حسنہ کی تفصیل بتا دی:

''میں روزہ سے بھی رہتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں،
میں رات کو نفل بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں جو
میری سنت سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں ہے''۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
لَا تُحَرِّمُوْا: نہ حرام کرلو
طَيِّبٰتِ: پاکیزہ چیزیں
مَآ اَحَلَّ: جو حلال کیں
اللّٰهُ: اللہ نے
لَكُمْ: تمہارے لیے
وَلَا: اور نہ
تَعْتَدُوْا: حد سے بڑھو
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا: نہیں
يُحِبُّ: پسند کرتا
الْمُعْتَدِيْنَ: حد سے بڑھنے والے
وَ: اور
كُلُوْا: کھاؤ
مِمَّا: اُس سے جو
رَزَقَكُمُ: روزی دی تم کو
اللّٰهُ: اللہ نے
حَلٰلًا: حلال
طَيِّبًا: پاکیزہ
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
الَّذِيْٓ: وہ جو
اَنْتُمْ: تم
بِهٖ: ساتھ اُس کے
مُؤْمِنُوْنَ: ایمان لانے والے ہیں

اس موقع پر ان آیات بینات کا نزول ہوا۔

دونوں آیتوں میں احکام کی ترتیب یہ ہے:

جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے حلال قرار دے دی ہیں انہیں حرام نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ قانون سازی کا حق بندوں کے پاس نہیں اللہ تعالیٰ ہی قانون دینے والا ہے اور تقویٰ یہی ہے کہ قرآن پر جب اللہ نے ایمان نصیب کیا تو قرآن ہی کے ضابطوں کو تزکیۂ ارواح کے لیے ضروری سمجھا جائے۔

کھانے میں حلال اور طیب چیزوں کا استعمال آیت میں ضروری قرار دیا گیا۔

❁❁❁❁❁

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

(89) تمہاری لغو قسموں پر اللہ گرفت نہیں کرتا مگر وہ گرفت فرماتا ہے ان قسموں پر جو تم نے مؤکد کر لی ہوتی ہیں، تو کفارہ ایسی قسم کو توڑنے کا دس مسکینوں کو اوسط قسم کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہنانے ہوتے ہیں یا پھر ایک غلام آزاد کرنا ہے، تو جو یہ نہ پا سکے وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم نے حلف اٹھا لیا ہو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ

(90) اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا کھیلنا اور بت خانے اور پانسے شیطانی اعمال کی گندگی ہے ان سے بچو تا کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو

مفردات

لَا: نہیں
يُؤَاخِذُكُمُ: وہ پکڑ فرماتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
بِاللَّغْوِ: لغو پر
فِيٓ: میں
اَيْمَانِكُمْ: تمہاری تسلیم
وَلٰكِنْ: اور لیکن
يُّؤَاخِذُكُمْ: پکڑ فرماتا ہے تمہاری
بِمَا: ساتھ اُس کے
عَقَّدْتُّمُ: پختہ کر لیتے ہو تم
الْاَيْمَانَ: جس قسم کو
فَكَفَّارَتُهٗٓ: تو کفارہ اس کا
اِطْعَامُ: کھانا کھلانا یا کھانا دینا
عَشَرَةِ: دس
مَسٰكِيْنَ: مسکینوں کو
مِنْ اَوْسَطِ: سے درمیانی طریقے
مَا تُطْعِمُوْنَ: جو کھلاتے ہو تم
اَهْلِيْكُمْ: اپنے گھر والوں کو
اَوْ كِسْوَتُهُمْ: یا انہیں کپڑے پہنانا ہے
اَوْ تَحْرِيْرُ: یا آزاد کرنا
رَقَبَةٍ: گردن
فَمَنْ لَّمْ: پس جو نہ
يَجِدْ فَصِيَامُ: پائے تو روزے ہیں
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ: تین دن
ذٰلِكَ كَفَّارَةُ: یہ ہے کفارہ
اَيْمَانِكُمْ: تمہاری قسموں کا
اِذَا حَلَفْتُمْ: جب تم انہیں حلف بنالو
وَاحْفَظُوْٓا: اور حفاظت کرو

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

’’تمہاری لغو قسموں پر اللہ گرفت نہیں کرتا مگر وہ گرفت فرماتا ہے ان قسموں پر جو تم نے مؤکد کر لی ہوتی ہیں، تو کفارہ ایسی قسم کو توڑنے کا دس مسکینوں کو اوسط قسم کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہنانے ہوتے ہیں یا پھر ایک غلام آزاد کرنا ہے، تو جو یہ نہ پا سکے وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم نے حلف اٹھا لیا ہو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ‘‘۔

شانِ نزول

مفسرین نے دو روایتیں نقل کی ہیں (193):

- حضور ﷺ نے گیارہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو ترکِ دنیا سے منع فرما دیا لیکن وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہم نے تو پختہ عزائم پر قسمیں کھالی ہیں اب ہماری قسموں کا کیا بنے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری روایت:

- مفسرین لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان آیا لیکن ابن رواحہ رضی اللہ عنہ گھر میں نہیں تھے اب جو وہ گھر آئے تو قسم کھالی میرے مہمان کے کھانے میں تاخیر ہوئی اس لیے وہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ آپ کی بیگم نے بھی قسم کر لی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گی۔ یہ دیکھ کر مہمان نے بھی قسم کھالی کہ وہ بھی اب کھانا نہیں کھائے گا۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قسم توڑ دی اور یوں سب نے کھانا کھا لیا، صبح بارگاہِ رسالت میں حاضری ہوئی اور ماجرا عرض کیا تو حضور ﷺ خوش ہو گئے، اس موقع پر یہ آیت اتری (194)۔

یمینِ لغو کی تفصیل

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بلا وجہ قسمیں اٹھاتے رہتے ہیں۔ اصل میں قسم اٹھانا ان کا تکیہ کلام بن جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کی فضول قسم ہوتی ہے اس لیے اسے ''یمینِ لغو'' کہہ دیا جاتا ہے۔ ایک اور بھی قسم کی مروجہ صورت ہے کہ انسان ماضی کے کسی واقعہ کے بارے میں قسم کھالیتا ہے کہ وہ سچا ہے لیکن وہ خلاف واقع چیز پر قسم کھا رہا ہوتا ہے، یہ بھی یمین لغو ہوتی ہے ایسی قسموں پر کفارہ نہیں ہوتا ہے۔ جھوٹی قسمیں ''یمین غموس'' ہوتی ہیں ان میں گناہ کا وبال ہوتا ہے (195)۔

یمین منعقدہ

ایسی قسم جو آئندہ زمانے میں کوئی شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر کھالے اسے ''یمین منعقدہ'' کہتے ہیں، آیت میں کفارہ اسی قسم کا بیان کیا گیا ہے۔

- کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، کھانا اوسط درجے کا ہونا چاہیے۔
- دوسری صورت یہ بیان ہوئی کہ دس مسکینوں کو کپڑے پہناوے کے طور پر دے دیے جائیں۔
- تیسری صورت غلام آزاد کرنے کی ہے، یہ چونکہ آج کل میسر نہیں ہوتے اس لیے کھانے کا اہتمام بھی نہ ہو سکے اور کپڑے بھی نہ دیے جا سکیں تو پھر تین دن کے روزے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰

''اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا کھیلنا اور بت خانے اور پانسے شیطانی اعمال کی گندگی ہے ان سے بچو تا کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو''۔

انسانی زندگی میں پانچ اعمال ایسے ہیں جو انسان کو سدھرنے نہیں دیتے:

- پہلی چیز غفلت اور سکر ہے، ہر وہ چیز جو انسان کے تیقظ کو ختم کرے وہ حرام یا قائم مقام حرام کے ہے۔ شراب جو اُم الخبائث ہے اور احساسات اور جذبات کی رَو کو ختم کرنے والی ہوتی ہے اس لیے شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔
- وقتی تلذّذ کے لیے پیسے یا اللہ کی دی ہوئی دیگر نعمتوں کو فضول خرچ کرنا انتہائی برا ہے۔ جُوا کھیلنا صرف غفلت اور ناعاقبت اندیشی ہی نہیں لڑائی جھگڑا کا بھی ایک سبب ہے اس لیے اس گندے عمل سے منع کر دیا گیا۔
- تیسری چیز بت پرستی ہے اور ایسی جگہوں سے مذہبی عقیدت ہے جہاں بت پرستی ہوتی

مفردات

اَيْمَانَكُمْ: اپنی قسموں کی
كَذٰلِكَ: اسی طرح
يُبَيِّنُ: بیان کرتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
لَكُمْ: تمہارے لیے
اٰيٰتِهٖ: اپنی آیتیں
لَعَلَّكُمْ: تا کہ تم
تَشْكُرُوْنَ: تم شکر کرو

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْٓا: ایمان لا چکے
اِنَّمَا: بات یہ ہی ہے
الْخَمْرُ: شراب
وَ: اور
الْمَيْسِرُ: جوا
وَ: اور
الْاَنْصَابُ: بت اور بتوں کی جگہ
وَ: اور
الْاَزْلَامُ: تیر
رِجْسٌ: ناپاکی ہے
مِّنْ: سے
عَمَلِ: عمل
الشَّيْطٰنِ: شیطان
فَاجْتَنِبُوْهُ: پس بچو اس سے
لَعَلَّكُمْ: تا کہ تم
تُفْلِحُوْنَ: کامیاب ہو

ہے۔ ہر گندہ کام مفوض الی النّار رہوتا ہے۔

- چوتھی چیز جوا کے لیے تیر افگنی ہے۔ اصل میں توہمات عقیدہ کو تباہ کرنے والے مبادی ہوتے ہیں ان سے اجتناب ہی دانائی ہے۔
- پانچویں چیز شیطان پرستی ہے۔ یہ ناری مخلوق بندہ کو دوزخ کا ایندھن بنا کر چھوڑنے والا ہے۔ قرآن مجید ان تمام گندگیوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ
الْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾
لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا
مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا
وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

(91) نہیں ہے سوائے اس کے کہ شیطان ارادہ رکھتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور اللہ کے ذکر اور نماز سے تمہیں روکے کیا تم ان چیزوں سے رُک جاؤ گے

(92) اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور احتیاط سے رہو پس اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ محض پیغامات کا پوری وضاحت کے ساتھ پہنچا دینا ہے

(93) ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ان چیزوں میں جو انہوں نے پہلے کھا پی لی ہیں جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کر لیا ہو اور ایمان اور عمل صالح بجالاتے ہوں پھر پرہیزگاری اختیار کی اور ایمان میں پختہ ہوئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیکیوں میں لگ گئے اور اللہ احسان والوں ہی کو پسند کرتا ہے

مفردات

اِنَّمَا: نہیں ہے سوائے اس کے
يُرِيْدُ: ارادہ رکھتا ہے
الشَّيْطٰنُ: شیطان
اَنْ: یہ کہ
يُّوْقِعَ: ڈال دے
بَيْنَكُمُ: درمیان تمہارے
الْعَدَاوَةَ: عداوت
وَالْبَغْضَآءَ: اور بغض
فِي الْخَمْرِ: شراب میں
وَالْمَيْسِرِ: اور جوا
وَيَصُدَّكُمْ: اور روک دے
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ: اللہ کے ذکر سے
وَعَنِ: اور سے
الصَّلٰوةِ: نماز
فَهَلْ: تو کیا
اَنْتُمْ: تم لوگ
مُّنْتَهُوْنَ: باز آنے والے ہو
وَاَطِيْعُوا: اور اطاعت کرو
اللّٰهَ: اللہ
وَاَطِيْعُوا: اور اطاعت کرو
الرَّسُوْلَ: رسول معظم کی
وَاحْذَرُوْا: اور محتاط رہو
فَاِنْ: پس اگر
تَوَلَّيْتُمْ: تم نے روگردانی کی
فَاعْلَمُوْٓا: تو جان لو
اَنَّمَا: ضروری ہوگا
عَلٰى رَسُوْلِنَا: ہمارے رسول پر
الْبَلٰغُ: پہنچانا
الْمُبِيْنُ: کھلا کھلا

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

''نہیں ہے سوائے اس کے کہ شیطان ارادہ رکھتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور اللہ کے ذکر اور نماز سے تمہیں روکے کیا تم ان چیزوں سے رُک جاؤ گے اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور احتیاط سے رہو پس اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ محض پیغامات کا پوری وضاحت کے ساتھ پہنچا دینا ہے''۔

آیات کی فقہی ابحاث ان ہی تفاسیر میں ملاحظہ ہوں جن کا مزاج نکتہ سنجی ہو۔ یہاں صرف اتنا ذہن میں رکھا جائے۔ شراب نوشی اور قمار بازی معاشرتی روگ ہیں ان سے عداوت اور بغض کی نشوونما ہوتی ہے۔

قرآن مجید کا تین آیتوں پر مشتمل خطبہ ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا'' سے شروع ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان معاشرتی امراض کا وبال ایمان والے ہی سمجھ سکتے ہیں اور اس سے یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ شراب نوشی اور قمار بازی ایمانی روح کے منافی ہے۔ بندہ مومن بھی ہو اور اُسے زہریلے کاموں کی سرطانیت بھی محسوس نہ ہو یہ ممکن نہیں۔

''اِنَّمَا'' کلمہ حصر ہے، اس میں تاکید بھی ہے اور یہ تعریض بھی ہے۔ شیطانی منشور انسانی حلقوں میں عداوت اور بغض پیدا کرنا ہے۔ وہ ان دو کاموں کو عروج پر لانے کے لیے شراب اور جوئے ایسی قباحتوں کو عام کرتا ہے۔

ان دو قباحتوں کو بت پرستی کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جرائم ہلکے نہیں، صنم پرستی ایسی وبا کے ہم پلہ ہیں۔ تفسیر طبری میں یہ حدیث لائی گئی ہے کہ شراب پینے والا بت پرست کی طرح ہوتا ہے (196)۔

قرآن مجید کی یہ آیتیں ان اعمالِ قبیحہ کو ''مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ'' سے تعبیر کرتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ گندے کام کرنے والے شیطان ان کے اندر دھنس جاتا ہے۔

پہلی آیت کے اختتام میں اس گندے کام سے اجتناب کو کامیابی قرار دیا گیا ہے۔

روحانی لحاظ سے قمار بازی اور شراب نوشی کا مہلک اثر روحانی زندگی پر انتہائی منفی ہوتا ہے۔ نماز اور ذکر دونوں کی لطافتیں زندگی سے رخصت ہو جاتی ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے کتنی گہری منطق روح کو اللہ سے مربوط کر دیتی ہے۔

پہلے ایمان کا کہا گیا

پھر اسے عمل شیطان سے تعبیر کیا گیا

عداوت کا انشا اسی شیطانی فعل سے ہوتا ہے

پھر بغض کا ان اعمال کو محرک قرار دیا گیا

نماز اور ذکر سے محرومی بتائی

کامیابی کی راہ میں اس گندگی کو رکاوٹ قرار دیا گیا

پہلے احتساب کا کہا گیا پھر باز آنے کا حکم صادر ہوا

''وَاحْذَرُوْا'' کا مطلب وہ احتیاطیں ہیں جن کا خیال نہ کیا جائے تو رسولی ہدایت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۳

''ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ان چیزوں میں جو انہوں نے پہلے کھا پی لی ہیں جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کر لیا ہو اور ایمان اور عمل صالح بجا لاتے ہوں پھر پرہیزگاری اختیار کی اور ایمان میں پختہ ہوئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیکیوں میں لگ گئے اور اللہ احسان والوں ہی کو پسند کرتا ہے''۔

حرمت شراب اور قمار بازی کے حرام ہونے کے احکام نازل ہوئے تو بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ جن کانوں تک یہ بات ابھی پہنچی نہیں اور وہ سابق حال پر ہی جی رہے ہیں یا وہ لوگ جو نزول آیت سے پہلے ہی مر چکے ہیں (197) ان کا کیا بنے گا تو تازہ حکم نازل ہوا اور یوں ذہنی اندیشے بھی دور ہوئے اور وسوسے بھی دلوں سے دور کر دیے گئے اور تکرار کے ساتھ تقویٰ کا حکم نازل ہوا اور ندرتِ بیانی ندرتِ ثمرات کے دروازے کھولنے لگی اور پُرشفاف طریقے کے ساتھ بات سمجھائی گئی کہ

مفردات

لَيْسَ: نہ انہیں
عَلَى: پر
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
وَ: اور
عَمِلُوا: عمل کیا انہوں نے
الصّٰلِحٰتِ: اچھے کام
جُنَاحٌ: گناہ
فِيْمَا: اس میں
طَعِمُوْٓا: جو وہ کھا چکے
اِذَا: جب
مَا: جو
اتَّقَوْا: تقویٰ کیا
وَّ: اور
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
وَ: اور
عَمِلُوا: عمل کیا
الصّٰلِحٰتِ: اچھا
ثُمَّ: پھر
اتَّقَوْا: تقویٰ کیا
وَّ: اور
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
ثُمَّ: پھر
اتَّقَوْا: ڈرے
وَّ: اور
اَحْسَنُوْا: محسن بنے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يُحِبُّ: پسند کرتا ہے
الْمُحْسِنِيْنَ: نیکوکاروں کو

وہ لوگ ایمان ،تقویٰ اور اعمال صالحہ کی شاہراہ پر ہمت کے ساتھ چل نکلے ہیں اور ان کے عزائم بھی درست ہیں ۔وہ احکام کو توڑنے والے نہیں بلکہ اصلاحِ نفوس کے لیے کڑوی دوا بھی کھانے کے لیے تیار ہیں ۔اگر اس کوشش کی راہ میں کوئی کمی بھی رہ جاتی ہے تو گرفت اگرچہ اس پر نہیں ہے لیکن کوشش کو صادق اور راسخ ہونا چاہیے۔

آیت میں تقویٰ محلِ تربیت میں لایا گیا ہے ایک بار تقویٰ کے ساتھ ایمان اور عمل صالح کا ذکر کیا گیا اور دوسری بار تقویٰ اور ایمان کا صرف بیان لایا گیا اور تیسری بار تقویٰ اور احسان کے لیے عزم بیانی ہوئی (198)۔

تقویٰ کے تکرار پر محی الدین شیخ زادہ کی باتیں پسند آئی ہیں (199):

> ''کہ اسلوب کی ندرت مدح اور ستائش کے لیے ہے یعنی جب کوئی دیکھے کہ مشکل حکم پر ہمت کے ساتھ عمل کیا جا رہا ہے اور روحانی عزائم کا سرمایہ محفوظ کرنے کے لیے مخلصانہ کوشش کی جا رہی ہے تو اُسے کہا جائے کیا بات ہے عزم کی! کیا انداز ہے تقویٰ کا اور کیسی شان ہے اللہ کی رضا جوئی کی۔ یہاں آیت میں بار بار تعریفی اسلوب میں بات دہرائی گئی کہ تقویٰ اور ایمان، تقویٰ اور عمل صالح اور تقویٰ اور احسان اور پھر کہہ دیا گیا کہ اللہ احسان والوں ہی سے محبت رکھتا ہے''۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا (200):

> ''تکرار میں احتمال یہ بھی ہے تین اوقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، حرمت سے پہلے کا زمانہ، حرمت کے نزول کا دور اور حرمت کے بعد کا وقت، ایک تشریح یہ بھی ہے دورِ جوانی، دورِ کہولت اور دورِ شیوخیت اور یہ بھی کہا گیا کہ ایمان اور وفا کے درمیانی لمحات ہیں جن کی طرف اشارا ہوا''۔

مفسرین نے لکھا کہ تکرار تاکید کے لیے ہے (201)۔

❁❁❁❁❁

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ
اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى
بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ
مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ
مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ
صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ
فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾
اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ
عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾

(94) اے ایمان والو! اللہ تمہیں اس شکار کے ذریعے آزمائے گا جسے تمہارے ہاتھ اور نیزے پا لیں گے تا کہ اللہ دیکھ لے کون غائبانہ طور پر بھی اس سے ڈرتا ہے پھر یہ بتا دینے کے باوجود جو حد سے تجاوز کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے

(95) اے ایمان والو! حالتِ احرام میں تم شکار کو نہ مارو اور تم میں سے جو جان بوجھ کر شکار کو قتل کرے تو اس کی جزا یہ ہے کہ جس شکار کو مارا ہے اسی کی مثل جانور دے دے تم سے دو عدل والے آدمی اس کا فیصلہ کریں جبکہ یہ قربانی کعبہ پہنچنے والی ہو یا مسکینوں کو کھانے کی صورت میں کفّارہ ادا کرے یا اس کے برابر روزے رکھے تا کہ اپنے کیے کی سزا چکھ لے جو پہلے گزر چکا وہ اللہ نے معاف فرما دیا تو جس نے پلٹ کر ایسا کیا تو اللہ اس سے انتقام لے لے گا اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے

(96) دریائی شکار تمہارے لیے حلال کیا گیا اور اس کے کھانے سے فائدہ اٹھاؤ تم اور قافلے والے اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالتِ احرام میں ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تمہیں اکٹھا ہونا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

''اے ایمان والو! اللہ تمہیں اس شکار کے ذریعے آزمائے گا جسے تمہارے ہاتھ اور نیزے پا لیں گے تاکہ اللہ دیکھ لے کون غائبانہ طور پر بھی اس سے ڈرتا ہے پھر یہ بتا دینے کے باوجود جو حد سے تجاوز کرے گا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

ایمان والوں کا راہِ امتحان سے گزرنا ضروری ہے اور امتحان یا آزمائش ناکام کرنے کے لیے نہیں ہوتی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے ہوتی ہے اور امتحان یا آزمائش لمحہ بہ لمحہ تاریخ، وقت اور حالات کے ساتھ چلتی ہے۔ انسان جس ماحول میں رہتا ہے اُس کی آزمائش بھی وہیں ہوتی ہے۔ اولاد یعقوب کو ہفتہ والے دن مچھلی کے شکار سے آزمایا گیا۔ تاریخ رینگتی ہے تو آزمائشیں بھی ساتھ رینگتی ہیں اور تاریخ دوڑتی ہے تو امتحانات بھی دوڑتے ہیں۔

مفسرین نے لکھا کہ حدیبیہ والے سال غلامان رسول عمرہ کے لیے احرام باندھ کر سُوئے حرم نکلے۔ ان کے آقا بھی ان پر شفقتوں کا سایہ فراہم کیے ہوئے تھے۔ راستے میں بَری شکار کی دستیابی آسانی سے ہونے لگی، آسان تھا کہ ہاتھ یا نیزے شکار کا وجود فگار کر لیں۔ امتحان دیکھو سواریوں کے دوش بدوش جانور آ ملتے اور خیموں کے نزدیک ان کا میسر ہونا آسان ہو گیا (202)۔

یہ تین آیتیں اُسی موقع پر نازل ہوئیں۔ شکار آسان تھا لیکن احرام کی پابندی نے جکڑا ہوا تھا۔ مومنوں کو سمجھایا گیا کہ وفا صرف میدان جنگ ہی میں نہیں آزماتی یہ گھروں کے اندر گھس جاتی ہے اور ہاتھوں کے لمس میں جا پہنچتی ہے، سو احتیاط سے رہنا تمہاری عظمتیں اسی راہ سے ہو کر گزرتی ہیں۔

آزمائش اس لیے سجائی گئی کہ آیت کہتی ہے کہ مالک یہ دیکھ لے کون غیب میں ہو کر بھی اُس سے ڈرتا ہے۔

''لِيَعْلَمَ'' کو علم سے باندھنا سوچنے کا مقام قاریٔ قرآن کے سامنے لاتا ہے۔ علم تو اللہ کے پاس ہے صرف دیکھنے میں جمالیاتی لذتیں روبرو ہو کر ایمان میں وجد پیدا کرتی ہیں کہ وہ صرف یہ دیکھے گا کون حد میں رہتا ہے؟ کون بن دیکھے یقین کی کشتی ڈگمگانے نہیں دیتا۔ اُس سے قریب کون رہتا ہے؟ اور اُس سے دور کون ہو جاتا ہے۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لا چکے ہو
لَيَبْلُوَنَّكُمُ: ضرور آزمائے گا تمہیں
اللّٰهُ: اللہ
بِشَيْءٍ: تھوڑی سی مقدار نصاب
مِّنَ: سے
الصَّيْدِ: شکار
تَنَالُهٗٓ: پاتے ہیں
اَيْدِيْكُمْ: تمہارے ہاتھ
وَرِمَاحُكُمْ: اور تیر تمہارے
لِيَعْلَمَ: تاکہ دیکھے وہ تمہیں
اللّٰهُ: اللہ
مَنْ: کون
يَّخَافُهٗ: ڈرتا ہے اُس سے
بِالْغَيْبِ: بن دیکھے غیب میں
فَمَنِ: پس کون
اعْتَدٰى: زیادتی کی یا حد سے بڑھا
بَعْدَ: بعد
ذٰلِكَ: اس کے
فَلَهٗ: تو اس کے لیے ہے
عَذَابٌ: عذاب
اَلِيْمٌ: دردناک

محبت کے امتحان میں کامیابی کا انعام بھی بڑا ہوتا ہے اور ناکامی میں سزا بھی کڑی ہو جاتی ہے۔ آیت کے آخر میں دردناک عذاب کی بات بھی کی جاتی ہے۔

ابو منصور ماتریدی لکھتے ہیں(203):

''نظام آزمائش حرم کی طرف بڑھنے والوں کی تربیت کرتا ہے تاکہ اُن کے اذہان اچھی طرح محسوس کر لیں کہ وہ عام جگہ نہیں تقدسات کے درمیان ہیں اس لیے شریعت کے مطابق آگے بڑھیں تاکہ تزکیہ کے تقاضے پورے ہوتے رہیں''۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ
اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا
اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾
اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ
الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾

''اے ایمان والو! حالتِ احرام میں تم شکار کو نہ مارو اور تم میں سے جو جان بوجھ کر شکار کو قتل کرے تو اس کی جزا یہ ہے کہ جس شکار کو مارا ہے اسی کی مثل جانور دے دے تم سے دو عدل والے آدمی اس کا فیصلہ کریں جبکہ یہ قربانی کعبہ پہنچنے والی ہو یا مسکینوں کو کھانے کی صورت میں کفّارہ ادا کرے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کیے کی سزا چکھ لے جو پہلے گزر چکا وہ اللہ نے معاف فرما دیا تو جس نے پلٹ کر ایسا کیا تو اللہ اس سے انتقام لے لے گا اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے، دریائی شکار تمہارے لیے حلال کیا گیا اور اس کے کھانے سے فائدہ اٹھاؤ تم اور قافلے والے اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالتِ احرام میں ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تمہیں اکٹھا ہونا ہے''۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں(204):

''ایک عمرہ کے موقع پر حضرت ابو الیسر نے احرام کی حالت میں نیل گائے کا شکار کر لیا پھر خود ہی اپنی شکایت بارگاہِ

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
لَا تَقْتُلُوْا: نہ مارو
الصَّيْدَ: شکار
وَاَنْتُمْ: اور تم
حُرُمٌ: احرام میں
وَمَنْ: اور جس نے
قَتَلَهٗ: مارا اُسے
مِنْكُمْ: تم میں سے
مُّتَعَمِّدًا: جان بوجھ کر
فَجَزَآءٌ: تو جزا اُس کی
مِّثْلُ: مثل
مَا قَتَلَ: جو قتل کیا
مِنَ: سے
النَّعَمِ: جانور
يَحْكُمُ: حکم لگائیں گے
بِهٖ: اس کا
ذَوَا عَدْلٍ: دو عدل والے
مِّنْكُمْ: تم میں سے
هَدْيًا: قربانی کا جانور
بٰلِغَ: پہنچنے والا
الْكَعْبَةِ: کعبہ
اَوْ كَفَّارَةٌ: یا کفارہ
طَعَامُ: کھانا ہے
مَسٰكِيْنَ: مسکین لوگ
اَوْ عَدْلُ: یا برابر
ذٰلِكَ: اس کے
صِيَامًا: روزے

رسالت میں کر دی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی''۔

آیت میں نہ صرف یہ کہ حالت احرام میں شکار سے منع کر دیا گیا بلکہ جو چیزیں اس میں مددگار رہوں دلالت کرنا، اشارہ کرنا وغیرہ سب کو حرام قرار دے دیا گیا البتہ خشکی کے شکار میں بعض چیزیں مستثنیٰ ہیں ان کی علت اپنی ہے مثلاً چیل ہے، کوّا ہے، دیوانہ کتا اور بھیڑیا ہے ان کا مارنا حدیث سے ثابت ہے۔

جو شخص جان بوجھ کر شکار مارے گا اس کا کفارہ بھی قرآن حکیم نے بیان کر دیا۔ حدیث شریف میں خطاءً اگر مارے تو اس پر بھی کفارہ ہے۔

قرآن میں جزا مثلی سے مراد کیا ہے؟

امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک مثل صوری مراد ہے مثلاً ہرن مارا ہے تو بکری اور نیل گائے ماری ہے تو اس میں گائے وغیرہ کفارہ ہوگا۔ جن چیزوں کی مثل نہ ہو تو ان کے نزدیک ان میں قیمت لازم آئے گی البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مثل سے مراد مثل معنوی ہے یعنی شکار کیے ہوئے جانور کی قیمت لازم آئے گی۔

جانوروں کی قیمت لگانے میں دو عادل لوگوں کا فیصلہ مراد ہوگا۔ اگر جانور نہ ہوں تو مساکین کا کھانا ہے اور یہ بھی نہ ہو تو اس حساب سے روزے رکھ لے (205)۔

اگلی آیت میں ایک تو دریائی شکار کو حلال قرار دیا گیا اور دوسرا خشکی کے شکار کے معاملے میں دستوری تاکید مکرر ذکر کی گئی تاکہ اس معاملے میں احتیاط کی جائے۔

آیت میں ''سیارہ'' کا معنیٰ راہ گیر مسافر ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ ایک بڑی مچھلی شکار کی اور پندرہ دن تک اُسے کھانے میں استعمال کرتے رہے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

لِّيَذُوْقَ: تاکہ چکھائے یا چکھے
وَبَالَ: وبال
اَمْرِهٖ: اپنے کیے کا
عَفَا: درگزر کیا
اللّٰهُ: اللہ
عَمَّا: اس سے
سَلَفَ: جو گزر گیا
وَمَنْ: اور جو
عَادَ: لوٹ کے آیا
فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ: تو بدلہ لے گا اللہ
مِنْهُ: اُس سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَزِيْزٌ: غالب
ذُوانْتِقَامٍ: انتقام والا
اُحِلَّ: حلال کیا گیا
لَكُمْ صَيْدُ: تمہارے لیے شکار
الْبَحْرِ: سمندری، دریائی
وَطَعَامُهٗ: اور کھانا اُس کا
مَتَاعًا لَّكُمْ: تمہارے لیے سامان ہے
وَلِلسَّيَّارَةِ: اور قافلے والوں کے لیے
وَحُرِّمَ: اور حرام کیا گیا
عَلَيْكُمْ صَيْدُ: شکار تم پر
الْبَرِّ: خشکی کا
مَادُمْتُمْ: جب تک تم رہو
حُرُمًا: احرام میں
وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور ڈرو اللہ سے
الَّذِيْٓ: وہ جو
اِلَيْهِ: اس کی طرف
تُحْشَرُوْنَ: تم نے جمع ہونا ہے

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ
الْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾
اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ؕ
مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾
قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

(97) اللہ نے حُرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے لیے بقا کا باعث بنایا ہے اور حُرمت والے مہینے اور قربانیاں اور گلے میں پٹہ ڈالے ہوئے جانور منفعت انسانی کے ذرائع تاکہ تم خوب جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

(98) جان رکھو! بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور یقیناً اللہ معاف فرمانے والا مہربان بھی ہے

(99) رسول پر نہیں ہے مگر خوب پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

(100) فرما دو! ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتے اور کیوں نہ ناپاکوں کی کثرت تجھے تعجب میں ڈال دے سو اللہ سے ڈرو اے عقل والو! تاکہ تم کامیابیوں سے ہمکنار کیے جاؤ

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

''اللہ نے حُرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے لیے بقا کا باعث بنایا ہے اور حُرمت والے مہینے اور قربانیاں اور گلے میں پٹہ ڈالے ہوئے جانور منفعت انسانی کے ذرائع تا کہ تم خوب جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

''کعبہ'' کا لغوی معنیٰ

''کعبہ'' ''کعب'' سے ماخوذ ہے اس کا اساسی معنیٰ بلندی ہوتا ہے۔ ٹخنوں کو ''کعبین'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پاؤں میں اوپر ابھرے ہوتے ہیں۔ ''کاعبہ'' وہ نوخیز عورت ہوتی ہے جس کے پستان نئے نئے ابھر رہے ہوں، اس کی جمع ''کواعب'' ہے اور یہ قرآن میں استعمال ہونے والا لفظ ہے۔

''کعبہ'' مربع شکل کا ہوتا ہے۔ ''کعیب'' ریتلے ٹیلے کو کہہ دیتے ہیں۔ ''الکعب'' شرف اور بزرگی کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ ''کواعب'' کا معنیٰ معزز خواتین بھی ہوتا ہے (206)۔

کعبہ بیت الحرام

مسجد الحرام کے اندر جو مسلمانوں کا قبلہ نماز ہے چونکہ یہ سطح سمندر سے کافی بلند ہے اس لیے اسے کعبہ کہہ دیا جاتا ہے۔ چوکور ہونے کی وجہ سے بھی اسے کعبہ کہہ دیتے ہیں۔ اللہ نے چونکہ اسے شرف اور عزت سے نوازا ہے اس لیے یہ شرف اور بزرگی میں کعبہ ہے۔ کعبہ شریف دلوں کے مجتمع ہونے کا وسیلہ ہے۔ عبادتوں کے لیے طبقات انسانی کا روحانی مرکز ہے۔ لوگوں کے لیے یہ بقا کا ذریعہ ہے یعنی لوگ اس گھر کے ذریعے اپنی اصلاح کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس گھر میں جو روحانی فوائد رکھے ہیں وہ بتاتے ہیں اس گھر کے بنانے والا ہی آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اس لیے جو وہ کہتا ہے وہی ٹھیک ہے (207)۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

''جان رکھو! بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور یقیناً اللہ معاف فرمانے والا مہربان بھی ہے، رسول پر نہیں ہے مگر خوب پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو''۔

قرآن مجید کی یہ آیت تشویق و محبت پر انعامات کا اعلان کرتی ہے اور وہ لوگ جو معصیت کا راستہ

مفردات

جَعَلَ: بنایا
اللّٰهُ: اللہ
الْكَعْبَةَ: کعبہ
الْبَيْتَ: گھر
الْحَرَامَ: حرمت والا
قِيٰمًا: بقا کا ذریعہ
لِّلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
وَالشَّهْرَ: اور مہینہ
الْحَرَامَ: عزت والا
وَالْهَدْيَ: اور ہدی (قربانی کا جانور)
وَالْقَلَآئِدَ: اور ہار
ذٰلِكَ: یہ اس لیے
لِتَعْلَمُوْٓا: تا کہ تم جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
يَعْلَمُ: جانتا ہے
مَا: جو
فِي: بیچ میں
السَّمٰوٰتِ: آسمان
وَمَا: اور جو
فِي: میں، بیچ
الْاَرْضِ: زمین
وَ: اور
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
بِكُلِّ: ہر
شَيْءٍ: چیز
عَلِيْمٌ: علم والا

اختیار کر لیتے ہیں انہیں خوفناک نتائج سے بھی آگاہ کرتی ہے۔

''عقاب' عقب'' سے ہے جو کام بعد میں ظاہر ہو وہ نتیجہ ہی ہوتا ہے۔ اعمال میں تین چیزیں دیکھی جاتی ہیں کہ اعمال کا نمونہ درست ہے یا نہیں پھر اُن کی ادائیگی اپنی روح کے ساتھ قائم ہے یا نہیں اور تیسرا یہ کہ کسی عمل کا نتیجہ کیا ہوسکتا ہے، اس طرح ترتیب کے ساتھ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ (208):

نتائج اور اعمال کی توفیق سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ سب پر قادر ہے اس لیے جب وہ گرفت میں لے تو اس کی گرفت محکم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اگلی آیت میں کہا گیا کہ ہمارے رسول کا کام احکام کا پہنچا دینا ہے، مسئولیت انسانوں کے اپنے گلے میں ہے، انہیں یہ بات پلّے باندھ لینی چاہیے کہ مخفی اور ظاہر آشکار سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ واللہ اعلم

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝١٠٠

''فرمادو! ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتے اور کیوں نہ ناپاکوں کی کثرت تجھے تعجب میں ڈال دے سو اللہ سے ڈرو اے عقل والو! تاکہ تم کامیابیوں سے ہمکنار کیے جاؤ''۔

اس آیت کی تفہیم میں چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

خباثت کا مفہوم کیا ہے (209)

''اَلْخَبِيْثِ'' طیب کی ضد ہے۔ لفظ کا اساسی معنیٰ گندے، گھناؤنے اور مکروہ کے ہیں خواہ وہ کھانے پینے کی چیزوں میں ہو یا کلام اور افعال میں ہو۔ عقائد اور خیالات میں بھی گندگی ہوتی ہے، ناپسندیدہ، ناگوار اور مکار آدمی بھی خبیث ہوتا ہے۔ چاندی اور لوہے کی کھوٹ اور میل بھی خباثت ہوتی ہے۔ ''اَلْخَبِيْثِ'' بدکاری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

سورۂ اعراف میں شور زمین کو بھی ''خبث'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں کلمہ طیبہ کے مقابلے میں کلمہ خبیثہ لایا گیا ہے اور اسے ''شجرۂ خبیثہ'' سے تشبیہ دی گئی ہے۔ غلط نظریات بھی ''خبیث'' ہوتے ہیں اس لیے کہ ان میں ثمر کا تصور نہیں ہوتا۔ قرآن نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا وہ ''خبائث'' ہیں۔ قرآن مجید نے ''خبیثات'' اور ''خبیثین'' مقابلے میں استعمال کیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اچھے لوگوں کے شایان شان نہیں ہوتا کہ وہ گندی باتیں کریں۔

''طیب'' کا قرآنی مفہوم

ائمہ لغت نے لکھا کہ ''طیب'' وہ چیز ہوتی ہے جس میں انسانی حواس اور نفس لذت یاب ہوں،

مفردات

اِعْلَمُوْٓا: جان لو
اَنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
شَدِيْدُ: سخت
الْعِقَابِ: پکڑ، گرفت
وَاَنَّ: اور بے شک
اللّٰهَ: اللہ
غَفُوْرٌ: بخشنے والا
رَّحِيْمٌ: مہربان
مَا: نہیں
عَلَى: پر
الرَّسُوْلِ: رسول
اِلَّا: سوائے
الْبَلٰغُ: پہنچا دیتا
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يَعْلَمُ: جانتا ہے
مَا: جو
تُبْدُوْنَ: تم ظاہر کرتے ہو
وَمَا: اور جو
تَكْتُمُوْنَ: تم چھپاتے ہو

قُلْ: فرمادو
لَّا: نہیں
يَسْتَوِي: برابر ہے
الْخَبِيْثُ: گندہ
وَ: اور
الطَّيِّبُ: پاک
وَ: اور

روح لطافت محسوس کرے۔ پسندیدہ اور لذیذ چیزیں ''طیب'' ہوتی ہیں۔ ''طیبین'' وہ لوگ ہوتے ہیں جو پاکیزہ باتیں کریں۔ ''طعامِ طیب'' وہ ہوتا ہے جو حلق سے آسانی کے ساتھ اتر جائے۔ ''الطیب'' خوشبو ہوتی ہے۔ زمین زرخیز ہو تو کہتے ہیں'' طابتِ الارض'' قرآن نے ''شجرۂ طیبہ'' کی تعریف میں کہا ہے کہ اس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہوتی ہیں اور شاخیں فضا کی بلندیوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ ''بلدہ طیبہ'' وہ ہوتا ہے جس میں رزق کی فراوانی ہو۔ ''حیات طیبہ'' وہ ہوتی ہے جس میں ہر قسم کی خوش گواریاں نصیب ہوں (210)۔

''لبیب'' کون ہوتا ہے؟

کسی چیز پر پختگی کے ساتھ جما رہنے والا شخص ''لبیب'' ہوتا ہے۔ ''اللبیب'' کسی معاملے میں قائم رہنے والا شخص ہوتا ہے۔ ابن فارس نے لکھا کہ اس لفظ کا اساسی معنیٰ جمع رہنے اور ساتھ لگا رہنے والے کے ہوتے ہیں۔ دوسرا معنیٰ خالص اور عمدہ ہونے کے ہوتے ہیں۔

''اللبب'' سینے کا وہ حصہ ہوتا ہے جس پر ہار پہننے کے بعد حسن آجاتا ہے۔ ''لبیب'' حسن اور عقل والے پختہ کار شخص کو بھی کہہ دیتے ہیں، عبرانی میں ''لُب'' کا معنیٰ دل ہوتا ہے۔ ''اولی الالباب'' قرآن مجید کے مطابق وہ صاحبان عقل ہوتے ہیں جو جذبات میں عقل کو آلودہ ہونے کی بجائے وحی کی روشنی میں رکھتے ہیں اس لیے ذکر والے لوگ بھی ''لبیب'' ہوتے ہیں (211)۔

آیت کی تفسیر

گزشتہ آیات میں قمار بازی، شراب نوشی اور حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کے احکام بیان ہوئے۔ ایسی جگہ جہاں اکثریت میں لوگ ان اعمال قبیحہ کا ارتکاب کرتے ہوں وہاں خفیف سوچ ابھر سکتی تھی ''چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی''۔

قرآن مجید نے یہاں ایک بنیادی قاعدہ بیان کر دیا۔ پاک اور ناپاک لوگ کسی صورت میں بھی برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ لوگوں کی اکثریت گندے کاموں میں آلودہ ہو۔ آیت کے آخر میں یہی کہا جاتا ہے کہ عقل مند لوگوں کے نزدیک تقویٰ کا راستہ ہی کامیابی کا راستہ ہے۔

شیخ زادہ لکھتے ہیں (212):

''ایسا شخص جو حلال مال، پاکیزہ ادب اور صالح اعمال میں رغبت رکھتا ہو وہ لوگ کبھی بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتے جن کی طبائع پر گندگی، ناپاکی اور کثرتِ مال کی حرص اور برے اعمال کی بے صلاحیتی چھائی ہوئی ہو''۔

❁❁❁❁❁

مفردات

لَوْ : کیوں نہ
اَعْجَبَكَ: پسند لائے آپ کو (قاریٔ قرآن)
كَثْرَةُ: کثرت
الْخَبِيْثُ: گندوں کی
فَاتَّقُوا: تو ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
يٰۤاُولِي: اے صاحبانِ
الْاَلْبَابِ: عقول
لَعَلَّكُمْ: تاکہ تم
تُفْلِحُوْنَ: کامیاب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

(101) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو پوچھ گچھ نہ کیا کرو ایسی چیزوں سے متعلق جو تمہارے لیے ظاہر ہو جائیں تو تمہیں بُری لگیں اور اگر تم نے ان سے متعلق سوال کیا جب قرآن نازل ہو رہا ہو تو تمہارے لیے وہ چیزیں ظاہر کر دی جائیں گی ان سے متعلق اللہ نے معاف فرما دیا ہے اور اللہ غفور اور مہربان ہے

(102) بے شک تم سے پہلے ایک قوم نے ان کے متعلق سوال کیا تھا پھر وہ ان احکام سے انکار کر بیٹھے تھے

(103) اللہ نے مقرر نہیں کیا بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن منکرینِ حق اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑ کر ناحق منسوب کرتے ہیں اور اکثر ان میں سے عقل نہیں رکھتے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو پوچھ گچھ نہ کیا کرو ایسی چیزوں سے متعلق جو تمہارے لیے ظاہر ہو جائیں تو تمہیں بُری لگیں اور اگر تم نے ان سے متعلق سوال کیا جب قرآن نازل ہو رہا ہو تو تمہارے لیے وہ چیزیں ظاہر کر دی جائیں گی ان سے متعلق اللہ نے معاف فرما دیا ہے اور اللہ غفور اور مہربان ہے، بے شک تم سے پہلے ایک قوم نے ان کے متعلق سوال کیا تھا پھر وہ ان احکام سے انکار کر بیٹھے تھے''۔

شانِ نزول

تفسیر خازن میں مرقوم ہے(213):

جب حج کی فرضیت کے احکام نازل ہوئے حضرت اقرع بن حابس عرض کرنے لگے یارسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ حضور ﷺ خاموش رہے۔ سائل نے سوال پھر دہرایا تو حضور ﷺ خاموش رہے، جب پھر مکرر سوال پوچھا گیا آپ فرمانے لگے: اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو حج ہر سال واجب ہو جاتا جبکہ یہ عمر میں ایک مرتبہ ہی فرض ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت یہی ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ منافقین کثرت سے سوال کرتے اور بہت سی باتیں غیر ضروری ہوتیں مثلاً میری اونٹنی گم ہو گئی ہے بتایئے وہ اس وقت کہاں ہے؟ کوئی کہتا فرمایئے میرا باپ کون ہے؟ میں کس کا بیٹا ہوں؟ یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ نے منبر پر چڑھ کر فرط جلال سے فرمایا: ''آج جو چاہو مجھ سے پوچھ لو''۔ عبداللہ بن حذافہ نے کہا تھا: حضور میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''حذافہ'' گویا ان کے حلالی ہونے کی تصدیق کر دی۔ ایک دوسرے شخص نے جب یہی پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''سالم ہے جو شیبہ کا آزاد کردہ غلام ہے''، یعنی تو اپنے باپ سے نہیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (214)۔

سوال کا معنیٰ

سوال کا معنیٰ پوچھنا بھی ہوتا ہے اور مانگنا بھی ہوتا ہے، اتنا فرق ہے کہ جب سوال پوچھنے کے معنوں میں ہو تو اکثر اس کے بعد ''عن'' آتا ہے۔ سوال کا کرنا مختلف حالتوں میں مختلف حکم رکھتا ہے۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لا چکے
لَا: نہیں
تَسْـَٔلُوْا: سوال کرو
عَنْ: سے
اَشْيَآءَ: چیزوں کے
اِنْ: اگر
تُبْدَ: ظاہر کر دی جائیں
لَكُمْ: تمہارے لیے
تَسُؤْكُمْ: تو غمگین کریں تمہیں
وَاِنْ: اور اگر
تَسْـَٔلُوْا: پوچھو تم
عَنْهَا: اُن سے
حِيْنَ: اُس وقت
يُنَزَّلُ: نازل ہو
الْقُرْاٰنُ: قرآن
تُبْدَ: ظاہر کر دی جائیں
لَكُمْ: تمہارے لیے
عَفَا اللّٰهُ: درگزر کیا اللہ نے
عَنْهَا: اُن سے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
غَفُوْرٌ: بخشنے والا
حَلِيْمٌ: حلم والا
قَدْ: بے شک
سَاَلَهَا: پوچھی تھیں یہ چیزیں
قَوْمٌ: ایک قوم نے
مِّنْ: سے

مفردات

قَبْلِكُمْ: تم سے پہلے
ثُمَّ: پھر
اَصْبَحُوْا: ہوگئے ہو
بِهَا: اس کے
كٰفِرِيْنَ: منکر

سوال حیرت کوتوڑتا ہے،علم میں اضافہ کرتا ہے اورتجسس کومنزل دیتا ہے۔یہ ضرورت بھی ہوتا ہے اور ضروری بھی ہوتا ہے۔اس میں کبھی لفظ ہوتے ہیں اور کبھی کیفیت ہی کشکول ہوتی ہے۔کبھی کبھی یہ بےادبی بن جاتا ہے اور بےادبی بندے کومحروم کردیتی ہے۔یہ جذبات میں آلودہ ہوتو بارش کی طرح برستا ہے اور یہ احساسات اورحواس کی آمیزش لیے ہوتو معلم کی تعلیم کونکھار دیتا ہے لیکن حریم نبوت کا معاملہ ان تمام مقامات سے مختلف ہے اس لیے وحی کا نزول اصل میں تمام سوالوں کا جواب ہوتا ہے، وہاں بولنے سے چپ رہنا زیادہ فائدہ دیتا ہے۔نزول وحی کے وقت سوال پیچیدگیاں بڑھا سکتا ہے، غمگین کرسکتا ہے،مخفی راز کھول سکتا ہے اس لیے وہاں خاموشی بہتر ہوتی ہے۔کبھی کبھی مشقتوں میں اضافہ ہوسکتا ہے اس لیے قرآن نے کہا:''میرے نبی پر وحی نازل ہورہی ہوتو مت کوئی چیز پوچھو''۔ سوال سے مراد یہاں غیرمناسب سوالات ہیں۔

''عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا'' کا مفہوم

یہ جملہ مستانفہ ہے۔یہ عفو سے ماخوذ لفظ ہے۔یہ لہجہ بھی ہے،حکم بھی ہے اور تاریخ بھی ہے اور یہ اعلان بھی ہے کہ جو جرائم تھے وہ اللہ نے معاف کردیے ہیں۔''عَنْهَا'' میں جوضمیر ہے اس کا مرجع یا تو سوال ہے یا پھر اس کا مرجع اشیاء ہیں۔مفہوم یہ ہوگا یا تو اللہ نے وہ سوال معاف کردیے ہیں یا یہ معنیٰ ہوگا کہ اللہ نے وہ چیزیں معاف کردی ہیں جن کی ممانعت تھی، اب وہ مباح ہوگئی ہیں۔اشارہ اس طرف بھی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جوتم سے قصور ہوگئے تھے وہ معاف کردیے گئے ہیں(215)۔

اصل بات یہ ہے کہ تربیت ہورہی ہوتو بولنے کے وقت چپ ہونا بےادبی ہوتی ہے اور خاموشی کے وقت بولنا گستاخی ہوتی ہے۔اٹھنے کے وقت بیٹھنا جرم ہوتا ہے اور بیٹھنے کے وقت اٹھنا بےادبی ہوتی ہے۔''عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا'' ایسا جملہ ہے کہ اس میں عام معافی کا اعلان ہے لیکن قصور مکرر نہ ہونے کے ساتھ ایسا ہوگا۔

واللہ اعلم

بعد والی آیت میں پہلے حکم کی تاکید اور مزید وضاحت ہے۔گزشتہ اقوام میں بعض لوگ اسی قسم کے بےجا سوالات کرتے تھے اور جب انہیں جواب ملا تو وہ مخالفت پر اتر آئے۔یہ مثال کن لوگوں کی دی گئی،بعض کا خیال یہ ہے کہ اس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے شاگردوں کے ذریعہ مائدہ آسمانی کی درخواست کے ساتھ ہے کہ جس کے صورت پذیر ہونے پر بعض مخالف ہوگئے۔بعض نے یہ لکھا کہ حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلبی کی طرف اشارہ ہے اور بعض نے لکھا کہ بنی اسرائیل کے تہ بہ تہ سوالات کی طرف اشارہ ہے جیسے گائے کا واقعہ ہے۔اگلے جملے میں انکار کی روش بیان کی گئی ہے(216)۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

''اللہ نے مقرر نہیں کیا بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن منکرینِ حق اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑ کر ناحق منسوب کرتے ہیں اور اکثر ان میں سے عقل نہیں رکھتے''۔

آیت میں چار غیر مناسب خرافات کا ذکر کیا گیا، یہ زمانۂ جاہلیت میں موجود تھیں۔ ان لوگوں نے کچھ جانوروں کے بارے میں کسی زاویے سے کچھ علامتیں مقرر کی ہوتی تھیں، وہ ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے تھے، یہاں تک کہ ان کا دودھ پینا اور اون استعمال کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔

ان میں سے زیادہ تر جانور وہ آزاد چھوڑ دیتے تھے یعنی عملی طور پر خود ساختہ تقدس ان کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔

''بحیرہ'' کیا ہوتا ہے؟

یہ لفظ ''بحر'' سے بنا ہے اس کا معنیٰ چیرنا ہوتا ہے۔ دریا کو ''بحر'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو چیر کر اپنی راہ بنا لیتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جو اونٹنی پانچ بار بچے جنم دے دیتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری نہ ہوتی، اس سے کوئی کام نہ لیا جاتا یہ ایک قسم کا بتوں کا چڑھاوا ہوتا (217)۔

سائبہ

یہ لفظ ''سیب'' سے ماخوذ ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ چلنا یا چھوڑنا ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی نذر تھی، کوئی کہتا اگر میں سفر سے باخیریت واپس آ گیا یا بیماری سے میں ٹھیک ہو گیا تو میری اونٹنی ''سائبہ'' ہو گی، یہ بھی بتوں کے نام پر آزاد چھوڑنے کا معنیٰ رکھتی (218)۔

وصیلہ

یہ وہ گوسفند ہوتی جس نے سات دفعہ بچہ جنا ہو اور وہ بھی ''وصیلہ'' کہلاتی جس نے دو بچے یکبار جنم دیے ہوں۔ یہ جانور بھی آزاد ہوتا اس کو مارنا حرام سمجھا جاتا تھا (219)۔

حام

حام ''حمی'' سے بنا ہے یہ گرمی کا معنیٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی اونٹ اونٹنی کو دس بار گابھن کرتا تو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔

مفردات

مَا: نہیں
جَعَلَ: بنایا
اللّٰهُ: اللہ نے
مِنۡ: سے
بَحِيۡرَةٍ: کان چیرہ جانور
وَّ: اور
لَا: نہیں، نہ
سَآئِبَةٍ: سانڈ
وَّلَا: اور نہ
وَصِيۡلَةٍ: وصیلہ
وَّلَا: اور نہ
حَامٍ: حام
وَّ: اور
لٰكِنَّ: لیکن
الَّذِيۡنَ: وہ جو
كَفَرُوۡا: کافر ہوئے
يَفۡتَرُوۡنَ: وہ افتراء کرتے ہیں
عَلَى: پر
اللّٰهِ: اللہ
الۡكَذِبَ: جھوٹ کا
وَ: اور
اَكۡثَرُهُمۡ: بہت سے اُن میں سے
لَا: نہیں
يَعۡقِلُوۡنَ: عقل نہیں رکھتے

خلاصہ کلام

قرآن مجید کی روح دعوت یہ ہے کہ حلال اور حرام قرار دینے کا حق اللہ کے پاس ہے۔ ان خرافات کے عقب میں کتنی بھی محمو ونیت ہو اللہ پر افتراء ہے۔ دین میں اس قسم کی بدعات اگر داخل کرنے کی اجازت دے دی جائے تو پھر حق اور قانون بازیچۂ اطفال بن جائے، اس قسم کی حرکتیں کرنے والے اکثر بے عقل مخلوق ہوتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

(104) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی جانب کہتے ہیں کافی ہے ہمارے لیے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیوں نہ ان کے باپ دادے ذرّہ بھر علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں

(105) اے ایمان والو! تم پر لازم ہے کہ اپنی فکر کرو، گمراہ ہونے والا تمہیں ضرر نہ دے سکے گا اگر تم خود ہدایت یافتہ ہو گے، اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں تمہاری حقیقتِ اعمال سے آگاہ کرے گا

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول کی جانب کہتے ہیں کافی ہے ہمارے لیے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیوں نہ ان کے باپ دادے ذرّہ بھر علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں''۔

آیت میں اصل مرکزی عنوان ''مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' قرآن کی قدر کرنا ہے اور رسالت کی پہچان پانا ہے۔ آیت مطلق ''آباو اجداد'' کے مقام اور ان کے پیچھے چلنے کی نفی نہیں کرتی، اصل بات ان ڈھیٹ اور ہٹ دھرم لوگوں کی سوقیانہ روش ہے جو قرآن اور حضور ﷺ کے مقابلے میں ''آباو اجداد'' کی اندھی تقلید میں کذب بیانیاں کرتے ہیں اور یہ ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہمارے لیے وہ روایتی ورثہ کافی ہے جو ہم نے بزرگوں سے حاصل کیا ہے۔ اسی مقام پر لوگ اپنی نادانیوں اور حماقتوں کو بھی عقل اور ہدایت سمجھ بیٹھتے ہیں۔

آیت تین قیمتی چیزوں کی طرف بلیغ اشارہ کرتی ہے:

- علم کا سرچشمہ صرف کتاب وسنت کا ذخیرہ ہے اس سے روشنی حاصل کرنا دانائی ہے۔ کافر لوگوں کے آباو اجداد کی مذمت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ ہدایت پر نہیں تھے۔
- دوسری چیز ہدایت ہے قرآن نے اس کا حقیقی سرچشمہ قرآن، رسول اور ان کی سنت کو ''اھتدا'' کی نعمت قرار دے دیا۔ یہی چند نکات ہیں جن پر غور وفکر کر کے مستقیم عمل کو اپنانا چاہیے۔
- تیسری آبا پرستی سے ممانعت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

''اے ایمان والو! تم پر لازم ہے کہ اپنی فکر کرو، گمراہ ہونے والا تمہیں ضرر نہ دے سکے گا اگر تم خود ہدایت یافتہ ہو گے، اللہ ہی کی طرف تم سب نے لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں تمہاری حقیقتِ اعمال سے آگاہ کرے گا''۔

شانِ نزول

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (220):

''حضور ﷺ نے عربوں کے اہل کتاب سے جزیہ

مفردات

وَ اِذَا: اور جب
قِيْلَ: کہا جاتا ہے
لَهُمْ: اُن سے
تَعَالَوْا: آؤ
اِلٰى: طرف اس کے
مَآ اَنْزَلَ: جو اتارا
اللّٰهُ: اللہ نے
وَ: اور
اِلَى: کی طرف
الرَّسُوْلِ: رسول کے
قَالُوْا: کہتے ہیں
حَسْبُنَا: کافی ہے ہمارے لیے
مَا: جو، جس
وَجَدْنَا: پایا ہم نے
عَلَيْهِ: اُس پر
اٰبَآءَنَا: اپنے باپ دادوں کو
وَلَوْ: اور اگر
كَانَ: ہوں
اٰبَآؤُهُمْ: اُن کے باپ دادے
لَا يَعْلَمُوْنَ: کچھ نہ جانتے
شَيْـًٔا: ذرّہ بھر
وَّلَا: اور نہ
يَهْتَدُوْنَ: ہدایت پاتے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ: اے وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے ہو
عَلَيْكُمْ: تم پر
اَنْفُسَكُمْ: تمہارے نفوس
لَا: نہیں

قبول کیا مگر مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہ کیا ان کے لیے یا اسلام یا تلوار کا حکم صادر ہوا۔ منافقین نے دھول اٹھائی یہ حکم عجیب ہے، مشرکین ہوں یا اہل کتاب سب ہی تو کافر ہیں۔ یا سب کا جزیہ لیا جائے یا سب کو چھوڑا جائے۔ ظاہر ہے مسلمان منافقوں کی باتوں سے دکھی ہوئے تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی''۔

علامہ اسماعیل حقی اور آلوسی نے یہ روایت نقل کی (221):

بعض مومنین کو کفار کے کافر رہنے سے دکھ ہوا اور بعض لوگ صدمہ کھاتے تھے کہ ان کے ساتھی مسلمان کیوں نہیں ہو رہے ایسے لوگوں کا قلبی انقباض دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

ایمان والو! ایک خالص روحانی آواز

یہاں ایمان والوں کے لیے اظہار رحمت ہے۔ یہ ندا غضب کے لیے نہیں دلوں کو صاف کرنے کے لیے ہے۔ سینوں کا بوجھ دور کرنے کے لیے ہے اور تسکین روحانی کا سامان لیے ہوئے ہے۔ کہا جا رہا ہے تم اپنی فکر کرو تم لوگ اُمت مسلمہ کی شکل میں ایک اکائی ہو۔ تم میں سے ہر فرد کی حیثیت انفرادی نہیں بلکہ تم اسلام کے بہتے ہوئے دریا کی ایک موج ہو، تمہیں فکر کرنی ہے تو صرف اس دریا کی جس کی تم موج ہو۔ ایمان و اسلام، علم و عرفان اور اخلاق و نوازش کے حوالے سے تمہاری نظر پوری اُمت پر رہنی چاہیے کہ اس میں کہیں دراڑ تو نہیں پڑ رہی۔ کہیں عقائد میں کمزوری تو نہیں آ رہی۔ مفاسد اپنا راستہ تو نہیں بنا رہے، تم خود توانا اور مضبوط ہو گے تو کسی اور کو فائدہ پہنچ سکے گا۔ دوسروں کی ناکامیاں، خود غرضیاں اور اضمحلال تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ آیت میں زیادہ زور دوسروں کو نقصان نہ پہنچانے پر ہے۔ اسی تناظر میں آیت کو سمجھا جائے تو تبلیغ کا مقام بھی سمجھ آ جاتا ہے۔ خود مضبوط ہو کر تبلیغ کرنے کی نفی یہاں نہیں کی جا رہی بلکہ مؤثر تبلیغ کو بے غبار کیا جا رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

قرآن حکیم کی آیات چھ قسم کی ہیں (222):

- بعض آیات کا ظہور نزول سے پہلے ہو چکا جیسے انبیاء نے آمد رسول کی خبر پہلے دے دی۔
- بعض آیات کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوا۔
- بعض آیات کا ظہور زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوا جیسے غلبۂ دین کی آیات ہیں۔

مفردات

يَضُرُّكُمْ: ضرور دے گی
مَّنْ: جو
ضَلَّ: گمراہ ہو
اِذَا: جب
اهْتَدَيْتُمْ: ہدایت پاؤ گے
اِلَى: طرف
اللّٰهِ: اللہ
مَرْجِعُكُمْ: تمہارا لوٹنا
جَمِيْعًا: سب کی
فَيُنَبِّئُكُمْ: تو وہ خبردار کرے گا
بِمَا: ساتھ اُس کے
كُنْتُمْ: تم لوگ
تَعْمَلُوْنَ: کرتے رہے

❁ بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور قربِ قیامت میں ہوگا۔

❁ بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور بروزِ محشر ہوگا۔

❁ اور بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور وقوعِ قیامت کے بعد ہوگا۔

آپ فرمانے لگے اس آیت کا ظہور قربِ قیامت میں ہوگا جب لوگ تبلیغ کا اثر لینا چھوڑ دیں گے اور مبلغین کے پیچھے پڑ جائیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بات

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ آپ تبلیغ چھوڑ دیں فرمایا:

ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''حاضرین ہمارے احکام غائبین کو پہنچا دیں''۔

ہم لوگ اس وقت حاضر تھے اور تم لوگ غائب، ہم پر فرض ہے کہ تم تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں پہنچا دیں (223)۔

حضرت ابوثعلبہ کی بات

کسی شخص نے حضرت ابوثعلبہ خشنی سے اس آیت کا معنیٰ پوچھا اور کہا کیا تبلیغ اب بند ہوگئی ہے تو آپ فرمانے لگے: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لوگو احکام شریعہ لوگوں تک پہنچاتے رہو جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ بخل کی پیروی کرنے لگیں اور ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرنے لگے، لوگ دنیا کی فکر میں پڑ کر آخرت کو بھول جائیں تو تم اپنی فکر کرنا تم پر ایک ایسا زمانہ آرہا ہے جب ایمان پر قائم رہنا ہاتھ میں آگ لینے سے بھی دشوار ہوگا۔ جو اس زمانے میں صبر کرے اسے پچاس مومنوں کا ثواب ملے گا''۔ کسی نے پوچھا: ''اس زمانے کے پچاس یا پہلے زمانے کے پچاس''؟ آپ نے فرمایا: ''صحابہ کے زمانے کے پچاس مراد ہیں'' (224)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

(106) اے ایمان والو! تمہارے درمیان شہادت جب کہ تم میں سے کسی ایک کا موت کا وقت آ پہنچا ہو اثنائے وصیت یوں ہو کہ تم میں سے دو عادل گواہ ہوں یا تمہارے اپنوں کے علاوہ دو دوسرے ہوں اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچی ہو تم ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو تو وہ اللہ کی قسم اٹھائیں تمہارے رفع شک کے لیے کہ ہم اس کے بدلے میں کوئی قیمت نہیں لیں گے اگرچہ کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی ہم اللہ کی گواہی چھپائیں گے اگر ہم نے ایسا کیا تو یقیناً ہم گناہ گار ہوں گے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝۱۰۶

''اے ایمان والو! تمہارے درمیان شہادت جب کہ تم میں سے کسی ایک کا موت کا وقت آ پہنچا ہو اثنائے وصیت یوں ہو کہ تم میں سے دو عادل گواہ ہوں یا تمہارے اپنوں کے علاوہ دو دوسرے ہوں اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچی ہو تم ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو تو وہ اللہ کی قسم اٹھائیں تمہارے رفع شک کے لیے کہ ہم اس کے بدلے میں کوئی قیمت نہیں لیں گے اگرچہ کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہی ہم اللہ کی گواہی چھپائیں گے اگر ہم نے ایسا کیا تو یقیناً ہم گناہ گار ہوں گے''۔

سبب نزول

علامہ مکارم شیرازی الامثل میں لکھتے ہیں:

مسلمانوں میں سے ''ابن ابی ماریہ'' نامی ایک شخص دو عرب عیسائیوں کی معیت میں مدینہ سے تجارت کی غرض سے نکلے، ساتھی رفیقوں کا نام تمیم اور عدی تھا۔ اتفاق سے راہ ہی میں مسلمان بیمار ہو گیا اور یوں اس نے وصیت نامہ لکھ کر سامان میں چھپا دیا اور سامان ساتھیوں کے سپرد کیا کہ یہ میرے رشتہ داروں اور گھر والوں کو پہنچا دینا، اس کی راہ ہی میں موت آ گئی۔ ساتھیوں میں خیانت ابھری اور سامان سے قیمتی اشیاء نکال لیں اور باقی بند کر کے وارثوں کو پہنچا دیا۔ وارثوں کے ہاتھ وصیت نامہ لگ گیا اور وہ جان گئے کہ قیمتی سامان ہڑپ کر لیا گیا ہے۔ تفتیش ہوئی، مسافر ساتھی منکر ہو گئے، یوں یہ شکایت دربار رسالت میں پہنچ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم پر فیصلہ کیا لیکن تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ مال کی برآمدگی ہو گئی اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں (225)۔

تفسیر کبیر، روح البیان اور خازن نے ابن ابی ماریہ کی جگہ بدیل نام ذکر کیا ہے۔ یہ عمرو بن عاص کے غلام تھے جو تمیم اور عدی کے ساتھ تجارت کے لیے نکلے تھے باقی قصہ برابر برابر ہے (226)۔

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان والے
شَهَادَةُ: شہادت
بَيْنِكُمْ: تم میں
اِذَا: جب
حَضَرَ: حاضر ہو
اَحَدَكُمُ: کسی ایک کو
الْمَوْتُ: موت
حِيْنَ: وقت
الْوَصِيَّةِ: وصیت
اثْنٰنِ: دو آدمی
ذَوَا عَدْلٍ: صاحب عدل
مِّنْكُمْ: تم میں سے
اَوْ: یا
اٰخَرٰنِ: دوسرے
مِنْ غَيْرِكُمْ: اپنوں کے علاوہ
اِنْ: اگر
اَنْتُمْ: تم
ضَرَبْتُمْ: چلو
فِي: میں
الْاَرْضِ: زمین
فَاَصَابَتْكُمْ: پہنچے تم کو
مُّصِيْبَةُ: مصیبت
الْمَوْتِ: موت
تَحْبِسُوْنَهُمَا: روکو دونوں کو
مِنْۢ بَعْدِ: بعد میں
الصَّلٰوةِ: نماز کے

مفردات

فَيُقْسِمٰنِ: پس قسم اٹھائیں
بِاللّٰهِ: اللہ کی
اِنِ: کہ
ارْتَبْتُمْ: تم شک کرو
لَا: نہیں
نَشْتَرِیْ: ہم خریدیں گے
بِهٖ: اس کے ساتھ
ثَمَنًا: قیمت
وَّلَوْ: اور اگرچہ
كَانَ: ہو
ذَا قُرْبٰى: رشتہ دار
وَلَا: اور نہ
نَكْتُمُ: ہم چھپائیں گے
شَهَادَةَ: گواہی
اللّٰهِ: اللہ
اِنَّآ: بے شک ہم
اِذًا: اسی وقت
لَّمِنَ: ہوں گے
الْاٰثِمِيْنَ: گناہ گار

آیت کا کوئی حکم منسوخ نہیں

مفتی احمد یار بدایونی لکھتے ہیں (227):

> ''حق یہ ہے کہ اس آیت کا کوئی حکم منسوخ نہیں اس کا حکم تا قیامت باقی ہے لہٰذا ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' سے تا قیامت سارے مسلمان مراد ہیں اور یہ احکام سب پر جاری ہیں۔ خیال رہے کہ منسوخ اور مخصوص آیتوں میں ''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' سے مراد صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے ہیں کیونکہ وہ احکام بعد کے لوگوں تک پہنچتے ہی نہیں''۔

شہادت سے مراد

شہادت لفظ قرآن حکیم نے چھ معنوں میں استعمال کیا ہے: حاضر ہونا، فیصلہ کرنا، قسم کھانا، جاننا، وصیت کرنا اور گواہی دینا۔ یہاں اس مقام پر شہادت کا معنیٰ گواہی دینا ہے یعنی کسی کا موت کا وقت آجائے اور علامتیں ظاہر ہو جائیں تو وہ وصیت کرلے اور اس پر دو گواہ قائم کرلے (228)۔

''مِّنْكُمْ'' اور ''اٰخَرٰنِ'' کی بحث

علامہ آلوسی اور رازی ''مِّنْكُمْ'' کا معنیٰ قرابت دار لیتے ہیں یعنی گواہ مسلمان ہوں اور تمہارے قرابت دار ہوں اور ''اٰخَرٰنِ'' سے مراد یہ لیتے ہیں کہ مسلمان ہوں اور تمہارے قبیلے سے نہ ہوں عدل اور تقویٰ شرط ہے۔ بعض مفسرین نے ''اٰخَرٰنِ'' سے مراد کافر گواہ لیے ہیں، ایسا کرنا مجبوری کی حالت میں ہوگا لیکن اس صورت میں وہ آیت کو اب منسوخ مانتے ہیں، بہتر تفسیر پہلی ہی ہے (229)۔

موت مصیبت ہے

ائمہ تفسیر نے لکھا کہ مسافرت میں موت کو حالت اضافی کی بنیاد پر مصیبت کہا ہے اور یہ معنیٰ بھی لیا ہے کہ نزع کی تکلیف کو مصیبت سے تعبیر کر دیا گیا۔ مصیبت سے مراد علاماتِ موت کا ظاہر ہونا ہے۔

''مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ'' کا معنیٰ

شہادت کے لیے نماز کے وقت کا انتخاب چند حکمتیں رکھتا ہے کہ اس وقت اصل میں نماز پڑھنے والوں کے اندر خدا خوفی کی روح بیدار ہوتی ہے۔ اصل میں زمان اور مکان اور حالتوں کے تقدسات انسان کو حق کی طرف متوجہ کرتے ہیں اس لیے ''بَعْدِ الصَّلٰوةِ'' کہا گیا ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے گواہی مخفی چیز کو ظاہر کرتی ہے۔ اجتماعی عدالت معاملات کی اصل تک پہنچنے کے لیے اس وقت کا انتخاب کرتی ہے۔

شہادت کی کیفیات

قرآن حکیم یہاں شہادت کی بعض حالتیں اور کیفیات بھی نقل کرتا ہے، وہ صرف اس لیے کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت محکم طریقے سے ہو مثلاً یہ کہنا ہے کہ شہادت اس طرح ہونی چاہیے کہ گواہ کہیں کہ ہم اس بات پر آمادہ نہیں ہیں کہ حق کو مادی منافع کی خاطر بیچ ڈالیں اور ناحق گواہی دیں اگرچہ یہ گواہی ہمارے رشتہ داروں اور قرابت داروں ہی کے بارے میں کیوں نہ ہو۔ ہم کبھی گواہی چھپائیں گے نہیں کیونکہ اس طرح تو ہم گناہ گاروں میں سے ہو جائیں گے۔

❁❁❁❁❁

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ
الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ
مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ
بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾
يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۗ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۗ
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾

(107) پس اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ گناہ کما بیٹھے ہیں تو ان دونوں کی جگہ دو اور گواہ قائم ہو جائیں ان میں سے جن کا استحقاق پہلے گواہوں نے مجروح کیا ہے تو وہ دونوں قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ پختہ ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی، زیادتی کی صورت میں یقیناً ہم ظالموں میں سے بن جائیں گے

(108) یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ گواہی قائم کیا کریں جرأت اور وثوق کے ساتھ یا خوف رکھیں کہ قسموں پر قسموں کا مسلسل پھیرنا صورت حال واضح کر دے گا اور ڈرو اللہ سے اور اللہ کا حکم سنو اور اللہ فاسق قوم کو راہ یاب نہیں کرتا

(109) جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ عرض کریں گے ہمیں کوئی علم نہیں بے شک تو ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

''پس اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ گناہ کما بیٹھے ہیں تو ان دونوں کی جگہ دو اور گواہ قائم ہو جائیں ان میں سے جن کا استحقاق پہلے گواہوں نے مجروح کیا ہے تو وہ دونوں قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ پختہ ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی، زیادتی کی صورت میں یقیناً ہم ظالموں میں سے بن جائیں گے''۔

آیت میں عثر کا معنیٰ بغیر تجسس کے آگاہی حاصل کرنا ہے (230) اور مفہوم آیت یہ ہے پہلے گواہ اگر تجاوز کر دیں تو ان کی جگہ دوسرے گواہ قائم ہوں جو خدا کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی پہلے دو افراد کی گواہی کی نسبت زیادہ صحیح اور درست ہے۔ ہم کسی بھی قسم کی زیادتی نہیں کر رہے اور اگر ہم ایسا کریں کہ ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔

گواہی قائم کرنے کے معاملے ایک خاص نکتہ ذہن میں رہے کہ پہلے کہا گیا تھا کہ ہم قسم اس طرح قائم کریں گے اثم کہ ہمارے اوپر لاگو نہ ہو جائے۔ دوسری آیت میں ظالمین کہا گیا اور تیسری میں فاسقین کہا گیا۔

''اثم'' حق پر جب تجاوز ہو اور ظالم کا معنیٰ ہوتا ہے بے جا اور بے عمل کی چیز کو رکھنا اور فسق کا معنیٰ ہوتا ہے فرماں برداری کے دائرے سے نکل جانا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

''یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ گواہی قائم کیا کریں جرأت اور وثوق کے ساتھ یا خوف رکھیں کہ قسموں پر قسموں کا مسلسل پھیرنا صورت حال واضح کر دے گا اور ڈرو اللہ سے اور اللہ کا حکم سنو اور اللہ فاسق قوم کو راہ یاب نہیں کرتا''۔

یہ آیت پہلی دو آیتوں میں جو احکام بیان ہوئے انہیں ہی نکھارتی ہے۔ علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (231) کہ اس آیت میں حکمت کو اور واضح کیا جا رہا ہے۔ ''ذٰلِكَ'' سے اشارہ وارثوں سے قسم لینے کی طرف ہے۔ ''اَدْنٰٓى'' سے مراد قریب تر ہونا ہے۔

مفردات

فَاِنْ: پھر اگر
عُثِرَ: اطلاع ملی
عَلٰٓى: اس پر
اَنَّهُمَا: وہ دونوں
اسْتَحَقَّآ: مستحق ہو گئے ہیں
اِثْمًا: گناہ کے
فَاٰخَرٰنِ: تو دو دوسرے
يَقُوْمٰنِ: کھڑے ہوں
مَقَامَهُمَا: ان دونوں کی جگہ
مِنَ: سے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اسْتَحَقَّ: مستحق ہوئے
عَلَيْهِمُ: اُن پر
الْاَوْلَيٰنِ: پہلے دو
فَيُقْسِمٰنِ: تو دونوں قسم کریں
بِاللّٰهِ: اللہ کی
لَشَهَادَتُنَآ: البتہ گواہی ہماری
اَحَقُّ: زیادہ پکی ہے
مِنْ: سے
شَهَادَتِهِمَا: ان دونوں کی گواہی
وَ: اور
مَا: نہیں
اعْتَدَيْنَآ: ہم حد سے بڑھے
اِنَّآ: یوں تو ہم
اِذًا: پھر تو
لَّمِنَ: میں سے
الظّٰلِمِيْنَ: ظالم

''يَّاْتُوْا'' کا فاعل میت کے وصی ہیں یا سارے مسلمان ہیں جنہیں قسم اٹھانی پڑے۔ وصیوں کے بعد وارثوں سے قسم لینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ گواہ گواہی کے معاملے میں غور وخوض سے کام لیں گے اور خدا کے خوف یا خلق خدا کے ڈر سے واقعہ کے مطابق گواہی دیں گے یوں وہ حق کے مرکز سے روگردانی نہیں کریں گے۔

فخر الدین رازی مزید رقم طراز ہوتے ہیں (232):

> ''اللہ سے ڈرنے کا حکم یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ امانتوں میں خیانت نہ کرو اور ''وَاسْمَعُوْا'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کے احکام غور سے سنو اور ان پر عمل کرو اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو منزل ہدایت نصیب نہیں کرتا''۔

واحدی البسیط میں لکھتے ہیں (233):

> ''اعراب، نظم اور حکم کے اعتبار سے یہ مشکل آیت ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی اس آیت کو صعب سمجھتے تھے''۔

واللہ اعلم

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝١٠٩

''جس دن اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ عرض کریں گے ہمیں کوئی علم نہیں بے شک تو ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے''۔

علامہ رازی لکھتے ہیں قرآن حکیم کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں احکام کڑے ہوں وہاں قیامت کا کسی طرح ذکر کیا جاتا ہے اور خدا کا خوف دلایا جاتا ہے تاکہ عمل میں آسانی اور بہتری آجائے (234)۔

یہاں اس آیت میں قیامت کا ایک منظر قاریٔ قرآن کے سامنے لایا جارہا ہے کہ اس دن سے ڈرو جب اللہ تعالیٰ عظیم شانیں رکھنے والے تمام رسولوں کو جمع فرمائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا بتاؤ تمہیں تمہاری اُمتوں کی طرف سے کیا جواب ملا تھا یعنی ان کی تسلیم اور تعمیل کی صورت کیا تھی۔

رسول فرطِ ادب سے ہر قسم کا علم اللہ ہی کی طرف وابستہ کردیں گے۔ اصل میں دنیا میں خدائی تربیت کے نمونے رسول ہوتے ہیں اس لیے ان کے جواب میں عجز، ادب اور تسلیم کی آمیزش ہوگی،

مفردات

ذٰلِكَ: یہ
اَدْنٰٓى: زیادہ نزدیک ہے
اَنْ: یہ کہ
يَّاْتُوْا: لائیں وہ
بِالشَّهَادَةِ: گواہی
عَلٰى: پر
وَجْهِهَآ: صحیح طریقہ پر
اَوْ: یا
يَخَافُوْٓا: خوف کریں
اَنْ: یہ کہ
تُرَدَّ: رد کردی جائے
اَيْمَانٌ: قسم
بَعْدَ: بعد
اَيْمَانِهِمْ: ان کی گواہیوں کے
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ
وَاسْمَعُوْا: اور سن لو
وَاللّٰهُ: اور اللہ
لَا: نہیں
يَهْدِي: ہدایت دیتا
الْقَوْمَ: قوم
الْفٰسِقِيْنَ: فاسق، حق سے نکل جانے والی قوم

يَوْمَ: دن
يَجْمَعُ: جمع کرے گا
اللّٰهُ: اللہ
الرُّسُلَ: رسولوں کو
فَيَقُوْلُ: تو فرمائے گا

کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں تمام مخفی چیزوں سے تُو خود آگاہ ہے۔اس سے بھی تحریص یہ دلانا ہے کہ قیامت کے دن جب رسول فرطِ ادب سے پیکرِ عجز بنے ہوں گے تو لوگو تم بھی اللہ سے ڈرو اور عدل و انصاف کے تقاضے دیانت سے پورے کرو۔

رہا یہ سوال کہ قرآن پیغمبروں کی گواہی کی بات بھی کرتا ہے اور یہاں وہ اپنے علم کی نفی بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ یہ سب کچھ مرحلہ در مرحلہ ہوگا۔ایک مقام پر ادب کی یہ کیفیت ہوگی اور دوسرے مقام پر فضل اور عطا کا جلوہ ہوگا اور وہ گواہیاں گزار دیں گے اور حضور ﷺ مقام محمود پر جلوہ فروز ہوں گے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

مَاذَآ: کیا
اُجِبْتُمْ: جواب دیے گئے تم
قَالُوْا: عرض کریں گے
لَا: نہیں
عِلْمَ: علم
لَنَا: ہمیں
اِنَّكَ: بے شک تو
اَنْتَ: آپ
عَلَّامُ: بہت زیادہ علم رکھنے والا
الْغُيُوْبِ: غیبوں کا

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ
اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۜ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ
عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ
الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ
وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَ
اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

(110) جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! میرے اس انعام کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی، تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گہوارۂ مادر میں بھی اور سن کہولت میں بھی اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور یاد کرو جب تم مٹی سے ایک پرندے کی صورت بناتے تھے میرے اذن سے پھر تم اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور تم میرے اذن سے مادر زاد اندھوں اور کوڑھی کو تندرست کرتے اور جب تم میرے اذن سے مُردوں کو نکال کھڑا کرتے اور یاد کرو جب میں نے بنی اسرائیل کے شر کو تم سے دُور رکھا جب تم ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو ان میں سے منکرین کہنے لگے یہ تو بس کھلا جادو ہے

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

''جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! میرے اس انعام کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی، تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گہوارۂ مادر میں بھی اور سن کہولت میں بھی اور جب سکھائی میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور یاد کرو جب تم مٹی سے ایک پرندے کی صورت بناتے تھے میرے اذن سے پھر تم اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا اور تم میرے اذن سے مادر زاد اندھوں اور کوڑھی کو تندرست کرتے اور جب تم میرے اذن سے مُردوں کو نکال کھڑا کرتے اور یاد کرو جب میں نے بنی اسرائیل کے شر کو تم سے دُور رکھا جب تم ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو ان میں سے منکرین کہنے لگے یہ تو بس کھلا جادو ہے''۔

عیسیٰ علیہ السلام اور انعامات الٰہیہ

یہاں سے شروع ہونے والا اقرآنی خطبہ عیسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت اور ان انعامات سے مربوط ہے جو آنجناب اور ان کی اُمت کو بخشی گئیں اور قرآن میں ان کا محلِ دعوت بیداری اور آگاہی ہے اور مادی سوچوں کو روحانی اثرات کے زیرِ اثر لانا ہے۔

نسیم محبت کا پہلا جھونکا

ارشاد ہوتا ہے اے عیسیٰ ابن مریم! میری نعمت جو آپ کی ذات اور آپ کی والدہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اُسے یاد کرو۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ یاد قیام تصور سے شروع ہوتی اور سوچوں میں تصویر بن کر ابھرتی ہے۔ اشارہ اس طرف مقصود و مطلوب ہے کہ میں نے انہیں پاک کیا اور جہاں بھر کی موجود عورتوں پر انہیں فضیلت بخشی۔

مفردات

اِذْ: جب
قَالَ: کہا
اللّٰهُ: اللہ
يٰعِيْسَى: اے عیسیٰ
ابْنَ: بیٹے
مَرْيَمَ: مریم کے
اذْكُرْ: یاد کر
نِعْمَتِيْ: میری نعمت
عَلَيْكَ: اپنے اوپر
وَ: اور
عَلٰى: پر
وَالِدَتِكَ: والدہ اپنی کے
اِذْ: جب
اَيَّدْتُّكَ: میں نے تیری مدد کی
بِرُوْحِ: ساتھ روح
الْقُدُسِ: قدس کے
تُكَلِّمُ: باتیں کرتا تھا تو
النَّاسَ: لوگوں سے
فِي: بیچ
الْمَهْدِ: پالنے کے
وَكَهْلًا: اور پکی عمر میں
وَاِذْ: اور جب
عَلَّمْتُكَ: میں نے تعلیم دی تجھے
الْكِتٰبَ: کتاب
وَالْحِكْمَةَ: اور حکمت
وَالتَّوْرٰىةَ: اور توریت
وَالْاِنْجِيْلَ: اور انجیل
وَاِذْ: اور جب

نعمت کیا ہے؟

بلا معاوضہ ملنے والی چیز نعمت ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

(1) نعمت عامہ

(2) نعمت خاصہ

(3) نعمت شخصیہ

پہلی تو جیسے ہوا اور دھوپ ہے اور دوسری جیسے عزت، شہرت اور دولت وغیرہ اور تیسری نعمتیں وہ ہوتی ہیں جو خواص کو ملتی ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں (235)۔

ایک اہم بات

قرآن مجید جہاں نعمتیں بیان کرتا ہے عام طور پر شکر گزاری کی روح پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے، جو مقالہ جات قیامت کے روز صادر ہوں گے ان کا مقصد یقیناً یہ نہیں ہوگا بلکہ یہ سب کچھ اتمام حجت کے قبیل سے ہوگا اور ''اذْكُرْ'' کا تعلق بھی اصالۃً عیسائیوں کے ساتھ بنتا ہے۔

مدارک التنزیل کی عبارت

قرآن مجید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''یاد کرو جب میں نے آپ کو روح القدس کی مدد سے نوازا تھا'' یعنی تائید جبرائیل نصیب کی تھی کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہتے اور حوادث میں ان کی مدد کرتے اور دین میں تازگی اور زندگی سے نوازا جاتا۔ آیت میں روح القدس کی طرف اضافت یوں کی گئی ہے کہ وہ سبب طہر ثابت ہوا اور یہ نبوت کی دلیل بن جائے۔ روح القدس جبرائیل علیہ السلام کا لقب ہے (236)۔

بیانِ نعمت کی دوسری شعاع

قرآن مجید کہتا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ تو لوگوں کے ساتھ گہوارۂ مادر میں بھی گفتگو کرے گا اور پختگی کی عمر میں پہنچ کر بھی تیری زبان سے اعجازِ کلامی ظاہر ہوگا۔ علامہ نسفی نے لکھا کہ گہوارۂ مادر کا کلام تو قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔ کہولت کی عمر میں کلام کرنے سے مراد ہے کہ آخر میں جب آپ کا نزول و ہبوط ہوگا آپ کلام فرمائیں گے۔

تفسیر صاوی نے لکھا (237):

> ''آپ تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے اور
> جب آسمان سے زمین پر تشریف لائیں گے چالیس سال
> قیام فرمائیں گے''۔

مفردات

تَخْلُقُ: بناتا تو

مِنَ: سے

الطِّيْنِ: کیچڑ سے/مٹی سے

كَهَيْئَةِ: مورت

الطَّيْرِ: پرندے کی

بِاِذْنِيْ: میری اذن سے

فَتَنْفُخُ: پھر تو پھونکتا

فِيْهَا: اس سے

فَتَكُوْنُ: تو ہو جاتا

طَيْرًا: پرندہ

بِاِذْنِيْ: میرے حکم سے

وَتُبْرِئُ: اور تندرست کرتا تھا تو

الْاَكْمَهَ: مادرزاد اندھے کو

وَالْاَبْرَصَ: اور برص کی بیماری

بِاِذْنِيْ: میرے حکم سے

وَاِذْ: اور جب

تُخْرِجُ: نکالتا تو

الْمَوْتٰى: مُردوں کو

بِاِذْنِيْ: میرے اذن سے

وَاِذْ: اور جب

كَفَفْتُ: روکا میں نے

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ: یعقوب علیہ السلام کی اولاد

عَنْكَ: تیرے لیے

اِذْ: جب کہ

جِئْتَهُمْ: لایا تو اُن کے پاس

بِالْبَيِّنٰتِ: معجزات

فَقَالَ: تو کہا

الَّذِيْنَ: اُنہوں نے جو

مفردات

كَفَرُوْا: کافر تھے
مِنْهُمْ: اُن میں سے
اِنْ: نہیں
هٰذَآ: یہ
اِلَّا: مگر
سِحْرٌ: جادو
مُّبِيْنٌ: کھلا ہوا

علامہ آلوسی فرماتے ہیں (238):

''آپ بچپن اور کہولت میں کلام فرمائیں گے جب آسمان سے آپ کا نزول ہوگا، اس لیے کہ آپ کہولت سے پہلے کی عمر میں آسمانوں کی طرف اٹھا لیے گئے تھے۔ کہولت کی عمر وہ ہوتی ہے جب کہ سر اور داڑھی کے بال کچھ سیاہ اور کچھ سفید ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تینتیس سال سے لے کر پچاس سال کی عمر کہولت کی ہوتی ہے''۔

تیسری نعمت کا بیان

یہ نعمت بھی میری نوازش سے ہوئی کہ میں نے تجھے کتاب وحکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔ کتاب کے ذکر کے بعد تورات اور انجیل کا خصوصی حوالہ اجمال کے بعد تفصیل کا نوری عکس ہے۔ کتاب سے مراد بعض مفسرین نے کتابت بھی لی ہے۔ ایک یہ بات بھی مشارٌ الیہ ہے کہ لوگ عام استادوں سے سب کچھ سیکھتے ہیں لیکن تم پر خصوصی انعام یہ ہوا کہ چار چیزوں کی تعلیم میں نے خود دی (239)۔

چوتھی نعمت کا بیان

چوتھی نعمت آپ کو میری طرف سے یہ حاصل تھی کہ آپ میرے حکم اور اذن سے پرندے کی شکل کی ایک چیز مٹی سے بناتا تھا اس کو بعد میں اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے اذن سے ایک زندہ پرندہ ہو جاتی تھی۔ روح البیان میں ہے کہ آپ ہر قسم کا پرندہ بنا لیتے تھے لیکن آپ نے چمگادڑ بنایا تھا اس لیے کہ اس میں بہت عجائبات ہیں۔ آیت میں ''نفخ'' سے مراد منہ سے پھونک مارنا ہے۔

سیدی ابوالحسنات قادری لکھتے ہیں

''اکمہ'' اُس اندھے کو کہتے ہیں جو ماں کے پیٹ سے ہی نابینا پیدا ہو، اسے شفا طب میں ناممکن ہوتی ہے اور ''ابرص'' سفید داغوں کو کہتے ہیں جس میں سوئی چبھوئی جائے تو خون نہیں نکلتا۔ اس کا علاج بھی ناممکن ہوتا ہے لیکن تم، اللہ نے فرمایا کہ میرے اذن سے، ایسے بیماروں کو بھی شفایاب کر دیتے ہو (246)۔

''وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ''

اخراج سے مراد گلے ہوئے مُردوں کو ان کی قبر سے نکالنا ہے۔ اس سے عالم امر اور عالم اجسامیہ پر اللہ کے اذن سے تصرف ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے سام بن نوح کو قبر سے زندہ کر کے نکالا اور دو آدمی، ایک

عورت اور ایک لڑکی زندہ کی۔

بنی اسرائیل سے روکنے کا معنیٰ

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (241):

اس میں دو چیزیں اہم ہیں:

ایک تو ''بیّنات'' سے مراد کیا ہے؟

احتمال ہے وہی معجزات ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا اور ممکن یہ بھی کہ بیّنات پر الف لام جنسی ہو اور اس سے تمام معجزات مراد ہوں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آپ سے جب معجزات ظاہر ہوئے تو یہود نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہود کی شر سے بچا لیا اور آسمان کی طرف اٹھا لیا۔

''بِاِذْنِیْ'' کا تکرار

اس آیت میں چار مرتبہ ''بِاِذْنِیْ'' لفظ دہرایا گیا ہے، یہ اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ بھی ظاہر ہوا اس میں اللہ کا اذن اور حکم شامل تھا۔ اس سے الوہیت کی نفی ہو گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کا بندہ ہونا ثابت ہو گیا لیکن کافر لوگوں نے پھر بھی اسے کھلا جادو قرار دے دیا۔

واللہ اعلم

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا
وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ
عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾
قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ
صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾
قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ
لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَةً مِّنْكَ ۚ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾

(111) اور یاد کرو جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ وہ پکار اٹھے ہم ایمان لے آئے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں

(112) اور جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمہارا ربّ یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے عیسیٰ ابن مریم نے کہا ''ڈرو اللہ سے'' اگر تم مومن ہو

(113) بولے! ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقینی علم حاصل ہو جائے کہ تو نے ہمیں سچائیاں ہی دی ہیں اور ہم اس پر گواہی دینے والے بن جائیں

(114) عیسیٰ ابن مریم نے دعا فرمائی اے اللہ ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان اتار، بن جائے ہمارے لیے خوشی کا دن ہمارے پہلوں کے لیے بھی اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی اور ایک نشانی تیری طرف سے اور تو ہمیں عطا فرما اور تو ہی بہترین عطا فرمانے والا ہے

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

''اور یاد کرو جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ وہ پکار اٹھے ہم ایمان لے آئے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں (242):

یہاں وحی سے مراد الہام اور القا ہے۔ اس قسم کی تعبیرات قرآن مجید میں اور جگہوں پر بھی موجود ہیں جیسا کہ فرمایا گیا کہ:

''تیرے ربّ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی اور یہ بھی کہا گیا کہ ''ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی''۔

علامہ نسفی نے بھی اس کی تائید کی (243)۔

ان میں سے جو برگزیدہ لوگ تھے ان کے دل میں یہ خیر کی دعوت رکھی۔ سدی اور قتادہ نے بھی یہی معنیٰ لیا (244) اور فخر الدین رازی بھی اسی طرف گئے (245)۔

حواریین کون تھے؟

''حواریین'' جمع ''حواری'' کی ہے اور یہ حور سے بنا ہے جس کا معنیٰ خالص سفیدی ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں رہنے والوں کو حواری کہا جاتا ہے۔ ان کے دل صاف اور نیتیں خالص تھیں۔ ان میں سے بعض مچھیرے تھے، بعض دھوبی اور بعض رنگ ریز تھے۔ حدیث پاک میں ہے: ''زبیر میرے حواری ہیں'' اصل میں یہ لوگ غریب تھے اور انبیاء کی دعوتوں میں دیکھا جائے تو غریبوں ہی نے زیادہ تر ان کے عَلَم اٹھائے ہیں۔ یہ لفظ یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ لوگ صفائے قلب کی دولت رکھتے تھے۔ مفتی احمد یار خان نے صحیح لکھا کہ سلطان جیسے گندے گھر میں نہیں آتے، ایمان بھی گندے دلوں میں نہیں سماتا (246)۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

''اور جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمہارا ربّ یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے عیسیٰ ابن مریم نے کہا ''ڈرو اللہ سے'' اگر تم مومن ہو''۔

معاشی خوشحالی مضبوط اعتقاد کی بنیاد ہوتی ہے اور اقتصادی پسماندگی قوموں میں طرح طرح کے

مفردات

وَ اِذْ: اور جب
اَوْحَیْتُ: میں نے وحی کی
اِلَی: کی طرف
الْحَوَارِیّٖنَ: حواریوں
اَنْ: یہ کہ
اٰمِنُوْا: ایمان لے آؤ
بِیْ: میرے ساتھ
وَ: اور
بِرَسُوْلِیْ: میرے رسولوں پر
قَالُوْۤا: کہنے لگے
اٰمَنَّا: ہم ایمان لے آئے
وَاشْهَدْ: اور تُو گواہ ہو جا
بِاَنَّنَا: بے شک ہم
مُسْلِمُوْنَ: اسلام لانے والے ہیں

اِذْ: جب
قَالَ: کہا
الْحَوَارِیُّوْنَ: حواریوں نے
یٰعِیْسَی: اے
ابْنَ مَرْیَمَ: بیٹے مریم کے
هَلْ: کیا
یَسْتَطِیْعُ: طاقت رکھتا ہے
رَبُّكَ: ربّ تیرا
اَنْ: یہ کہ
یُّنَزِّلَ: اتارے
عَلَیْنَا: ہم پر
مَآىِٕدَةً: دسترخوان
مِّنَ: سے

عیب پیدا کرتی ہے۔حواریین بارگاہ عیسیٰ علیہ السلام میں عرض کرنے لگے کہ آپ نے عقیدۂ توحید میں ہمیں اللہ کے ربّ ماننے کا حکم دیا ہے اس لیے ہماری تمنا اور آرزو ہے کہ بارگاہِ ربوبیت میں عرض کریں کہ وہ آسمان سے مائدہ اتارے۔عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی لیکن دعا سے پہلے تقویٰ اور ایمان کی مضبوطی کی تلقین کی۔

''مائدہ'' کی تشریح

آبی جہاز میں جب ہچکولے لگیں تو سر میں جو چکر آتے ہیں انہیں ''مید'' کہا جاتا ہے۔دسترخوان کو ''مید'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر کھانے کے برتن گھمائے جاتے ہیں۔کپڑے کا اگر دسترخوان ہو تو اُسے ''مائدہ'' کہا جاتا ہے۔اگر دسترخوان چمڑے کا ہو تو اُسے ''سفرہ'' کہتے ہیں اور کھانے کی میز لکڑی کی ہو اور وہ زمین سے اونچی ہو تو اسے ''خوان'' کہہ دیتے ہیں۔اس لیے کہتے ہیں سلاطین خوان استعمال کرتے ہیں اور عجمی لوگ ''سفرہ'' پسند کرتے ہیں، جب کہ عرب لوگوں کی پسند ''مائدہ'' ہوتی ہے(247)۔

مفتی احمد یار خان صاحب نے لکھا کہ حواریین کی تربیت نہیں تھی اس لیے عیسیٰ ابن مریم کہا۔آپ کو لقب سے نہ پکارا۔مفتی احمد یار خان صاحب کو حسن فکر کی اللہ جزا دے لیکن تربیت کے دور میں یا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہم بھی تو ''عبدہ و رسولہ'' کہتے ہیں۔پیغمبر کے اصحاب ہیں وہ ٹھیک ہی سوچتے ہیں(248)۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

''بولے! ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہمیں یقینی علم حاصل ہو جائے کہ تو نے ہمیں سچائیاں ہی دی ہیں اور ہم اس پر گواہی دینے والے بن جائیں،عیسیٰ ابن مریم نے دعا فرمائی اے اللہ ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان اتار، بن جائے ہمارے لیے خوشی کا دن ہمارے پہلوں کے لیے بھی اور بعد میں آنے والوں کے لیے بھی اور ایک نشانی تیری طرف سے اور تو ہمیں عطا فرما اور تو ہی بہترین عطا فرمانے والا ہے''۔

دو آیتیں جن کا مطالعہ اللہ تعالیٰ نصیب فرما رہا ہے۔ان حواریین کی عظمتِ فکر محسوس ہو رہی ہے، عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت نے ان کی سوچوں کو صائب کر دیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم مائدہ کی نعمتیں جب اکل و

مفردات

السَّمَآءِ: آسمان
قَالَ: فرمایا
اتَّقُوا: ڈرو
اللّٰهَ: اللہ سے
اِنْ: اگر
كُنْتُمْ: ہو تم
مُّؤْمِنِيْنَ: ایمان لانے والے

قَالُوْا: انہوں نے کہا
نُرِيْدُ: ہم ارادہ رکھتے ہیں
اَنْ: یہ کہ
نَّاْكُلَ: کھائیں
مِنْهَا: اس سے
وَ: اور
تَطْمَئِنَّ: مطمئن ہو جائیں
قُلُوْبُنَا: ہمارے دل
وَنَعْلَمَ: اور جان لیں ہم
اَنْ: یہ کہ
قَدْ: بے شک
صَدَقْتَنَا: تو نے سچ کہا ہم سے
وَنَكُوْنَ: اور ہوں ہم
عَلَيْهَا: اس پر
مِنَ: سے
الشّٰهِدِيْنَ: گواہوں
قَالَ: عرض کیا
عِيْسَى: عیسیٰ علیہ السلام

شرب میں اتار لیں گے تو اس سے ہماری روحانی حالت میں استحکام آجائے گا، عزائم صاف ہو جائیں گے۔ غذا کا ایک اثر روحِ انسانی پر ضرور اپنا رنگ چھوڑتا ہے اس لیے ہمارا دل چاہتا ہے کہ اس میں نعمتیں ہمیں نصیب ہوں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں۔ ذہنوں اور سوچوں کو آسودگی حاصل ہو اور یہ عظیم معجزہ دیکھنے سے ہمارے عزائم اور ارادے حق الیقین کی منزل پالیں گے اور آپ کی باتوں کی صداقت معجز ہو کر ہمارے دلوں کو دھوئے گی اور اسی کا اتم فیض ہوگا ہم تربیت کی اس فضیلت مآب شاہرہ پر گواہ بن جائیں گے، ہمارے دلوں کی دھڑکنیں پکار اٹھیں گی کہ یہ راستہ معمولی نہیں عظیم ہے اور شہادتوں کا یہ نظام کائنات میں عظمتِ فکر کا نقشِ لاثانی بن جائے گا۔

عیسیٰ علیہ السلام نے جب رسوخ عزم کا یہ نقشہ دیکھا تو دعا فرمائی پروردگار ہمارے! ہم پر آسمان سے مائدہ اتار جو ہمارے اول آخر کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے ایک آیت اور نشانی ہو اور ہمیں روزی عطا فرما اس لیے کہ تو ہی بہترین اور عظیم روزی رساں ہے۔

آیت میں عید کا ذکر

قرآن مجید عیسیٰ علیہ السلام کی ایک معصوم آرزو کا ذکر کرتا ہے کہ پروردگار نزول مائدہ کے دن کو ہمارے اگلوں پچھلوں کے لیے عید بنا دے۔ اصل میں عید بڑے دن کی تاریخ کو اپنے اندر سموئے ہوتی ہے۔ یہ دن ہر قوم کے لیے خوشیوں اور بہار کے ساتھ جاگتا ہے۔ ہاں عید کے دن مسرتیں پھول بن کر سکون بانٹتی ہیں۔ عید کا دن کسی بھی موسم میں آئے برودت اور گرمی سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس میں زندگی کا دامن معطر ہوتا ہے۔ سوچا جائے تو عید خود کو خوشیوں اور ٹھوس نظریات کے آبِ کوثر سے دھونے کا نام ہے۔ مسلمانوں کی عید الفطر ہو یا عید قربان یا عید میلاد ہو عقیدہ اس دن گل آفریں بہاروں میں ملفوف ہوتا ہے۔ عیدیں سال میں چند مرتبہ آتی ہیں لیکن خوب آتی ہیں۔ یہ لباس فقر میں ان روحانی قیادتوں سے وابستگی کا جشن ہوتا ہے جو ہزار سلطنتوں میں ہزار ہا بادشاہوں سے زیادہ پُر ہیبت اور پُر وقار ہوتی ہے۔ عید تو ٹوٹ کر آقائے رحمت کے نام کی مالا جپنے کا نام ہے، عیدیں خدائی عطاؤں کی یادگاریں قائم کرنے کا نام ہے۔ محبوب اور معبود کے نام کی تسبیح رولنے کا نام ہے، خوش ہونے اور خوش کرنے کا نام ہے۔ اس کی جستجو بڑی نعمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے روضے اور قبر کو عید نہ بناؤ'' یعنی عید تو سال میں صرف ایک مرتبہ آتی ہے تم میرے روضے پر عید بن کر نہ آؤ بلکہ بار بار آؤ، ہر روز آؤ، سورج کی ہر تازہ کرن کے ساتھ آؤ، نسیم صبح کی طرح اوقات کے ہر میزانیے پر میرے رو برو لمبی اور گہری سانس لو، قوموں کی یہ عیدیں بڑا سرمایہ ہیں اور بڑی دولت ہیں۔

❁❁❁❁❁

مفردات

ابْنُ: بیٹا
مَرْيَمَ: مریم
اللّٰهُمَّ: اے اللہ
رَبَّنَآ: ربّ ہمارے
اَنْزِلْ: اتار
عَلَيْنَا: ہم پر
مَآئِدَةً: دسترخوان
مِّنَ: سے
السَّمَآءِ: آسمان
تَكُوْنُ: ہو
لَنَا: ہمارے لیے
عِيْدًا: عید
لِّاَوَّلِنَا: ہمارے اگلوں کے لیے
وَ: اور
اٰخِرِنَا: ہمارے پچھلوں کے لیے
وَ: اور
اٰيَةً: نشانی
مِّنْكَ: تیری جانب سے
وَارْزُقْنَا: اور روزی دے ہمیں
وَ: اور
اَنْتَ: تو
خَيْرُ: اچھا
الرّٰزِقِيْنَ: روزی دینے والوں میں

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیۡ مُنَزِّلُهَا عَلَیۡكُمۡ ۚ فَمَنۡ یَّكۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡكُمۡ فَاِنِّیۡۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾

وَ اِذۡ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا یَكُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ لِیۡ ۟ بِحَقٍّ ؕ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾

(115) اللہ نے فرمایا میں یقیناً تمہیں یہ نعمت ضرور عطا کروں گا پھر تم میں سے جس نے اس کے بعد بھی کفر اختیار کیا تو بے شک میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو عذاب جہانوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دوں گا

(116) اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو وہ عرض کریں گے ”سبحان اللہ“ میرے لیے یہ حق ہے ہی نہیں کہ ایسی بات کروں جو میرے لیے مناسب ہی نہ ہو اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو بے شک تو اسے جانتا ہے تو خوب جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے بے شک تو غیبوں کا خوب جاننے والا ہے

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

''اللہ نے فرمایا میں یقیناً تمہیں یہ نعمت ضرور عطا کروں گا پھر تم میں سے جس نے اس کے بعد بھی کفر اختیار کیا تو بے شک میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو عذاب جہانوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں دوں گا''۔

بڑی روحانی نعمتوں کی جب قدر نہ ہو تو وہ اپنے اندر دردناک سزاؤں کی تاریخ رکھتی ہیں۔ یہ ربّانی رحمت کا عام قانون ہے کہ وہ نوازش کا گہرا رنگ لے کر نازل ہوتی ہے لیکن اس کے اندر ناقدری پر سزا کی کڑک ہوتی ہے۔ بارش رحمتوں ہی کا اعلان ہوتا ہے لیکن اس کے اندر بھی بجلیوں کی کڑک بارش دینے والے کے جلال کا پرتو ہوتا ہے۔

مائدہ کے نزول کی تمنا عیسوی رنگ ہے۔ ربّ کائنات کا اپنے نبی کی دعا قبول کرنے کا اعلان ہے لیکن ساتھ ہی ناقدری پر تعزیر کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ بزرگ کہتے ہیں نعمتوں کے ملنے پر الحمدللہ پڑھنا چاہیے لیکن ساتھ ہی منعم کے روحانی اعلان پر بھی کان دھرنے چاہییں کہ اگر ہم نے اس نعمت کی قدر نہ کی تو پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیا ہوگا۔ مصطفوی نسبتوں کے حاملین کو عذاب نہ بھی ہو تو بھی حماقت تھوڑا بڑا عذاب ہے؟ اللہ کرے ان کے قدموں ہی میں جان نکلے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ علم، یقین اور شہود تک پہنچ جائیں ان کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اگر وہ بھی شکر گزاری کی بجائے خلاف ورزی پر اتر آئیں ان کے لیے سزا بھی کڑی ہو جاتی ہے۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

''اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو وہ عرض کریں گے ''سبحان اللہ'' میرے لیے یہ حق ہے ہی نہیں کہ ایسی بات کروں جو میرے لیے مناسب ہی نہ ہو اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو بے شک تو اسے جانتا ہے تو خوب جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے

مفردات

قَالَ اللّٰهُ: فرمایا اللہ نے
اِنِّیْ: بے شک میں
مُنَزِّلُهَا: اتارنے والا ہوں اس کا
عَلَیْكُمْ: تم پر
فَمَنْ: تو جو
یَّكْفُرْ: انکار کرے گا
بَعْدُ: بعد
مِنْكُمْ: تم میں سے
فَاِنِّیْۤ: تو یقیناً میں
اُعَذِّبُهٗ: اُسے میں سزا دوں گا
عَذَابًا: سزا دینا
لَّاۤ: نہیں
اُعَذِّبُهٗۤ: سزا دی ہوگی
اَحَدًا: کسی ایک کو
مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ: تمام جہانوں میں سے

وَ اِذْ: اور جب
قَالَ اللّٰهُ: فرمایا اللہ نے
یٰعِیْسَى: اے عیسیٰ علیہ السلام
ابْنَ: بیٹا
مَرْیَمَ: مریم
ءَاَنْتَ: کیا تو
قُلْتَ: نے کہا تھا
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
اتَّخِذُوْنِیْ: مجھے بنا لو
وَ اُمِّیَ: اور میری ماں کو
اِلٰهَیْنِ: دو معبود
مِنْ: سے

بے شک تو غیبوں کا خوب جاننے والا ہے‘‘۔

یہ مکالمہ مناظرِ قیامت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔’’قال‘‘ ماضی کا صیغہ کوئی مشکل پیدا نہیں کرتا اس لیے قرآن حکیم میں اکثر قیامت سے مربوط مسائل زمانِ ماضی کی شکل میں کیے گئے ہیں اور اس قسم کی تعبیرات یقینی اور قطعی ہونے کی علامت ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم کی یہ منظر کشی کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ اپنا معبود بنا لو اور یوں ہماری پرستش کرو۔ اس استفہام کو یہ نہ سمجھا جائے کوئی ایسی بات کی تھی انہوں نے تو گہوارہ مادر سے لے کر کہولت کی عمر تک توحید اور عبادت خدا کی بات کی ہے۔ یہ سرزنش اصل میں ان کی قوم کی کی جا رہی ہے اور ان پر جرم ثابت کیا جا رہا ہے لیکن آیت کے اندر ہی عیسیٰ علیہ السلام کا جو جواب وحی کیا گیا ہے اس میں عجز اور احترامات کثیرہ ہیں۔

’’سُبْحٰنَكَ‘‘ لفظ سمندر سے بھی گہرا ہے۔ اس میں خدا کی پاکیزگی اور بے عیب ہونا بیان ہوا ہے۔ ساتھ ہی یہ لفظ دلالت کرتا ہے کہ ایک عاشق ہے جو عقیدے کی نماز قائم کر رہا ہے اور درخواست ایک اعلان بنتی جا رہی ہے۔ اے اللہ! تو ہر قسم کا شریک رکھنے سے پاک ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے صادر ہونے والے کلمات شاعری نہیں آواز فطرت ہے، لفظ مختصر ہیں معانی کثیر ہیں، یہ شرک کی تردید بھی ہے اور محبت کا نغمہ بھی ہے، عشق کا گیت ہے، سچائیوں کا نقارہ ہے۔ اُمت مسلمہ کا توحید سے ربط دیکھیے ہمارے آقا نے ’’سُبْحٰنَكَ‘‘ لفظ کی خلوصیت دیکھی اور مسلمانوں کی نماز کا اس کلمہ کو مقدمہ بنا دیا کہ مظاہرات جلال و جمال کا پروردگار کوئی اور نہیں اللہ ہی ہے اور وہی معبود یکتا ہے اس کی معبودیت کی توجہ ہی سے محبوبوں کے حسن کی دنیا سجتی ہے۔

دوسری بات جو عیسیٰ علیہ السلام بروز قیامت ارشاد فرمائیں گے وہ یہ ہوگی کہ میرے لیے یہ مناسب ہی نہیں اور میرا یہ حق ہی نہیں کہ میں ایسی بات کروں۔ مقام و مرتبہ والے شخص کو اپنا پتہ ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیا نہیں۔ میرے سبحان ربّ مَیں ایسی باتیں کرنے کا حق ہی نہیں رکھتا جیسی میری طرف منسوب کی گئی ہیں۔

آیت کے آخر میں جناب عیسیٰ علیہ السلام پروردگارِ عالم کے بے پایاں علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ میری گواہ یہ حقیقت ہے اگر میں نے ایسا کچھ کہا ہوتا تو تیرے علم سے باہر کیا ہو سکتا ہے۔ تُو اس سے آگاہ ہے جو میرے دل، میرے ذہن اور میری روح کے اندر ہے جب کہ میں اس سے بے خبر ہوں جو تیری ذات عظیم میں ہے۔ تُو تو پوشیدہ رازوں، مخفی حقائق اور پسِ حجابات ہر چیز کا بہت زیادہ جاننے والا ہے۔ واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

مفردات

دُوْنِ: سوا
اللّٰهِ: اللہ
قَالَ: عرض کی
سُبْحٰنَكَ: پاک ہے تو
مَا يَكُوْنُ: نہیں ہے
لِيْ: میرے لیے
اَنْ اَقُوْلَ: یہ کہ میں کہوں
مَا: جو
لَيْسَ: نہیں
لِيْ: میرے لیے
بِحَقٍّ: حق، مناسب، جائز
اِنْ كُنْتُ: اگر میں ہوتا
قُلْتُهٗ: اسے کہا ہوتا
فَقَدْ: تو بے شک
عَلِمْتَهٗ: تجھے پتا ہی ہوتا
تَعْلَمُ: تو جانتا ہے
مَا: جو
فِيْ نَفْسِيْ: میرے اندر ہے
وَلَآ: اور نہیں
اَعْلَمُ: میں جانتا
مَا: کیا ہے
فِيْ: میں
نَفْسِكَ: تیرے جی میں
اِنَّكَ: بے شک تو
اَنْتَ: تو
عَلَّامُ: بہت زیادہ جاننے والا
الْغُيُوْبِ: غیبوں کا

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾
اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾

(117) میں نے ان سے کوئی بات نہیں کہی سوائے اس کے جس کا حکم تو نے دیا یہ کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا رب اور تمہارا پالنہار ہے اور میں ان پر نگران رہا جب تک ان میں رہا پس جب تو نے مجھے اٹھالیا تو خود ہی ان کا نگہبان رہا اور تو ہر چیز کو خوب اور خوب دیکھنے والا ہے

(118) اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی بخشش فرمائے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

''میں نے ان سے کوئی بات نہیں کہی سوائے اس کے جس کا حکم تو نے دیا یہ کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا ربّ اور تمہارا پالنہار ہے اور میں ان پر نگران رہا جب تک ان میں رہا پس جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو خود ہی ان کا نگہبان رہا اور تو ہر چیز کو خوب اور خوب دیکھنے والا ہے، اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی بخشش فرمائے تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے''۔

دونوں آیتوں میں عاجزانہ رویوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے مقالات میں چاند اتار دیے ہیں۔ محبت حقیقت کا تاج بن کر اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اعلان کر رہی ہے۔ یہ جملہ عیسیٰ علیہ السلام کا دل بن کر اُن کی زبان سے دھڑک رہا ہے کہ اے بار الٰہا! میں نے کبھی تیری مرضی سے ہٹ کر انہیں کوئی حکم نہیں دیا میری پکار میری کوشش، میرا ارادہ اور میری دعوت ہمیشہ یہی رہی کہ سب لوگ اپنے ربّ کی عبادت میں ڈوب جائیں اور ان کا یقین انہیں سمجھا دے کہ اللہ میرا بھی ربّ ہے اور ان کا بھی پالن ہار ہے۔

تیرا کرم کہ رسالت کے لیے میرا انتخاب ٹھہرا۔ میں بھی جب تک ان میں رہا ان پر میری شہادت یا میری نگرانی جاری رہی۔ اشارہ اس طرف ہوا کہ میں عقیدۂ توحید کے لیے تڑپتا رہا، ہمیشہ میں نے انہیں ایک ربّ کی عبادت کا حکم دیا، پھر جب تیرا حکم ہوا کہ مجھے آسمانوں پر تُو لے جائے تو بھی یہ بے سہارا نہ ہوئے تو خود ان پر پاسبان ہو گیا۔ یہ تیری محبت اور تیرے قبضے میں تیری نگرانی کے سائے میں آ گئے۔ کریم ربّ! میری نگرانی یا شہادت تو تیری عطا ہے تو خود ہر چیز پر گواہ ہے۔ اُسے دیکھتا ہے اور اُسے قابو میں رکھتا ہے۔ ہوتا جو کچھ ہے اس میں تیری حکمتوں کی بادشاہی ہوتی ہے۔

زجاج لکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا (249) کہ قوم میں بعض لوگ کفر کی طرف بڑھ گئے اور بعض نے اپنے دل اور ذہن ایمان اور اسلام کے حوالے کر دیے، اس لیے آپ نے بارگاہ عدل میں عرض کی! ربّ عظیم جو منکر ہو گئے ہیں ان کی سزا بنتی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تُو انہیں صاف کر کے معاف کر دے اور پھر اسلام لانے والے بھی موجود ہیں اگر تو انہیں معافی کا

مفردات

مَا: نہیں، نہ
قُلْتُ: کہا میں نے
لَهُمْ: اُن سے
اِلَّا: مگر
مَآ: جو
اَمَرْتَنِيْ: تُو نے مجھے حکم دیا
بِهٖٓ: اُس کا
اَنِ: یہ کہ
اعْبُدُوا: عبادت کرو
اللّٰهَ: اللہ کی
رَبِّيْ: میرا ربّ
وَ: اور
رَبَّكُمْ: تمہارا ربّ
وَ: اور
كُنْتُ: تھا میں
عَلَيْهِمْ: ان پر
شَهِيْدًا: گواہ
مَّا: جب تک
دُمْتُ: میں رہا
فِيْهِمْ: اُن میں
فَلَمَّا: پھر جب
تَوَفَّيْتَنِيْ: تو نے مجھے اٹھا لیا
كُنْتَ: تُو تھا
اَنْتَ: تُو
الرَّقِيْبَ: نگران
عَلَيْهِمْ: ان پر
وَ: اور
اَنْتَ: تُو

پروانہ دے دے تو بھی تیرا کرم ہوگا، تُو عزیز اور حکیم ہے، جو عزیز ہوتا ہے ہر چیز اس کے قبضے میں ہوتی ہے اور حکیم کی حکمتوں کو کون جان سکتا ہے جب تک وہ خود اپنے راز کھول نہ دے۔

ایک بار ایسے ہوا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور پھر دست کرم دعا کے لیے اٹھا دیے اور گریاں گریاں عرض گزار ہوئے:

اللّٰھم امتی امتی

''اے اللہ میری امت میری امت''۔

چشم زدن میں جبرائیل حاضر ہو گئے اور پیغام پہنچایا کہ

ربّ فرماتا ہے اے محبوب!

ہم آپ کی اُمت کے معاملہ میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے (250)۔

حضرت آلوسی لکھتے ہیں:

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں یہ آیات تلاوت فرمائیں پڑھتے پڑھتے صبح ہو گئی۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

میں عرض کناں ہوا آج اتنی دیر تک چشمۂ رحمت تلاوت میں انہماک کے ساتھ فیض رساں رہا

آپ فرمانے لگے:

''میں نے اپنے ربّ سے شفاعت کی اجازت لی اور مجھے اس کی اجازت مل گئی۔ اب ان شاء اللہ جو کفر نہیں کرے گا میری اُمت کے ہر ایسے فرد کو میری شفاعت پہنچے گی'' (251)۔

❁❁❁❁❁

مفردات

عَلٰی: پر

کُلِّ: ہر ایک

شَیْءٍ: چیز

شَھِیْدٌ: گواہ

اِنْ: اگر

تُعَذِّبْھُمْ: تُو انہیں عذاب دیں

فَاِنَّھُمْ: بے شک وہ

عِبَادُكَ: تیرے بندے

وَ: اور

اِنْ: اگر

تَغْفِرْ لَھُمْ: تُو بخش دے انہیں

فَاِنَّكَ: تو بے شک تُو

اَنْتَ: تُو

الْعَزِیْزُ: غالب ہے

الْحَكِیْمُ: حکمت والا

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا
عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾
لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

(119) اللہ فرمائے گا آج کے دن میں صدق والوں ہی کو ان کا صدق فائدہ دے گا ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ بہت بڑی کامیابی ہے

(120) آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چاہے پر خوب قدرت رکھنے والا ہے

❁❁❁❁❁

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

''اللہ فرمائے گا آج کے دن میں صدق والوں ہی کو ان کا صدق فائدہ دے گا ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہ بہت بڑی کامیابی ہے، آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چاہے پر خوب قدرت رکھنے والا ہے''۔

سورۃ المائدہ کے آخر میں دو آیتیں مفاہیم سورت کی تلخیص کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ربّ فرمائے گا کہ آج کا دن وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کی سچائی فائدہ دے گی۔ یہ دراصل ربّ کی طرف سے عدل، انصاف، رحمت، شفقت کی آواز ہوگی جو مخلوقات میں سے تمام صائبین اور صادقین کی کامیابی کا اعلان ہوگا اور باغاتِ عدن اور جنت الفردوس کی نعمتیں سچوں کے لیے خاص ہونے کی نوید مسرّت سنائی جائے گی۔ آخری الفاظ میں آیت نے بڑا انعام صادقین کے نام ہونے کا اعلان کیا کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ خدا ان سے راضی ہے اور یہ خدا سے راضی ہیں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

آخری آیت میں آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر اللہ کی حاکمیت اور مالک ہونے کا بیان ہے۔ ظاہر ہے جو ہستی تمام چیزوں پر قدرت رکھتی ہے وہ جس کو چاہے جس سے نواز دے۔ کامیابیاں اور جنت کے نظارے ان میں خلود کی نعمتیں اللہ ہی دینے والا ہے، یہ جسے سمجھ آجائے تو وہ ہدایت کا بھی پا لینے والا ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

قَالَ: فرمائے گا
اللّٰهُ: اللہ
هٰذَا يَوْمُ: آج کے دن
يَنْفَعُ: فائدہ دے گا
الصّٰدِقِيْنَ: سچوں کو
صِدْقُهُمْ لَهُمْ: ان کا سچ ان کے لیے
جَنّٰتٌ: جنت میں
تَجْرِيْ: جاری ہیں
مِنْ تَحْتِهَا: ان کے نیچے
الْاَنْهٰرُ: نہریں
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ: ہمیشہ رہنے والے اس میں
اَبَدًا: ہمیشہ کے لیے
رَضِيَ اللّٰهُ: اللہ راضی ہوا
عَنْهُمْ: ان سے
وَرَضُوْا عَنْهُ: اور راضی ہوئے اس سے
ذٰلِكَ: یہ ہے
الْفَوْزُ: کامیابی
الْعَظِيْمُ: بڑی
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
مُلْكُ: سلطنت
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَالْاَرْضِ: اور زمین کی
وَمَا: اور جو
فِيْهِنَّ: ان میں سے
وَهُوَ: اور وہی
عَلٰى كُلِّ: پر ہر
شَيْءٍ: شے
قَدِيْرٌ: قادر ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَکَ

پاک ہے تو

کرم میری روح کو سورۂ مائدہ کے ساتھ

دعا کے لیے روک لیا

کرم!

کرم!

اور پھر کرم!

یا کریم یا کریم یا کریم

سورۃ المائدہ کی آواز اے ایمان والو!!!

چودہ مرتبہ ہے

لیکن اس کی گونج میرے دل میں مسلسل ہے!

مائدہ اترا تو پہلے دور میں تھا

لیکن غذاؤں اور ثمرات کی لذت اب بھی محسوس ہو رہی ہے

مولا کرم کر دے

شعائر کا احترام آ جائے

نمازیں، عبادتیں اور ریاضتیں

طہارت کے ماحول میں نصیب ہو جائیں!!!

عدل، رسوخ، شہادت، تکمیل دین اور انتخاب کا پھل مل جائے

یا نور، نور والے نور

تیری کتاب نور، تیرا رسول نور اور تیرا نطق نور

تقویٰ کا وسیلہ میں تلاش کہاں کروں تو خود ہی عطا فرما دے

میرے ربّ!

تو عیسیٰ علیہ السلام کو بلند آسمانوں پر لے گیا

ہمیں ہماری زمین ہی ابوتراب کے دیس میں نصیب فرما

یہود و نصاریٰ کی دوستی سے بچا

ان کے فتنوں کو ختم کر

ہمیں ایسی صحبتیں نصیب فرما

جہاں ہر فرد کے ضمیر میں محبت ہو

حلال و حرام کی پابندی نصیب کر

ہم احرام کے شکاری نہ بنیں

قمار بازی، جوئے اور شراب میں دھت مداری نہ بنیں

کثرت سوالی کی بے ادبی ہم سے دور کر دے

ہمیں سنبھالا نصیب فرما

سفر میں ہوں یا حضر میں تیرے نظام کے نور میں موت آئے

مجھے

میرے ماں باپ

میری آل اولاد

میرے مشائخ
اور میرے صحبت کے سنگیوں کو معاف کر دے
خوابوں میں ضائع ہونے والی جوانی دھو دے
بڑھاپا آسان بنا
سُبْحٰنَكَ!!!
قبر، حشر اور حشور!
بہ نورِ حضور ہو جائے!
میرے کریم ربّ!
رنگوں کی صورت میں!
عناصر کی مورت میں!
جمال کے جلووں میں!
حضور ﷺ کی زیارت نصیب کر دے
اور
وقت کے یزیدوں سے دور رہنے کی تمنا پوری کر دے
میرے نگہبان!
کربلا کی خاک میں میری پیاس بھی عشق کی راکھ میں
بے نام ہو گئی ہے
چشمۂ محبت سے آلِ محمد کے دیوانوں کی پیاس بجھا دے
اور سلام تیرے نبی کے اصحاب پر سلام
سلام اور سلام

(1) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً تفسیر القاسمی

(2) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(3) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(3A) حاشیہ جلالین: مولوی کمال الدین ایضاً جامع البیان

(4) المفردات: راغب اصفہانی ایضاً تفسیر کبیر

(5) روح المعانی: آلوسی

(6) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً تفسیر نبوی ایضاً البحر المحیط

(7) تفسیر نبوی: نبی بخش حلوائی

(8) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً رازی ایضاً نبی بخش حلوائی

(9) تفسیر نبوی: نبی بخش حلوائی

(10) معارف القرآن: محمد شفیع مفتی

(11) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع

(12) روح المعانی: آلوسی ایضاً ابن جریر ایضاً مظہری

(13) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً قرطبی

(14) معارف القرآن: کاندھلوی

(15) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً مظہری ایضاً زاد المسیر

(16) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(17) روح المعانی: آلوسی ایضاً فخر رازی ایضاً ابن عاشور

(18) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً روح المعانی ایضاً قرطبی

(19) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات

(20) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(21) تفسیر قاسمی: علامہ جمال الدین

(22) مجمع البیان: طبرسی ایضاً مظہری ایضاً آلوسی

(23) تفسیر مظہری: پانی پتی

(24) تفسیر مظہری: پانی پتی

(25) تفسیر مظہری: پانی پتی

(26) تفسیر مظہری: پانی پتی

(27) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(28) تفسیر القرطبی: قرطبی ایضاً ابن کثیر ایضاً وھبہ ایضاً ابن عاشور

(29) ضیا القرآن: کرم شاہ الازھری

(30) ضیا القرآن: کرم شاہ الازھری

(31) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(32) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(33) تدبر قرآن: امین اصلاحی

(34) المفردات: راغب ایضاً خازن ایضاً نبی بخش ایضاً مجمع ایضاً نمونہ ایضاً رازی ایضاً بیضاوی

(35) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً خازن ایضاً تفسیر نبوی ایضاً نمونہ ایضاً آلوسی

(36) ضیا القرآن: پیر کرم شاہ الازھری

(37) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(38) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً مظہری

(39) تفسیر المراغی: احمد المصطفیٰ المراغی

(40) تفسیر قرطبی: علامہ قرطبی

(41) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(42) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً مظہری ایضاً آلوسی ایضاً روح البیان ایضاً طبرانی ایضاً وھبہ ایضاً الیسر التفاسیر ایضاً سیوطی

(43) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً تفسیر نبوی ایضاً ابوحیان اندلسی

(44) ضیا القرآن: پیر کرم شاہ الازھری

(45) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً البحر المحیط ایضاً مظہری ایضاً ابن کثیر ایضاً تفسیر حقانی ایضاً تفسیر نبوی

(46) فتح المنان: عبدالحق دہلوی

(47) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً معارف القرآن ایضاً وھبہ

(48) تفسیر نبوی پنجابی: نبی بخش حلوائی

(49) تفسیر نبوی: نبی بخش حلوائی

(50) تفسیر المنیر: وھبہ ایضاً نمونہ

(51) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً معارف القرآن

(52) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً معارف القرآن

(53) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً قرطبی

(54) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(55) تاج العروس: زبیدی حنفی

(56) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً قرطبی ایضاً نعیمی

(57) تفسیر قرطبی: قرطبی

(58) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(59) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(60) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع

(61) تفسیر المنار: رشید رضا

(62) التفسیر المنیر: وھبہ الزحیلی

(63) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً زحیلی ایضاً شنقیطی ایضاً الجزائری ایضاً کمالین

(64) تفسیر صاوی حاشیہ برجلالین: صاوی ایضاً وھبۃ الزحیلی ایضاً تفسیر قرطبی ایضاً ابن جریر طبری

(65) محاسن التاویل: محمد جمال الدین قاسمی

(66) تفسیر المراغی: علامہ احمد مصطفیٰ المراغی

(67) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(68) تفسیر القرآن الحکیم: خطیب شربینی

(69) تفہیم القرآن: سید مودودی

(70) انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا والیم 22 عنوان تثلیث (Trinity)

(71) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً اسباب النزول

(72) الجامع البیان: ابن جریر طبری ایضاً زحیلی ایضاً مواہب

(73) المفردات: راغب ایضاً وھبہ ایضاً تاج ایضاً نمونہ

(74) تفسیر المنار: رشید رضا مصری

(75) حاشیہ مطلوب الطالبین: سید محی الدین ضامن ایضاً نہج البلاغہ کلمات قصار کلمہ 147

(76) تفسیر نبوی: نبی بخش حلوائی

(77) تفسیر نبوی: نبی بخش حلوائی

(78) دار المنثور: جلال الدین سیوطی

(79) المحرر الوجیز: ابن عطیہ

(80) المحرر الوجیز: ابن عطیہ ایضاً معارف القرآن

(81) المحرر الوجیز: ابن عطیہ

(82) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی ایضاً تفسیر قرطبی

(83) المحرر الوجیز: ابن عطیہ

(84) التفسیر المنار: رشید رضا مصری

(85) تفسیر ابن جریر: ابن جریر طبری

(86) دائرۃ المعارف فرید وجدی جلد ششم ایضاً تفسیر ابن عاشور ایضاً تفسیر نبوی ایضاً کمالین برجلالین

(87) التحریر: ابن عاشور

(88) المنار: رشید رضا

(89) لسان العرب: ابن منظور

(90) تاج العروس: زبیدی حنفی

(91) تفسیر قرطبی: قرطبی ایضاً بغوی ایضاً مجمع ایضاً نعیمی ایضاً معارف ایضاً مظہری

(92) تفسیر القاسمی: محمد جمال الدین ایضاً معارف القرآن ایضاً تفسیر نمونہ

(93) تفسیر ابن جریر: ابن جریر طبری ایضاً بغوی

(94) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً معارف القرآن

(95) تفسیر بغوی بحوالہ مظہری: مظہری ایضاً معارف

(96) المفردات: راغب ایضاً روح البیان

(97) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً خازن ایضاً صاوی

(98) حیات الحیوان: دمیری ایضاً قزوینی ایضاً ارسلان اختر

(99) مکارم اخلاق ص: 135 یکے از باب دائرۃ المعارف مطبوعہ ریاض سعودیہ

(100) تفسیر رازی: فخر ایضاً روح

(101) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً معارف القرآن

(102) معارف القرآن: شفیع

(103) المفردات: راغب

(104) تاج العروس: زبیدی حنفی

(105) لسان العرب: ابن منظور

(106) لفات القرآن: ابن قتیبہ

(107) تفسیر طبری: ابن جریر

(108) الجامع لاحکام: قرطبی

(109) تفسیر کبیر: فخر رازی

(110) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(111) المفردات: راغب اصفہانی

(112) روح المعانی: آلوسی

(113) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً روح المعانی ایضاً روح البیان ایضاً ابن عاشور

ایضاً معارف القرآن

(114) تفسیر مظہری: ثناءاللہ پانی پتی

(115) تفسیر عثمانی: شبیر احمد عثمانی

(116) التحریر: ابن عاشور ایضاً قرطبی ایضاً معالم التنزیل ایضاً مظہری ایضاً روح المعانی ایضاً الجزائری ایضاً سید قطب ایضاً مجمع البیان

(117) فی ظلال القرآن: سید قطب

(118) تاج العروس: زبیدی حنفی

(119) احکام القرآن: جصاص رازی

(120) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً روح المعانی ایضاً رازی ایضاً مجمع

(121) تفسیر مراغی: مصطفیٰ المراغی

(122) روح المعانی: آلوسی

(123) تاج العروس: زبیدی حنفی

(124) لسان العرب: ابن منظور

(125) لغات القرآن: پرویز

(125A) تاج العروس: زبیدی حنفی

(126) المفردات: راغب

(127) تاج العروس: زبیدی حنفی

(128) لسان العرب: ابن منظور افریقی ایضاً محیط ایضاً لغات القرآن

(129) تاج: زبیدی حنفی

(130) المفردات: راغب اصفہانی

(131) تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر ایضاً طبرسی ایضاً نمونہ

(132) احسن التفاسیر: سید احمد حسن ایضاً بدایونی ایضاً نمونہ

(133) تفسیر تبصرہ: القرآن سورۂ آل عمران آیت:03

(134) تفسیر کبیر: رازی ایضاً روح المعانی ایضاً بیضاوی ایضاً مدارک التنزیل

(135) روح المعانی: آلوسی ایضاً بیضاوی ایضاً ابن عاشور ایضاً مدارک التنزیل

(136) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار رضا بدایونی

(137) الیسر التفاسیر: ابوبکر الجزائری ایضاً فخر رازی ایضاً ابن کثیر ایضاً بغوی ایضاً قرطبی ایضاً روح ایضاً ابن عاشور ایضاً خطیب

(138) تفسیر ثعلبی: ثعلبی ایضاً نعیمی ایضاً رازی ایضاً مجمع طبری ایضاً طبرسی

(139) کشف المحجوب: سید علی ہجویری

(140) کشف المحجوب: سید علی ہجویری

(141) فیوضات یزدانی: سید عبدالقادر جیلانی

(142) مطلوب الطالبین: سید نجیب شاہ الحسینی

(143) فی ظلال القرآن: سید قطب ایضاً رشید رضا ایضاً آلوسی ایضاً تفسیر المنیر ایضاً واحدی

(144) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً رازی ایضاً ابن عاشور ایضاً ابوبکر الجزائری ایضاً نعیمی ایضاً المفردات ایضاً ابن منظور افریقی ایضاً بیضاوی ایضاً قرطبی

(145) تفسیر طبری: ابن جریر ایضاً ذخائر العقبیٰ ایضاً اللباب ایضاً آلوسی ایضاً فخر رازی ایضاً فتح القدیر ایضاً اسباب النزول ایضاً مجمع البیان ایضاً نمونہ ایضاً در المنثور

(146) روح المعانی: آلوسی

(147) الکشاف: زمخشری

(148) الدر المصنون: شہاب الدین ایضاً روح المعانی

(149) المحرر الوجیز: ابن عطیہ

(150) ایک جدید فرقہ جس کا سربراہ جلب زر کا فریفتہ رہا

(151) روح المعانی: آلوسی ایضاً فخر رازی ایضاً اللباب ایضاً قرطبی ایضاً طبرسی

(152) تفسیر کبیر: فخر رازی ایضاً خازن ایضاً مظہری ایضاً الجزائری

(153) تفسیر طبری: ابن جریر ایضاً تفسیر نعیمی

(154) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی

(155) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی ایضاً اللباب

(156) تفسیر المنار: رشید رضا ایضاً ابوالحسنات ایضاً نمونہ ایضاً اللباب ایضاً واحدی

(157) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب ایضاً راغب اصفہانی ایضاً فخر رازی

(158) تاج: زبیدی حنفی ایضاً فیض کاشانی ایضاً راغب اصفہانی

(159) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً راغب ایضاً فیض کاشانی

(160) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً فخر رازی ایضاً اسماعیل حقی

(161) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً فخر رازی ایضاً مفتی احمد یار خان

(162) اسباب النزول: واحدی نیشاپوری ایضاً رازی ایضاً جلال الدین سیوطی ایضاً عمدۃ القاری ایضاً ابن عساکر ایضاً المنار ایضاً ابن صباغ مالکی ایضاً شیخ عبدہ، مصری ایضاً نمونہ ایضاً مجمع ایضاً فیض کاشان

(163) المنار: رشید رضا

(164) فی ظلال القرآن: سید قطب

(165) جمال القرآن: سید ذاکر حسین شاہ سیالوی

(166) تدبر القرآن: امین اصلاحی

(167) روح البیان: اسماعیل حقی تفسیر طبری: ابن جریر طبری ایضاً عیسائی مذہب کی تاریخ: مولوی رحمت اللہ جلد اول صفحہ 78 تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی

(168) تفسیر صاوی: علامہ صافی ایضاً اکلیل ایضاً جمل

(169) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی

(170) التحریر: ابن عاشور ایضاً وھبہ ایضاً تاج ایضاً لسان العرب ایضاً المفردات

(171) تفسیر صاوی: علامہ صاوی ایضاً خطیب شربینی

(172) حدائق بخشش: امام احمد رضا بریلوی

(173) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی

(174) سواطع الالہام: فیضی ایضاً المفردات فی القرآن ایضاً منبع العلوم ایضاً ابن عاشور

(175) البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید: علامہ ابو عباس احمد الحسنی

(176) تفسیر قرطبی: امام قرطبی ایضاً بغوی ایضاً آلوسی ایضاً مجمع البیان ایضاً ابن کثیر ایضاً مظہری ایضاً وھبہ ایضاً جمل

(177) روح المعانی: آلوسی

(178) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً مجمع ایضاً طبرسی

(179) تفسیرات امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بحوالہ تفسیر البرھان

(180) تفسیر القرآن: رشید رضا

(181) تفسیر حسنات: سید ابو الحسنات ایضاً تفسیر مظہری پانی پتی

(182) تاویلات اہل سنت: ابو منصور ماتریدی

(183) البحر المدید: ابن عجیبہ الحسنی ایضاً تفسیر جیلانی بانخجوانی

(184) تفسیر القرآن: صاوی ایضاً روح البیان ایضاً تفسیر نعیمی

(185) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان ایضاً خزائن الفرقان ایضاً خازن ایضاً قرطبی

(186) تفسیر نمونہ: مفسرین کی ایک جماعت ایضاً صاوی ایضاً صافی ایضاً تاویلات

(187) مجمع البیان: طبرسی ایضاً تفسیر نعیمی ایضاً صافی ایضاً تفسیر الکبیر رازی

(188) مفاتیح الغیب: رازی

(189) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً التحریر والتنویر ایضاً روح القرآن

(190) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً خازن

(191) روح المعانی: آلوسی

(192) تفسیر کبیر: رازی ایضاً صاوی ایضاً نسفی ایضاً روح البیان ایضاً روح المعانی ایضاً نعیمی

(193) روح المعانی: آلوسی ایضاً خازن ایضاً بغوی

(194) روح المعانی: آلوسی ایضاً روح البیان ایضاً پانی پتی

(195) تیسیر الکریم الرحمٰن: عبد الرحمن بن عبد اللہ سعدی

(196) جامع البیان: ابن جریر طبری

(197) جامع البیان: ابن جریر طبری ایضاً قرطبی ایضاً وھبہ

(198) التحریر: ابن عاشور ایضاً وھبہ ایضاً فی ضلال

(199) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ

(200) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ ایضاً وھبہ ایضاً مجمع البیان طبرسی

(201) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً کبیر ایضاً منبع العلوم

(202) جامع البیان: ابن جریر طبری

(203) تاویلاتِ اہل سنت: ابو منصور ماتریدی

(204) روح المعانی: آلوسی ایضاً مدارک ایضاً تفسیر احمدی

(205) تفسیر احمدی: ملا جیون ایضاً روح البیان ایضاً مظہری ایضاً تفسیر نبوی ایضاً تفسیر الروح ایضاً ابن عاشور ایضاً مواہب الرحمٰن ایضاً وھبہ الزحیلی

(206) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب ایضاً المفردات

(207) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی

(208) تاویلات اہل سنت: ماتریدی ایضاً البحر المدید

(209) لسان العرب: ابن منظور افریقی ایضاً لغات القرآن ایضاً فیروز اللغات ایضاً التحقیق

(210) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً المفردات ایضاً التحقیق ایضاً الصحاح

(211) التحریر: ابن عاشور ایضاً ماتریدی ایضاً راغب ایضاً لغات القرآن ایضاً واحدی ایضاً بیضاوی

(212) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ

(213) تفسیر القرآن: خازن

(214) خزائن الفرقان: صدر الافاضل

(215) روح المعانی: آلوسی ایضاً تفسیر کبیر

(216) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار بدایونی

(217) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً آلوسی ایضاً البحر المدید ایضاً وھبہ

(218) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان
(219) مجمع: طبرسی ایضاً نمونہ
(220) مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی
(221) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً آلوسی ایضاً خازن ایضاً نعیمی ایضاً مظہری ایضاً بقاعی
(222) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان
(223) تفسیر کبیر: رازی ایضاً خازن
(224) روح المعانی: آلوسی، مفتی احمد یار خان ایضاً تفسیر کبیر وغیرہ
(225) الامثل: مکارم شیرازی ایضاً مجمع البیان ایضاً مفسر لطف اللہ ایضاً تفسیر نمونہ ایضاً کاشفی
(226) تفسیر کبیر: رازی ایضاً روح البیان ایضاً خزائن ایضاً خازن ایضاً نعیمی ایضاً مظہری
(227) تفسیر نعیمی: احمد یار خان
(228) تفسیر بیضاوی: بیضاوی
(229) تفسیر کبیر: رازی
(230) المفردات: راغب اصفہانی
(231) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(232) تفسیر کبیر: رازی
(233) البسیط فی القرآن: واحدی
(234) مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی
(235) تفسیر الحسنات: سید ابوالحسنات قادری
(236) مدارک التنزیل: نسفی ایضاً البسیط واحدی
(237) حاشیہ جلالین: صاوی ایضاً جمل
(238) روح المعانی: آلوسی
(239) تفسیر القرآن: سید ابوالحسنات قادری
(240) تفسیر القرآن: سیدی ابوالحسنات قادری
(241) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(242) روح المعانی: آلوسی
(243) مدارک التنزیل: نسفی
(244) زاد المسیر: ابن جوزی
(245) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(246) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی
(247) حاشیہ جلالین: صاوی
(248) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان
(249) تفسیر القرآن: زجاج
(250) تفسیر نعیمی: احمد یار خان
(251) روح المعانی: آلوسی